# معرفتِ الٰہیہ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ: گلشن اقبال، کراچی

مع اِضافاتِ جدیدہ وخاتمۃ السّوانح

(اوّل۔ دوم)

شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت وارشاد

حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
بہ اُمیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

# انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

# ضروری تفصیل

نام کتاب : معرفتِ الٰہیہ

ملفوظات : شیخ المشایخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

مرتب : عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اشاعت : ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰ جون ۲۰۱۶ء بروز پیر

زیرِ اہتمام : شعبہ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

پوسٹ بکس:11182 رابطہ:92.21.34972080+ اور 92.316.7771051

ای میل:khanqah.ashrafia@gmail.com

ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی، پاکستان

## قارئین و محبین سے گزارش

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہِ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہوکر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوسکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل
نبیرہ و خلیفہ مُجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ
ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

# عنوانات

# مقدمہ

از جناب مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب خادمِ خاص حضرت شاہ پھولپُوری رحمۃ اللہ علیہ
خلیفۂ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

یہ کتاب "معرفتِ الٰہیہ" دراصل حضرت مولانا شاہ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی سولہ سال کی مختلف مجالس کے ارشادات و تقاریر کا مجموعہ ہے، جس کو احقر قلم بند کرلیا کرتا تھا۔ یہ علوم و ارشادات بعض تو درس بخاری شریف کے وقت میں ہوئے، بعض بصورتِ جلسہ و خطابِ عام ہوئے۔ بعض مجلسِ احبابِ خصوصی میں بصورتِ ملفوظات ہوئے۔ بعض علوم درسِ مثنوی مولائے روم کے وقت ارشاد ہوئے اور بعض علوم و معارف اس وقت کے ہیں کہ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ تنہا تلاوت و ذکر میں مشغول ہوتے تھے اور اچانک ارشاد فرماتے کہ حکیم اختر! احقر عرض کرتا: جی حضرت! ارشاد فرماتے کہ اس آیت کے متعلق یا اس حدیث کے متعلق حق تعالیٰ نے علمِ عظیم عطا فرمایا ہے، پھر تقریر فرماتے اور حکم فرماتے کہ اس مضمون کو لکھ لو۔ اکثر جب کسی وارد علمیہ کی تقریر فرماتے تو ارشاد فرماتے کہ یہ نعمتِ علم ایسی نعمت ہے کہ ہفت اقلیم کی دولت اس کے سامنے ہیچ ہے اور فرماتے کہ حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ سب کچھ فیض ہے۔ حضرت والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ان علومِ عظیمہ کو احقر قلم بند کرکے جب سناتا تو بہت مسرور ہوتے اور بعض احباب سے غائبانہ فرماتے کہ حکیم اختر ہمارے علومِ غامضہ کو بھی خوب سمجھ لیتے ہیں اور پھر اس کو باحسن طریق قلم بند بھی کرلیتے ہیں۔ ایک بار حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صدر دارالعلوم کراچی) نے حضرت والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ حضرت! حکیم اختر کو ماشاء اللہ حق تعالیٰ نے تحریرِ مضامین کا خوب سلیقہ عطا فرمایا ہے، تو حضرتِ والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے میری طرف رخ فرماکر ارشاد فرمایا کہ خبردار! تم اپنا کوئی کمال مت سمجھنا (یہ علاجِ نفس کے لیے) پھر تنہائی میں احقر سے ارشاد فرمایا کہ یہ استاد کا فیض ہوتا ہے، اپنی طرف نسبت کبھی نہ کرنی چاہیے۔

کراچی میں حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ان ہی سولہ سالہ مسودات اور مجموعۂ علوم و معارف میں ترتیب دینے سے سب سے پہلی کتاب ''معیتِ الٰہیہ'' تیار ہوئی، پھر تین ماہ مسلسل ''معرفتِ الٰہیہ'' کی ترتیب ہوئی، احقر ہر روز اوّلاً چار رکعت نماز نفل ادا کرتا، پھر سجدے میں رو کر دعا کرتا کہ اے اللہ! حضرت شاہ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کو باحسن طریق احقر کے قلم سے جمع فرمادیجیے۔ بفضلہٖ تعالیٰ اوسطاً پانچ صفحات یومیہ ہوجاتے۔ یہ نام ''معرفتِ الٰہیہ'' بھی احقر ہی کا تحریر کردہ ہے، جس کو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے بہت پسند فرمایا۔ ''معرفتِ الٰہیہ'' کی تحریر کے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ میرے قلب میں الفاظ اور ترتیب القا فرمارہے ہیں اور احقر لکھتا جارہا ہے۔ اکثر و بیشتر مضامین کے تاثر سے احقر پر لکھتے لکھتے گریہ طاری ہوجاتا، پھر دل کو سنبھال کر قلم اُٹھاتا، اس وقت احقر کو اپنے وجود کی مطلق خبر نہ رہتی، بس یہی معلوم ہوتا کہ حضرت مرشدی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی روحِ مبارک میری روح پر خاص طور پر متوجہ ہے۔

آمدی در من مرا بُردی تمام
اے تو شیر حق مرا خوردی تمام

''معرفتِ الٰہیہ'' کے جب تین سو صفحات ہوچکے اور احقر کا ارادہ ہوا کہ اب یہ کتاب پریس کے حوالے کردوں، اسی شب میں خواب میں دیکھا کہ حضرت والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میری کتاب ''معرفتِ الٰہیہ'' چار سو صفحات کی ہے۔ احقر نے اس اشارۂ غیبی کے بعد اور مضامین مسودات سے تلاش کرکے لکھنا شروع کیے، حتیٰ کہ بفضلہٖ تعالیٰ یہ کتاب مکمل ہوگئی۔ ''معرفتِ الٰہیہ'' کے بعد اسی طرح ''صراطِ مستقیم'' اس کے بعد ''ملفوظات'' اور ''براہین قاطعہ'' کی ترتیب ہوئی۔ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے کتاب ''معرفتِ الٰہیہ'' کو جب دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ سولہ سال کے متفرق مضامین (علوم و معارف) کا اس طرح مربوط تحریر ہوجانا یہ حضرت اقدس پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہے۔ حضرت اقدس پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب

یہ کتاب ”معرفتِ الٰہیہ“ اوّل اوّل طبع ہو کر بذریعۂ ڈاک پہنچی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس وقت ہردوئی میں قیام فرما تھے، فوراً مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا اور اس کتاب کو ہاتھ میں لے کر رونے لگے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر دیر تک غلبۂ تشکر کا حال طاری رہا۔ بار بار فرماتے کہ اے اللہ! یہ آپ کا کرم ہے جو اتنا بڑا کام مجھ سے لے لیا۔ اس پانچویں ایڈیشن میں چند مفید اضافات کے علاوہ حضرت اقدس پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم تقریر ”اثباتِ قیامت کی عقلی دلیل“ (منظوم) کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

العارض

محمد اختر غفرلہ، ۱۳؍ شوال ۱۳۸۳ھ

مطابق ۲۷؍ فروری ۱۹۶۴ء

۴-جی ۱۲/ ۱، خانقاہ اشرفیہ، ناظم آباد/ کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ کے مختصر حالات از مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب

## ولادتِ باسعادت

سن ولادت حضرتِ والا کا ۱۲۹۳؁ھ ہے۔ اپنے پیر و مرشد حضرت والا حکیم الاُمّت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عمر میں تیرہ سال چھوٹے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ عبد الوہاب تھا اور دادا مرحوم کا نام شیخ امانت اللہ تھا۔ آپ ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں مسمیٰ بہ چھاؤں کے رہنے والے ہیں، لیکن آپ کی عمر کا بیشتر حصہ چوں کہ قصبہ پھولپور میں گزرا ہے، اس لیے آپ پھولپوری مشہور ہیں۔ پھولپور چھاؤں سے گیارہ میل کے فاصلے پر ہے۔

## علوم وفنون کی تحصیل اور تکمیل

بچپن میں گاؤں سے قریب موضع گمبھیر پور کے پرائمری اسکول میں اردو پڑھنے کے لیے دو تین دن جاتے ہوئے گزرے تھے کہ اسی زمانے میں آپ کے دادا صاحب مرحوم نے آپ کی والدہ ماجدہ کو خواب میں ہدایت کی کہ عبد الوہاب (یعنی حضرت والا کے والد مرحوم) سے کہہ دو کہ اس بچے کو علمِ دین کی تعلیم دلوائیں۔ اس خواب کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کے دادا مرحوم نے یہ فرمایا کہ مٹی کا ایک چنا ہے اور لوہے کا ایک چنا ہے۔ مٹی کا چنا ٹوٹ جاتا ہے اور لوہے کا چنا نہیں ٹوٹتا ہے۔ پس اس مثال سے سمجھ لو کہ دنیا مٹی کا چنا ہے اور دین لوہے کا چنا ہے۔ پس اس بچے کو علمِ دین سکھاؤ۔ آپ کے دادا صاحب مرحوم صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ آپ کے والد صاحب نے فرمایا کہ میں نے والد صاحب کو تین سانس سے زیادہ سوتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، ہر تین سانس کے بعد اللہ کا ذکر زبان سے جاری ہو جاتا تھا۔ حضرت والا کے والد صاحب

مولانا عبد السبحان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور مولانا عبد السبحان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ چار واسطے کے بعد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے مل جاتا ہے، اور حضرت والا کی والدہ ماجدہ حضرت مولانا عبد السبحان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حافظ مولوی محمد صاحب سے بیعت تھیں، حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ ہماری والدہ ماجدہ نمازِ تہجد کے بعد بارہ ہزار ذکر کرتی تھیں۔ پھر بعد نمازِ فجر تلاوت اور نمازِ اشراق وغیرہ سے فارغ ہو کر گھر کے کام میں مشغول ہوتی تھیں۔ حضرت والا اس وقت اٹھاسی سال کے ہیں، لیکن اس عمر میں بھی اپنے ماں باپ کی محبت اور شفقت کو یاد کر کے اشکبار ہو جاتے ہیں۔

حضرت والا کے دادا صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ ایک بار کا قصہ ہے کہ حضرت کے والد صاحب کو کھیت میں آب پاشی کی ضرورت تھی۔ گاؤں والوں نے ان کے ساتھ بے مروّتی کا معاملہ کیا، والد صاحب نے دادا صاحب سے ذکر کیا کہ لوگ پانی لینے کے لیے ہماری باری سے انکار کرتے ہیں اور اتنا کہہ کر رو دیے۔ دادا صاحب کا دل بیٹے کی اس کیفیت سے بہت متأثر ہوا اور سیدھے مسجد تشریف لے گئے اور دعا شروع کی اور غلبۂ حال سے چیخ نکل گئی، چیخ کا نکلنا تھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا آسمان پر نمودار ہوا اور اس سے پہلے آسمان بالکل صاف تھا، پھر چند منٹ میں خوب تیز بارش ہوگئی اور والد صاحب کا کام بن گیا۔

آپ کے دادا مرحوم کی خواب میں اس ہدایت کے بعد آپ کے والد صاحب مرحوم نے آپ کو عربی تعلیم کے لیے جون پور مولانا مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ مولانا ابو الخیر مکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سخاوت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے تھے، جو حضرت مجدّد سید احمد شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ مولانا مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ''شرح جامی'' اور ''شرح تہذیب'' تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد تقریباً دو سال کے لیے مولانا سید امین صاحب نصیر آبادی کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد جامع العلوم کانپور میں ''مشکوٰۃ شریف'' تک تعلیم حاصل فرمائی۔ اسی اثنائے تعلیم میں ''قطبی'' کا امتحان ایک بار حضرت حکیم الاُمّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لیا تھا اور حضرتِ والا اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئے۔ اسی زمانے سے

حضرت والا کے قلب میں حضرت شیخ حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت اور عقیدت کا بیج جم گیا اور ارادہ فرمالیا کہ بعد فراغتِ تعلیم حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہی سے بیعت ہوں گا۔ حضرتِ والا کو چوں کہ معقولات کا شوق زیادہ تھا اور اس وقت مدرسہ عالیہ رام پور منطق اور فلسفے کا مشہور اور مخصوص مرکز تھا، اس لیے معقولات کی تکمیل کے لیے رام پور تشریف لے گئے، وہاں مولانا فضلِ حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ منطق اور فلسفے کے ایسے بہترین استاد موجود تھے جن کی خدمت میں بخارا، ترک، غزنی، ہرات، کابل، قندھار، سمرقند وغیرہ کے طلباء بھی مولانا کا شہرہ سن کر آتے تھے اور ان میں اکثر تمام درسیات سے فارغ ہوکر محض تکمیلِ معقولات کی غرض سے شریکِ درس ہوتے تھے۔ مولانا فضل حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالحق خیر آبادی صاحب اور مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ حضرتِ والا تکمیلِ معقولات کے زمانے میں نیچے کے طلباء کو "ہدایہ"، "میر زاہد"، "ملا حسن" وغیرہ بھی پڑھاتے تھے۔ اسی مدرسہ عالیہ میں مولانا قاری علی حسین خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید موجود تھے، جن سے حضرتِ والا نے "مسلم شریف" اور کچھ فنِ تجوید کی تحصیل فرمائی۔ چوں کہ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ اسحاق صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اس لیے حضرت والا اور حضرت شاہ اسحاق صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔

مدرسہ عالیہ سے درسِ نظامی کی سند حاصل کرنے کے بعد حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ حدیث پڑھنے کے لیے مولانا ماجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گلاؤٹی تشریف لے گئے۔ مولانا ماجد علی صاحب جون پوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے زبردست معقولی تھے اور مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احمد حسین صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور حدیث میں حضرت مولانا محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دو سال میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی تھی اور حضرت

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ساری تقریریں رات کو لکھتے تھے، حتیٰ کے بعض راتوں میں تقریر لکھتے لکھتے فجر کی اذان ہو جاتی تھی۔

## درس اور تدریس

مولانا ماجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیل درسِ حدیث کے بعد پھر حضرت والا مولانا فضل حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اوپر کی کتابوں کی سماعت کی غرض سے دو سال شریکِ درس رہے۔ ایک روز مولانا فضل حق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی! اب جاؤ کہیں پڑھاؤ، کب تک یہیں رہو گے؟ اب ہمارے اور تمہارے علم میں اعم و اخص من وجہٍ ہی کا تو فرق ہے۔ اسی زمانے میں سیتا پور سے مولوی عبد القادر صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر والد ماجد جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی کا خط مولانا کے پاس ایک مدرس اوّل کی ضرورت کے لیے آیا، مولانا نے حضرت والا کو سیتا پور بھیج دیا۔ اس مدرسے کا نام مدرسہ اسلامیہ عربیہ تھا۔ چند ماہ پڑھانے کے بعد ایک بار وہاں کے لوگوں نے حضرت والا سے کہا کہ آپ بھی تیجہ اور چالیسواں وغیرہ رسومِ جاہلیت میں شریک ہوا کریں۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت والا نے ڈانٹ کر فرمایا کہ ان کاموں کے لیے کسی مُلّا روحی بدعتی کو بلالو، میں یہاں دین بیچنے نہیں آیا ہوں اور حضرت والا نے استعفا داخل فرما دیا۔ اس کے بعد مولانا ابو بکر صاحب مرحوم جو حضرت مولانا مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحب زادے تھے، انہوں نے جون پور اپنے مدرسے میں حضرت والا کو درس و تدریس کے لیے بلا لیا۔ حضرتِ والا اس مدرسے میں تقریباً پانچ سال تک بحیثیتِ صدر مدرس درس دیتے رہے۔ حضرتِ والا کے قویٰ چوں کہ جوانی میں بہت عمدہ تھے، اس لیے صبح تا شام "بخاری"، "ترمذی" و دیگر صحاح کے علاوہ معقول و منقول کو ملا کر سولہ اسباق پڑھاتے تھے اور ایک بجے رات تک مطالعہ کرتے تھے۔ اسی زمانے میں حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ بھی جون پور میں مدرس تھے۔

## روحانی ولادت، یعنی بیعت وارادت

جون پور میں درس و تدریس ہی کے زمانے میں حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حکیم الاُمّت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ سرائے میر ضلع اعظم گڑھ تشریف لائے۔ قصبہ سرائے میر عید گاہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ ہوا اور عید گاہ ہی میں محراب کے اندر ۱۳۲۸ھ میں حضرتِ والا پھولپوری حضرت حکیم الاُمّت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ بیعت کے وقت حضرتِ والا کا عجیب امتحان ہوا، وہ یہ کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کے وقت ارشاد فرمایا کہ کہیے کہ بیعت ہوتا ہوں اشرف علی کے ہاتھ پر۔ اس وقت حضرت والا نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نام مبارک کے ساتھ خوب القاب و آداب کے الفاظ لگا کر وہ جملہ دہرایا، اس وقت خطرۂ عظیم یہ تھا کہ غفلت سے ویسے ہی نام بدون القاب منہ سے نکل جاتا، لیکن حق تعالیٰ نے حضرتِ والا کو اپنے فضلِ خاص سے سنبھال لیا۔

حضرت والا کا درس و تدریس کے ساتھ ساڑھے نو ہزار ذکر اسم پاک کا معمول تھا اور اس درجہ التزام و دوام تھا کہ ایک بار بدن میں سخت قسم کا تکلیف دہ پھوڑا نکل آیا اور بیٹھا نہ جاتا تھا، تو اس بیماری کی حالت میں بھی حضرت والا جامع مسجد جون پور میں لیٹ کر اپنا معمول پورا فرمالیا کرتے تھے۔ ایک عرصے کے بعد حضرت والا سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اب بارہ تسبیح کا ورد شروع کرو اور اس کا عملی طریقہ خود کر کے بتایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ اللہ کی تعلیم آپ کو اس طریقے سے دیتا ہوں کہ ایک ضرب اللہ کی لطیفۂ روح پر، دوسری ضرب اللہ کی لطیفۂ قلب پر واقع ہو اور اس خاص دو ضربی طریقے کی تعلیم آپ ہی سے شروع کرتا ہوں۔ اس سے پہلے صرف لطیفۂ قلب پر دو ضربی کی تعلیم دیتا تھا۔

حضرت والا یکم ربیع الاوّل یوم دوشنبہ ۱۳۲۸ھ بعد نمازِ فجر بیعت ہوئے تھے اور اتفاق سے ۱۳۳۲ھ یکم ماہِ ربیع الاوّل یوم دوشنبہ کو اجازتِ بیعت سے مشرف ہوئے۔

## قیامِ مدرسہ روضتہ العلوم

۱۳۳۳ھ میں حضرتِ والا نے پھولپور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے سے مدرسہ روضتہ العلوم قائم فرمایا، جس کی بنیاد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دستِ مبارک سے ڈالی اور ارشاد فرمایا کہ اس مدرسے کا نام پھولپور کی مناسبت سے

روضۃ العلوم رکھتا ہوں۔ اس مدرسے کا جس جگہ کنواں ہے خواب میں اسی جگہ پہلے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ حضرت کھڑے ہیں، بس حضرت والا نے حکم فرمایا کہ اسی جگہ کنواں کھودا جائے۔ اس کنویں کا پانی عجیب شیریں اور ٹھنڈا ہے۔

## قیامِ مدرسہ بیت العلوم

۱۳۴۹ھ میں حضرت والا نے قصبہ سرائے میر میں متصل عید گاہ ایک مدرسہ بیت العلوم بھی قائم فرمایا جس میں پورا درسِ نظامی پڑھایا جاتا ہے، اس مدرسے کی سرپرستی حضرتِ والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قبول فرمائی تھی اور اس کا نام بیت العلوم رکھا اور ارشاد فرمایا کہ سرائے کی مناسبت سے اس کا نام بیت العلوم یا دارالعلوم رکھنا چاہتا ہوں، لیکن بیت العلوم میں چوں کہ انکسار زیادہ ہے، اس لیے اس کا نام بیت العلوم رکھتا ہوں۔

ہر کجا پستی است آب آنجا رود

اللہ تعالیٰ اس کو دارالعلوم بنادیں۔ اس مدرسے کے متعلق حضرتِ والا کے نام حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کا جو والا نامہ صادر ہوا تھا، اس کی نقل یہ ہے اور اصل مکتوبِ گرامی مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں موجود ہے۔

## نقل مکتوب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

### بنامِ حضرت والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

مشفقی و مخلصی مولانا شاہ عبد الغنی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے ضرورت کو محسوس کرکے ایسا مدرسہ قائم کیا۔ میں ایسے مدرسے کی سخت ضرورت سمجھتا ہوں اور اس کے قائم ہونے سے بہت مسرور ہوں اور اس کے استحکام اور ناصرِ دین حق ہونے کی دعا کرتا ہوں اور اس کی اعانت کو واجب سمجھتا ہوں اور اعانت کی تحریک کو دلالت علی الخیر سمجھتا ہوں اور

معاونین و محرکین کے لیے بھی دعا کرتا ہوں، مگر چوں کہ میں کُل سفیروں کو جانتا نہیں ہوں، نیز وہ ممکن ہے کہ بدلتے بھی رہیں، اُن کی تصدیق کا یہ انتظام کافی سمجھتا ہوں کہ جس سفیر کے پاس آپ کا دستخطی اعلان ہو اُس کو میرا بھی معتمد سمجھا جائے اور اس سے باضابطہ رسید لے کر عطیہ مدرسہ بیت العلوم کے لیے دے دیا جائے۔

واللہ الموفق، والسلام

(مولانا) اشرف علی تھانوی عفی عنہ

۵ / شعبان ۱۳۵۲ھ

مدرسہ بیت العلوم کے اہتمام اور انتظام کے لیے حضرت والا قصبہ سرائے میر اکثر تشریف لے جاتے تھے، جو پھولپور سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ کبھی اگر پورا دن وہاں ٹھہرنا ہوتا تو گھر سے آٹا، نمک، گھی لے جاتے اور کچھ بازار سے خرید کر علیحدہ پکوا لیتے اور تناول فرماتے۔ اس امر پر اطرافِ اعظم گڑھ شاہد ہیں کہ حضرت والا نے مدرسے سے کبھی نمک تک نہیں چکھا اور نہ کبھی مدرسے سے اہتمام کی تنخواہ لی ہے۔ بدونِ معاوضہ محض رضائے حق کے لیے صبح پھولپور سے یکہ پر تلاوت کرتے ہوئے پانچ میل تشریف لے جاتے اور شام کو تلاوت کرتے ہوئے گھر واپس تشریف لے آتے۔

## خلافت کے متعلق چند غیبی بشارتیں

حضرتِ والا کو خلافت یعنی اجازتِ بیعت عطا ہونے سے قبل چند غیبی بشارتیں ہوئی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱) اجازت سے قبل حضرتِ والا نے حضرت شاہ فتح قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ قبر سے باہر بادامی رنگ کا کاغذ لیے ہوئے بیٹھے ہیں، جب حضرت والا حاضر ہوئے تو حضرت والا کے ہاتھ میں حضرت شاہ فتح قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کاغذ کو دے دیا۔ اس خواب کے چند ہی دن بعد حضرتِ والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اسی طرح بادامی رنگ کے کاغذ پر اجازت نامہ موصول ہوا۔ حضرت والا نے

جب حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز سے اپنا یہ خواب بیان کیا تو ارشاد فرمایا کہ آپ کو مذاقِ قلندری سے مناسبت ہے۔ پھر اس کی تشریح فرمائی کہ مذاقِ قلندری ایک خاص رنگ نسبت کا نام ہے، جس کی شان یہ ہوتی ہے کہ جس کے قلب میں یہ نسبت عطا ہوتی ہے اس کو تکثیرِ نوافل سے زیادہ دوامِ ذکر اور استحضارِ حق کا ہر وقت اہتمام رہتا ہے، یعنی اپنے باطن کو ایک لمحہ بھی حق تعالیٰ سے غافل نہیں ہونے دیتا۔

۲) اجازت ملنے سے کچھ ہی دن پہلے حضرت شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ فرمارہے ہیں کہ عبد الغنی کو خوب نہلا دھلا دو اور حضرت والا نے خواب ہی میں دیکھا کہ مجھے کچھ لوگ خوب مَل مَل کر نہلا رہے ہیں۔ اس خواب کے بعد حضرت والا کو اجازت عطا ہوئی۔

۳) اجازت سے قبل ایک بار حضرت والا نے ایک خاص اثر اور کیفیت کے ساتھ اپنے پیر و مرشد حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ اب یوں جی چاہتا ہے کہ دن کو گھاس کھود کر فروخت کرکے اسی روزی سے اپنی زندگی گزاروں اور باقی اوقات حق تعالیٰ کی یاد میں صَرف کروں اور خلق سے بالکل یکسو رہوں تو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں جی! آپ ان شاء اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کی گھاس نکالیں گے۔

۴) اجازت سے قبل ایک بار حضرت والا نے خواب دیکھا کہ تھانہ بھون خانقاہ شریف کی مسجد میں ایک تخت ہے اور اس پر سفید چادر بچھی ہے، حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز تخت پر بیٹھے ہیں اور حضرت والا کو حکم فرمایا کہ آپ بھی تخت پر بیٹھ جائیے۔ ایک عالم صاحب بھی تخت کے پاس کھڑے تھے، ان سے مخاطب ہو کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ (یعنی حضرت والا پھولپوری) بیٹھے ہیں نہ؟ حضرت والا نے اس خواب کی اطلاع حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس وقت دی جب کہ حضرت والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ مجاز بیعت ہوچکے۔ چناں چہ اس کی تعبیر میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ تعبیر اس خواب کی ہوچکی، یعنی آپ کو اجازت مل گئی۔

# حضرتِ والا کی سادگی

حضرتِ والا پھولپوری کی سادگی کے متعلق خود حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطبوعہ ملفوظ یہاں پر نقل کرتا ہوں۔

## نقل ملفوظ مطبوعہ ملفوظات ''حسن العزیز'' صفحہ ۸۳

فرمایا:(یعنی حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے) مولوی عبدالغنی صاحب ماشاء اللہ سپاہی آدمی ہیں، بڑے مستعد ہیں، پہلوان آدمی ہیں، پھر علمی و عملی کمال جُدا، مگر وضع سے مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کچھ بھی ہیں۔ یہ ذکر کا اثر ہے، ذکر عجیب چیز ہے، سب اصلاحیں اس سے ہو جاتی ہیں۔ مولوی عبدالغنی کس قدر سادے ہیں کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ پڑھے لکھے بھی ہیں۔ ذکر بناوٹ کو تو بالکل اڑا ہی دیتا ہے۔ مولوی عیسیٰ صاحب بہت خوش پوشاک ہیں، کہنے بھی لگے: تزیین میں کیا حرج ہے؟ یہ تو جمال ہے۔ اور حدیث میں ہے: اَللّٰہُ جَمِیۡلٌ یُّحِبُّ الۡجَمَالَ[1] میں سنتا رہا، بعد میں، میں نے کہا: مولوی صاحب! یہ سب اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت منکشف نہیں ہوتی اور جب حقیقت منکشف ہو جاوے گی تو اَللّٰہُ جَمِیۡلٌ یُّحِبُّ الۡجَمَالَ سے استدلال رکھا رہ جاوے گا، صحیح مفہوم اس کا سمجھ میں آجائے گا۔ چناں چہ وہ تھانہ بھون میں رہے اب ان کی حالت دیکھیے! اچکن اور گھڑی سب بھول گئے، غریبوں کی سی وضع ہو گئی۔

# حضرتِ والا کا شوقِ جہاد

حضرت والا کو اوائلِ عمر سے راہِ خدا میں جان قربان کرنے کا جذبہ ہر وقت بے چین رکھتا تھا، اسی کیفیت کے تحت حضرتِ والا نے ایک مشہور استاد ذاکر حسین غازی پوری مرحوم کو اپنے مدرسے پھولپور میں ایک معتدبہ مشاہرہ پر دس برس رکھا اور ان سے فنِ سپہ گری یعنی لاٹھی، تلوار، نیزہ اور ظفر پیکر وغیرہ کے فنون کی تکمیل کی۔

---

[1] صحیح مسلم:۱/۱۸۲،باب تحریم الکبرو بیانہ،ایچ ایم سعید

[2] الحجرٰت:۱۳

چوں کہ رام پور پڑھنے کے زمانے میں حضرتِ والا کو پہلوانی کا بھی شوق تھا اور اس غرض سے حکیم عبد البید خان دہلوی مرحوم کے استاد تفضل حسین خان سے کشتی بھی سیکھتے تھے، اس لیے قوتِ جسمانی بھی نہایت قوی تھی اور لاٹھی اس قدر قوت سے مارتے تھے کہ بڑے بڑے طاقتوروں کے قدم ہل جاتے تھے۔ حضرتِ والا کو فنِ سپہ گری سے اس درجہ شوق تھا کہ رمضان شریف میں روزہ رکھے ہوئے ۸ بجے دن تک اور بعد تراویح بھی لاٹھی کی مشق فرماتے تھے۔ تھانہ بھون میں بھی اپنے پیر و مرشد کے حکم سے بعض اہلِ علم کو لاٹھی سکھاتے تھے۔ ایک بار حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرتِ والا کی فنِ سپہ گری دیکھ کر فرمایا کہ جب آپ لاٹھی کے ہاتھ دکھا رہے تھے تو مجھے جوش آرہا تھا۔ حضرتِ والا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ ہمارے مولوی عبد الغنی صاحب ہزار آدمیوں کے مقابلے کے لیے تنہا کافی ہیں اور فرمایا کہ اگر ہم کو کبھی فوج کی ضرورت پڑے گی تو ہماری فوج اعظم گڑھ میں ہے۔

حضرتِ والا کے مزاج میں دین کے خلاف امور کو دیکھ کر سخت تغیر ہو جاتا اور جوشِ غضب میں مخالفینِ دین کی ہمیشہ بے لاگ بیخ کنی فرماتے رہے۔ ایک بار ایک مولوی صاحب نے جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازِ صحبت بھی تھے، حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! مولانا عبد الغنی صاحب میں غصہ بہت ہے۔ تو حضرت حکیم الاُمّت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والا پھولپوری سے فرمایا کہ آپ کی یہ فلاں مولوی صاحب شکایت کر رہے تھے، تو میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ اپنے آدمیوں میں ایک گرم آدمی کی بھی ضرورت ہے، ورنہ دشمن کھا جائیں گے۔

حضرت والا پھولپوری احقر سے ہمیشہ فرماتے رہے کہ اگر کہیں جہاد شروع ہوا تو میں فوراً شریک ہو جاؤں گا اور ارشاد فرمایا کہ میں نے جوانی کے وقت سے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی درخواست پیش کر دی ہے کہ ہمیں شہید کر کے دنیا سے اٹھائیے گا اور اس بات کو جب حضرت والا نے احقر سے نقل فرمایا ہے، اس وقت حضرت والا کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور اکثر حضرت مولانا امیر علی شاہ صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مصرعہ جوش میں رو کر پڑھا کرتے تھے۔

سر میداں کفن بر دوش دارم

اور فرمایا کہ جب یہ مصرعہ اجودھیا کی جنگ میں حضرت مولانا امیر علی شاہ صاحب پڑھتے تھے تو آسمان سے آواز آتی تھی ۔

بیا مظلوم اکنوں در کنارم

## حضرتِ والا کا لباس

جب احقر حضرتِ والا کی خدمت میں حاضر ہوا تو عمر شریف تقریباً سترّ برس تھی، اس وقت سے میں نے حضرت والا کو ہمیشہ کُرتا اور تہبند میں دیکھا ہے۔ کسی سال دو ایک روز کے لیے شاید پاجامہ بھی پہنا ہو اور اکثر حضرتِ والا کے پاس ایک ہی کُرتا رہا ہے، جس کو حضرتِ والا کے بعض خدام دھو دھو کر پہناتے رہے ہیں۔ حضرتِ والا کو یوں تو حق تعالیٰ کے فضل سے ہر طرح کی فراغت ہے، لیکن ہمیشہ صرف ایک چارپائی اور اس پر بستر اور سرہانے ایک لنگی اور تسبیح کے علاوہ کوئی سامان آپ کے پاس نہیں دیکھا گیا، نہ کوئی صندوق دیکھا گیا، نہ کوئی اور سامان دیکھا گیا۔ ہفتے کے دن قینچی اور آئینہ احقر سے طلب فرما کر خود ہی حجامت درست فرمالیتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ حجام کے لباس کی بُو سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن یہ ہندوستان کے دیہاتی حجاموں کے متعلق بات ہے۔ حضرتِ والا نے کبھی دھوبی کے یہاں کا دھویا ہوا کپڑا استعمال نہیں فرمایا، ہمیشہ گھر میں خاص اہتمام سے کپڑے دھلواتے ہیں۔ اگر ضرورتاً کبھی دھوبی کے یہاں کپڑا دھونے کے لیے دیا گیا تو بعد میں اس کو پھر گھر میں دھلوا کر تب استعمال فرمایا ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا: ”میں اس عمل پر فتویٰ نہیں دیتا ہوں، حق تعالیٰ سے میرا خاص معاملہ یہ ہے کہ میں اگر اس کے خلاف کرتا ہوں تو میری زبان ذکر میں بند ہو جاتی ہے، اس لیے میں اپنے نفس کے لیے یہ اہتمام کرتا ہوں۔“ حضرتِ والا کے کُرتے کے بٹن ہمیشہ کھلے ہوئے دیکھے ہیں اور اس کا مسنون ہونا ثابت ہے۔ حضرتِ والا کی اس سادگی اور چاکِ گریبانی کو دیکھ کر بے ساختہ اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر یاد آتا ہے ۔

اُڑا دیتا ہوں اب بھی تار تارِ ہست و بود اصغرؔ
لباسِ زہد و تمکیں پر بھی عریانی نہیں جاتی

## حضرتِ والا کی عبادت

حضرت والا کو چوں کہ حق تعالیٰ نے جوانی میں قوت اور صحت بہت عمدہ عطا فرمائی تھی، اس لیے حضرت والا کے معمولات بھی بہت زائد رہتے تھے۔ تہجد کے بعد بارہ تسبیح، پھر بعد فجر اکثر نو بجے دن تک پھولپور کی مسجد میں بیک نشست معمولات میں مشغول رہتے تھے اور گاہ گاہ گیارہ بجے دن تک مشغول دیکھا۔ یوں تو ظہر کے وضو سے عشاء کی نماز ہمیشہ پڑھنے کا معمول تھا، لیکن ایک بار حیرت انگیز بات دیکھنے میں آئی، وہ یہ کہ تہجد کے وضو سے عشاء کی نماز پڑھی۔ اکثر ظہر اور عصر تک بھی تلاوت میں مشغول دیکھا اور عصر کے بعد اگر کوئی طالب یا مہمان موجود ہوتا تو اس کو کچھ تعلیم ارشاد فرماتے، ورنہ عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشاء تک تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ ظہر تا عصر یا عصر تا مغرب یا مغرب تا عشاء، اگر کوئی طالب یا مہمان موجود ہوتا تو افاضۂ دینیہ میں مشغول ہوجاتے، ورنہ اپنے معمولات ہی میں مشغول رہتے۔
حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ! ستّر برس تک مجھے بڑھاپا محسوس نہیں ہوا۔

## تعلیم اور مجلس کا خاص انداز

حضرت والا جب بھی کوئی دین کی بات ارشاد فرماتے ہیں تو حضرت والا کے لب و لہجے سے ایک خاص دین کا درد اور دین کی حلاوت ٹپکتی ہے اور اکثر آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں۔ جن حضرات کو ایک بار بھی حاضری کا موقع نصیب ہوا ہے، اُن کا قلب اس کیفیت سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہا ہے۔ ایک بار دارالعلوم لانڈھی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب حضرت سے فرمانے لگے کہ حضرت! وہی قرآن اور حدیث ہم لوگ بیان کرتے ہیں، لیکن وہی جب آپ بیان فرماتے ہیں تو زمین اور

آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ تو ان کا کمالِ انکسار ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حضرتِ والا جو کچھ فرماتے ہیں درد اور محبت کی زبان سے فرماتے ہیں۔

## تلاوت کا خاص انداز

حضرت والا کی تلاوت کا ایک خاص انداز دیکھا، وہ یہ کہ تقریباً نو یا دس آیتوں کی تلاوت کے بعد زور سے ''آہ'' فرماتے ہیں یا ''اللہ'' فرماتے ہیں اور اس وقت ایسی کیفیت اس آہ اور اللہ میں موجود ہوتی ہے کہ سننے والے کا دل حرکت میں آجاتا ہے۔

## حضرت والا کا ذوقِ شعر و سخن

یوں تو حضرت والا کا رنگِ نسبت بالکل چشتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرتِ والا کو مثنوی شریف سے بے حد شغف ہے اور اکثر راتوں میں عجیب دردناک لحن سے کوئی نہ کوئی شعر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا یا حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا یا خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور کا حسبِ رنگ کیفیت بار بار پڑھتے رہتے ہیں۔ ایک بار تلاوت کرتے کرتے ؎

آجا میری آنکھوں میں سما جا میرے دل میں

عجیب لحن دردناک سے پڑھنے لگے۔ اسی طرح کبھی ؎

عشقِ من پیدا و معشوقم نہاں
یار بیروں فتنۂ او در جہاں

پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ کبھی دعا میں ؎

کیا نظر مجھ پر نہ ڈالی جائے گی
کیا میری فریاد خالی جائے گی

پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ کبھی تنہائی میں یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا ہے ؎

یس من مُوہ لبد گے تَو ہیں
سُمرن تور بسر گے مَو ہیں

کبھی کسی خاص کیفیت کے تحت یہ شعر پڑھتے سنا ہے۔

من چہ گویم یک رگم ہوشیار نیست
شرح آں یارے کہ او را یار نیست

اور کبھی جوشِ محبت میں یہ شعر پڑھتے سنا۔

کہاں تک ضبطِ بے تابی کہاں تک پاسِ بدنامی
کلیجہ تھام لو یارو کہ ہم فریاد کرتے ہیں

کبھی عجیب درد سے یہ شعر پڑھتے سنا ہے۔

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑگئی لَو شمع محفل کی
پتنگوں کے عوض اڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

کبھی یہ شعر پڑھتے سنا۔

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتادو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

کبھی یہ شعر بھی پڑھتے ہوئے سنا۔

کوئی نہیں جو یار کی لادے خبر مجھے
اے سیلِ اشک تو ہی بہادے اُدھر مجھے

اور ایک وارفتگی کے عالم میں والہانہ انداز سے کبھی یہ شعر بھی سنا۔

بس ایک بجلی سی پہلے کوندی پھر اس کے آگے خبر نہیں ہے
مگر جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

کبھی یہ شعر عجیب اندازِ محبت سے پڑھتے سنا۔

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے
سرِ زاہد نہیں یہ سر سرِ سودائی ہے

کبھی اپنے مرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں یہ شعر پڑھتے سنا۔

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
تو نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

حضرت والا نے اپنی پوری اٹھاسی سالہ زندگی میں دو شعر خود بھی کہے ہیں:

پہلا شعر

ہمیں نقشِ قدمِ اشرف علی ملحوظ رکھنا ہے
جو کچھ فرما گئے ہیں وہ اسے محفوظ رکھنا ہے

مصرعۂ اولیٰ میں نقشِ قدم کا لفظ عملی حیثیت کی حفاظت پر دلالت کرتا ہے اور مصرعۂ ثانیہ میں علمی حیثیت کی حفاظت کی تعلیم ہے۔

دوسرا شعر ایک خاص واقعے سے متعلق ہے۔ ایک بار حضرت والا نے خواب میں دیکھا کہ ایک دریا ہے اور اس میں ایک کشتی چل رہی ہے۔ جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور پیچھے کچھ فاصلے سے دوسری کشتی پر حضرت والا بیٹھے ہوئے ہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عبد الغنی کی کشتی کو میری کشتی سے ملادو۔ پھر اس حکم کے مطابق کچھ لوگوں نے حضرت والا کی کشتی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی سے ملادیا۔ حضرت والا نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جس وقت میری کشتی جوڑی گئی تو وہ کھٹ کی آواز جو کشتی کے ملنے سے پیدا ہوئی تھی اب تک گویا میرے کانوں میں گونجتی ہے، یعنی اس کی لذت بھولا نہیں ہوں۔ اسی واقعے سے متاثر ہو کر ایک خاص کیفیت کے تحت حضرت والا نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ایک شعر وارد ہوا ہے، جس کے اندر یہ انعامِ عظیم بھی آگیا ہے ۔

مضطرب دل کی تسلی کے لیے
حکم ہوتا ہے ملادو ناؤ کو

حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ شعر و سخن کی طرف جب بھی میں نے توجہ کرنی چاہی تو حق تعالیٰ نے میری طبیعت کو روک دیا۔

## حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ کے مبشراتِ منامیہ اور انعاماتِ ربّانیہ

۱) احقر سے ارشاد فرمایا کہ ایک بار جب میں ''شرح جامی'' جون پور میں پڑھتا تھا تو خواب دیکھا کہ مجھ کو رمضان شاہ مجذوب پکڑنے کے لیے دوڑ رہے ہیں اور میں بھاگ رہا ہوں، بالآخر جب تھک کر کھڑا ہو گیا تو وہ مجذوب بھی کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ تو ظفر آباد کا قطب ہو گیا۔

۲) ایک صبح کو احقر سے ارشاد فرمایا کہ آج خواب میں سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ رات بھر سفر میں رہا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لباس بالکل سفید تھا۔

۳) ارشاد فرمایا کہ مجھ کو سیدنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تقریباً بارہ مرتبہ ہوئی ہے، ایک دفعہ سیدنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے آپ کو خوب دیکھ لیا؟ ارشاد فرمایا کہ ہاں! تم نے ہمیں خوب دیکھ لیا۔ پھر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اس حدیث لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِیْنَ میں اَرَضِیْن پہلے فرمایا ہے یا سَمٰوٰت پہلے فرمایا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ میں نے پہلے اَرَضِیْن فرمایا تھا، لیکن محدثین سے یہ لفظ موٴخر ہو گیا ہے۔

اس خواب سے بیدار ہونے کے بعد حضرت والا نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تفسیر کے اندر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ زمین کا تودہ آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا، مگر اس کو پھیلایا گیا بعد تخلیقِ آسمان کے۔

۴) ارشاد فرمایا کہ ایک بار ہم اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قنوج میں ذکر کر رہے تھے۔ تہجد کا وقت تھا، مسجد کی محراب میں حضرت مرشدی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ذکر فرما رہے تھے، اثنائے ذکر حضرت شاہ قطب المدار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی اور حضرت قطب المدار صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے سر پر

ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں (یعنی میں اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) دیوانے ہو جائیں گے۔

حضرت شاہ قطب المدار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت والا حکیم الاُمّت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کلید مثنوی، دفتر ششم میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ نسبت موسوی سے مشرف تھے۔ جو ان کو دیکھتا غش کھا کر گر جاتا، اس لیے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ چہرے پر نقاب ڈالے رہتے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ لفظ ''قطب المدار'' میں اضافت مقلوبی ہے دراصل مدار القطب تھا۔

۵) ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت حاجی امداد اللہ صاحب دادا پیر رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوئی اور خواب میں مجھے ترمذی شریف پڑھائی اور تین شعر پڑھے جو مجھے یاد نہیں ہیں اور ارشاد فرمایا کہ شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو مثنوی شریف سے بہت فیض ہوا تھا اور فرمایا کہ مثنوی شریف پڑھایا کرو اور خواب ہی میں مجھ کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان الاذکار کی تعلیم اس طرح دی کہ سو مرتبہ اللہ اللہ کا ذکر اس مراقبے کے ساتھ کرو کہ ہر بُنِ مُو سے اللہ اللہ نکل رہا ہے۔

حضرت والا نے جب اس خواب کو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تحریر فرمایا تو حضرت والا مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً یہ مصرعہ بھی تحریر فرمادیا۔

ہمیں بھی یاد رکھنا ذکر جب دربار میں آئے

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس وقت حاضر تھے۔ حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ جواب اُن کو سنایا تو عرض کیا کہ حضرت! یہی مصرعہ میں بھی لکھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ چناں چہ اس کے نیچے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی مصرعہ لکھ دیا۔ اتفاق سے مولانا عبد الرحمٰن صاحب بکھراوی اعظم گڑھی بھی موجود تھے، انہوں نے بھی اجازت لے کر یہی مصرعہ تحریر فرمادیا، پورا شعر یہ ہے۔

عدم کے جانے والو! کوچۂ جاناں میں جب جانا
ہمیں بھی یاد رکھنا ذکر جب دربار میں آئے

(از مرتب)

۶) ارشاد فرمایا کہ ایک بار میں نے تھانہ بھون حاضری کی اجازت چاہی تو حضرت مرشدی قدس سرہ العزیز نے تحریر فرمایا ؎

اے آمدنت باعثِ صد شادئ ما

اسی طرح ایک بار تحریر فرمایا کہ اجازت چہ معنی بلکہ اشتیاق۔

۷) ارشاد فرمایا کہ ایک بار بدون اطلاع تھانہ بھون حاضر ہوا، اس وقت حضرتِ والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لیٹے ہوئے تھے، مجھے دیکھ کر فرطِ مسرت سے کئی قدم چل کر سینے سے لگالیا اور ارشاد فرمایا: نعمتِ غیر مترقبہ۔

۸) ایک بار حکیم مصطفیٰ صاحب مجازِ بیعت حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت والا مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے مولوی عبد الغنی صاحب میں کھلی ہوئی چشتیت ہے۔

۹) ارشاد فرمایا کہ ایک بار تھانہ بھون حاضری کی اجازت چاہی تو حضرت والا مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ ؎

بیا بیا وفرود آ کہ خانہ خانۂ تست

۱۰) ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مرشدی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ارشاد فرمایا کہ دیوبند میں درسیات پڑھانے کے لیے اپنے آدمیوں میں سے ایک مدرس بھیج دیجیے۔ اس کے بعد حضرت مرشدی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے الٰہ آباد میں فرمایا کہ میں آپ کو دیوبند میں تعلیمِ درسیات کے لیے منتخب کرتا ہوں، آپ کیا تنخواہ لیں گے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! چنے چبا کر پڑھادوں گا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا ہی کر دکھائیں گے۔ اس زمانے میں دیوبند میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور مولانا غلام

رسول صاحب بھی مدرس تھے۔ پھر حضرتِ والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے احقر سے فرمایا کہ حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ کو مجھ سے بہت حسنِ ظن تھا۔

۱۱) ارشاد فرمایا کہ ایک بار حضرت مرشدی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجلس میں ایک نہایت غامض مضمون بیان فرمایا، پھر دریافت فرمایا کہ آج کے مضمون کو کس نے لکھا ہے؟ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ انہوں نے (یعنی حضرت پھولپوری نے) قلم بند کیا ہے، تو حضرتِ والا مرشدی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں! حق بحق دار رسید۔

۱۲) حضرت کا یہ ایک عجیب خواب ہے اور اس خواب پر حضرت حکیم الاُمّت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب و غریب تعبیر ہے۔ یہ خواب اور تعبیر ''حسن العزیز'' میں شایع ہوچکا ہے۔ ملفوظات ''حسن العزیز'' جلد اوّل کے آخری ضمیمہ ص ۵۲ سے نقل کرتا ہوں: میں نے (یعنی حضرتِ والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ) کل بروز دو شنبہ بتاریخ ۵/رجب ۱۳۳۴ھ کو یہ خواب دیکھا کہ جامع مسجد کانپور میں اتر کی جانب جناب والا تشریف فرما ہیں اور ایک مختصر جماعت مسلمانوں کی موجود ہے۔ حضور والا نے (یعنی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے) مجھے حکم دیا کہ تم بیان کرو، میں نے حسب الحکم آیت یَآاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّ اُنۡثٰی [۲] کا وعظ شروع کیا اور نہایت پاکیزہ مضامین قلب پر وارد ہوئے۔

دوسرا خواب: بروز سہ شنبہ بعد نمازِ تہجد سو گیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت جامع مسجد جون پور میں نصیب ہوئی، سامنے سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور کچھ ہی اٹھنے پائے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً تبسم فرماتے ہوئے پیر پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیے اور میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس خیال سے سر پکڑ لیا کہ مبادا کہیں پتھر پر سر مبارک نہ آجائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

۲؎ الحجرات:۱۳

دونوں پیروں کو اٹھالیا اور اُتّر جانب نہایت زور سے لے چلے اور میں سر مبارک کو نہایت ادب سے گود میں لیے ہوئے چل رہا ہوں، یکایک ایک دوسرے در کے گوشے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رُک گئے، تو میں نے اس مہلت کو غنیمت سمجھا اور سر مبارک کو خوب خوب بوسہ دیا اور سجدے کی جگہ کو جہاں نشان سجدے کا بن جاتا ہے، اس کو بھی بوسہ دیا اور دل ہی دل میں کہتا ہوں کہ اپنے احباب سے مل کر کہوں گا کہ اب میرا منہ چومنے کے قابل ہو گیا۔

پھر دیکھتا ہوں کہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسی مسجد میں اُتّر جانب لیٹے ہوئے ہیں، مجھے خیال ہوا کہ اسی مجمع میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہوں گے، تو میں نے عرض کیا: السلام علیکم یا رسول اللہ! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: وعلیکم السلام۔ میں نے چاہا کہ مصافحہ کروں اور تیز چلا، تو دیکھتا ہوں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مثل انوار کے ٹکڑوں کے ہو کر نظر سے غائب ہو گئے۔ الحمد للہ! استقامت عطا ہوتی چلی جاتی ہے۔

## تعبیراتِ خواب

حضرت والا حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کا جواب

مجی و محبوبی سلمہ اللہ تعالیٰ وکرمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! نہایت مبارک خواب ہیں۔

خواب اوّل بشارت ہے کہ آپ سے اشاعت علومِ نبوت کی ہو گی اور خوابِ ثانی میں اشارہ ہے کہ آپ حافظِ علومِ ولایت ہوں گے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتہی ہیں اکثر سلاسل کے اور سر میں دماغ ہوتا ہے، جو خزانہ ہے علوم کا، تو سر کی حفاظت حمل ہے علومِ ولایت کا اور پاؤں پکڑ لینا مانعیت ہے بلکہ وہ رفتار غیر معتاد، یعنی مخفی ہے کیوں کہ علومِ ولایت ناشی ہیں احوال و اذواقِ خاصہ کا اور اظہار آپ کے تحقیق بکلا النوعین کا مجموعی حالت آپ کی مانعیت ہے۔ خدا تعالیٰ شکر اور مزید عطا فرمائیں۔

# حضرتِ والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا خط

ایک عریضہ احقر نے ارسال خدمت بابرکت میں کیا ہے۔ جب عریضہ روانہ کرچکا ہوں تو مجھے سخت اضطراب اس دوسرے خواب کے متعلق پیدا ہوا۔ عجیب عجیب باتیں دل پر گزریں۔ جب رات ہوئی تو اپنے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ بذریعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میری تسلی فرمادی جائے اور اس کی تعبیر سے مشرف فرمادیا جائے، تاکہ اضطراب دفع ہوجائے۔ پھر جب سویا تو یہ چار الفاظ دربارِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خواب کی تعبیر میں ارشاد ہوئے ۱)اضمار دراضمار، ۲)استتار دراستتار، ۳)انتہادرانتہا، ۴)اختتام دراختتام۔ پھر مجھے تسلیٔ تام ہوگئی۔

## تعبیر

### حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کا جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اس خواب کی تعبیر لکھ چکا ہوں۔ الحمد للہ! خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اس کی تائید ہوگئی۔ یہ اضمار در اضمار، استتار در استتار علومِ ولایت کے متعلق ہے، جس کو میں نے لکھا تھا کہ یہ علوم مخفی ہیں اور غایتِ تاکید کے لیے چار الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں اور یہ انتہادرانتہا، اختتام دراختتامِ علوم نبوّت کے متعلق ہے۔ قرینۂ تقابل سے اس میں اظہار کی قید ملحوظ ہے اور غایتِ تاکید کے لیے یہاں بھی چار الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ فیضِ نبوت انتہادرجے ظاہر ہوگا۔(انتہٰی حسن العزیز ضمیمہ ص:۵۲)

## ”حضرت اقدس پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں احقر کی پہلی حاضری اور پہلی ملاقات“

اپنے آبائی وطن پرتاب گڑھ سے چل کر احقر عین بقر عید کے دن نماز عید الاضحیٰ سے ایک گھنٹہ قبل پھولپور ضلع اعظم گڑھ پہنچا۔ عجیب خوشی اور مسرت تھی،

یہ تصور ذرّے ذرّے سے قلب کو مسرور کر رہا تھا کہ یہ میرے مرشد کا شہر ہے۔ اس وقت احقر کی عمر تقریباً سولہ سال کی تھی۔ پھولپور دیکھتے ہی زبانِ حال نے یہ شعر پڑھا ؎

شہر تبریز ست و شہر شاہِ من
نزدِ عاشق ایں بود حُبّ الوطن

(رومی)

میرے مرشد رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تلاوت میں مشغول تھے، ٹوپی زمین پر رکھی ہوئی تھی، سر مبارک کے بال بکھرے ہوئے، گریباں چاک تھا۔ اچانک میری طرف دیکھا۔ احقر کو ایسا محسوس ہوا کہ حضرت شمس الدین تبریزی ہیں اور احقر نے زبانِ حال سے یہ شعر پڑھا ؎

کچھ راز بتا مجھ کو بھی اے چاکِ گریباں
اے دامنِ تر اشکِ رواں زلفِ پریشاں

احقر نے عرض کیا: السلام علیکم۔ محمد اختر ہوں، پرتاب گڑھ سے آیا ہوں اصلاح کی غرض سے، چالیس دن قیام کا ارادہ ہے۔ یہ تین باتیں ایک سانس میں کہہ گیا اور یہ آدابِ حاضری حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں پڑھ چکا تھا۔ حضرت نے بڑے صاحب زادے کو پکارا اور فرمایا: ان کے لیے ناشتہ لاؤ اور حکم فرمایا: ناشتہ کر کے کچھ آرام کرلو۔ ایک ہی نظر میں ایسا معلوم ہوا کہ احقر حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کر رہا ہے۔ جلد مبارک پر جگہ جگہ عشق الٰہی سے جلے ہوئے نشانات، ژولیدہ بال، گریباں چاک۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے مسلسل آہوں کی آواز۔ پس قلبی مراد پوری ہوتی نظر آئی کہ جیسا پیر اللہ سے چاہتے تھے اپنے کرم کے صدقے میں ویسا ہی عطا فرمایا۔ احقر کے یہ اشعار اسی نقشے کو کھینچتے ہیں ؎

ہم نے دیکھا ہے ترے چاک گریبانوں کو
آتشِ غم سے چھلکتے ہوئے پیمانوں کو
ہم نے دیکھا ہے ترے درد کے بیماروں کو
سوزشِ غم سے تڑپتے ہوئے پروانوں کو

ہم فدا کرنے کو ہیں دولتِ کونین نثار
تو نے بخشا ہے جو غم ان پھٹے دامانوں کو

حضرت کی والہانہ عبادت، ذکر و تلاوت اور تہجد کی ہر دو رکعت کے بعد سجدے میں دیر تک دعا مانگنا اور آہستہ آہستہ رونے کا نقشہ احقر کی نگاہوں میں اب تک پیوست ہے۔ احقر نے ایسی والہانہ عبادت، کثرتِ آہ و نعرۂ ہائے عشق کے ساتھ کرتے ہوئے پھر کسی کو نہ دیکھا۔ اور حضرت والا کے رہن سہن کی سادگی حدیث كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ[۳] کی شرح تھی۔ گھر کے احاطۂ صحن کی خام دیواروں کے کنارے بارش سے کٹے پٹے اور چٹائیوں کے ایک چھپر میں حضرت کا اکثر آرام فرمانا۔ کبھی دریا کی طرف سیر کرنا اور اکثر مغرب کے بعد سے عشاء تک صرف تاروں کی روشنی میں مسجد کی کھلی چھت والے حصے میں ذکر اللہ اور تلاوت میں بار بار آہوں کی آواز اور نعرۂ ہائے درد کے ساتھ مشغول رہنا احقر کو آج بھی جب یاد آتا ہے تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ خانقاہ شریف کی سادگی دیکھ کر غالب کا یہ شعر یاد آتا ہے

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

ایک دن بطورِ عرضِ حال کے تحریر کیا کہ ؎

میرے غم کا کچھ مداوا کیجیے

اور حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مصرعہ تحریر کیا ؎

کجا رویم بفرما ازیں جناب کجا

جواب رقم فرمایا ؎

سرِ ہما نجا نہہ کہ بادہ خوردۂ

یہ مصرعہ تحریر فرما کر میرے مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آستاں سے ایسا چپکایا کہ آخری سانس تک تابِ جدائی نہ لا سکا اور تقریباً سولہ برس دن رات کی صحبت کا شرف

---

۳؎ صحیح البخاری: ۹۴۹/۲، باب قول النبی کن فی الدنیا کانک غریب، المکتبۃ المظہریۃ

حاصل رہا اور اختر پر یہ حق تعالیٰ کا انعامِ عظیم اور یہی میرا حاصلِ مراد ہے۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

احقر نے اپنے تعلق اور حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ اس نظم میں پیش کیا ہے۔

شیخ کامل کی مجھے تھی جستجو
تا نہ دھوکا دے جہان رنگ و بو
آخرش وہ شاہِ کامل مل گیا
چرخ دل کا ماہِ کامل مل گیا
سینہ بریاں چشم گریاں آہ سرد
تھا سراپا عشقِ حق وہ پیر مرد
ہر بُنِ مُو سے محبت کا ظہور
چشم تھی غماز عشق نا صبور
فرش پر ذاکر تھی اس کی خاک تن
روح اس کی عرش پر جلوہ فگن
نعرہ ہائے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ
کررہا تھا دم بدم وہ شیخِ دیں
جسم اس کا زائر کوئے حرم
جان اس کی محرمِ جانِ حرم
جان اس کی تھی ورائے آسماں
خاکِ تن کا تھا خدا ہی نگہباں
عشق سے اس کا گریباں چاک تھا
ذکر اس کا نالۂ غمناک تھا
رات کو پچھلے پہر وہ شاہِ دیں
اشک ہائے خوں سے تر کرتا زمیں
سجدہ گاہِ عاشقانِ ربِّ دیں
مثل سجدہ گاہ عامہ کے نہیں
سر گردہ شاہباز حق سے تھا
سر بُریدہ تیغ عشق حق سے تھا
ترک کر کے درسِ منطق فلسفہ
دے رہا تھا درسِ چرخ و زلزلہ
تھا وہ عاشق برفنِ دیوانگی
سیر تھا از عقل واز فرزانگی
میں نے سمجھا قیس تنہا ہے یہاں
بیٹھ جاتو بھی اسی در پر یہاں

الغرض اخترؔ وہیں رہنے لگا
لطف جینے کا وہیں ملنے لگا

اس ناکارہ عبد نے عربی درسیات کی تعلیم حضرت شیخ ہی کے مدرسے بیت العلوم میں حاصل کی اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے "بخاری شریف" کے چند پارے برکت کے لیے پڑھے۔ حضرت شیخ صرف ایک واسطے سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے حضرت کے استادِ حدیث مولانا ماجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں درسِ حدیث بخاری شریف میں ہم سبق تھے۔

احقر حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات کو قلم بند کر کے جب سناتا تو ارشاد فرماتے: ماشاء اللہ! اور بہت مسرور ہوتے۔ ایک بار میرے ایک پیر بھائی سے فرمایا کہ اختر میرے غامض اور دقیق مضامین کو خوب سمجھ لیتا ہے اور انہیں محفوظ کر لیتا ہے۔ ماشاء اللہ دین کی فہم ہے۔ تعلقِ شیخ کے تقریباً چار سال بعد حضرتِ اقدس کی اہلیہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا، ایک عرصے بعد ایک دن فرمایا کہ بغیر بیوی کے بہت تکلیف ہوتی ہے، بعض بیماری ایسی آجاتی ہے کہ پیشاب پاخانے کی خدمت بیوی ہی کر سکتی ہے۔

احقر نے والدہ صاحبہ سے نکاح کے متعلق مشورہ کیا۔ پھر حضرت اقدس سے درخواست کی، بہت مسرور ہوئے اور عقد فرما کر ارشاد فرمایا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ صاحبہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عقد فرمایا تھا۔

اختر اس وقت اکیس سال کا تھا اور توفیقِ الٰہی سے اپنا عالمِ شباب ایک بوڑھے شیخ کی خدمت و صحبت دائمہ پر نذر و فدا کر رہا تھا۔ خانقاہ شریف قصبے سے باہر تھی۔ عجیب تنہائی کا عالم رہتا تھا۔ ایک دن والدہ صاحبہ سے حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اختر میرے ساتھ ایسے پیچھے پیچھے لگا رہتا ہے جیسے کہ دودھ پیتا بچہ ماں کے پیچھے پیچھے لگا رہتا ہے۔

حضرت مرشد پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے آخر وقت میں ارشاد فرمایا تھا کہ اختر! میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور تم مجھے اللہ کے سپرد کر دو۔ حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہیں ؎

جو یاد آتی ہے وہ زلف پریشاں
تو پیچ و تاب کھاتی ہے میری جاں
جو پوچھے گا یہ کوئی مجھ سے آکر
کہ کیا گزری ہے اے دیوانے تجھ پر
نہ ہرگز حالِ دل اپنا کہوں گا
ہنسوں گا اور ہنس کر چپ رہوں گا

یہ اشعار حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ جب حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی یاد آتی ہے تو ان اشعار کو پڑھ لیتا ہوں۔

قصبہ پھولپور اعظم گڑھ میں حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ایک طویل عمر گزاری جس کا نقشہ احقر نے ان اشعار میں پیش کیا ہے۔

یاد آتی ہے مجھے جب پھولپوری زندگی
پا رہا تھا جب کہ میں درسِ نیاز و بندگی
ذرّہ ذرّہ سے ملا کرتا تھا درسِ سادگی
ایک فرزانہ سکھاتا تھا مجھے دیوانگی
حضرتِ عبدالغنیؒ سرمست عشقِ کبریا
ماسوا حق سے جنہیں تھی عمر بھر بیگانگی
کیا وہ عاشق تھے نہیں بلکہ سراپا عشق تھے
پی کے دریا بھی جنہیں ہوتی نہ تھی آسودگی

افسوس کہ حضرتِ اقدس کی محبت کا حق اس ناکارہ سے ادا نہ ہو سکا۔ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی برکات و انوارات سے ہم سب کی نوازش فرمائیں، آمین۔ اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائیں، آمین۔ اور جنت میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقت عطا فرمائیں، آمین۔

# تصنیف وتالیف

## (۱) اصول الوصول

یہ کتاب حضرتِ والا نے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے حکم سے ۱۳۴۹ھ میں تالیف فرمائی تھی، جس میں درحقیقت فیوضِ اشرفیہ اور مطبِ اشرفی کے لیے بے بہا نسخے رسالے کی صورت میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز نے اس کتاب کو خانقاہ تھانہ بھون میں داخلِ درس فرمادیا تھا اور حضرتِ والا سے فرمایا کہ اس کی شرح بھی لکھیے اور میں اس کا نام ''حصول الوصول'' رکھتا ہوں۔

نوٹ:''اصول الوصول'' کے علاوہ باقی مندرجہ ذیل سب کتابیں احقر محمد اختر کے قلم سے بہ برکت وفیض حضرت مرشدنا رحمۃ اللہ علیہ ترتیب وتالیف کی گئی ہیں۔

## (۲) معیتِ الٰہیہ

یہ کتاب حضرتِ والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ۱۳۸۰ھ کراچی میں شایع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ قربِ خداوندی کے حصول کے لیے محض ذکر وفکر اور علم وکتب بینی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے اہل اللہ کی صحبت بھی ضروری ہے۔

اس کتاب کے اندر حضرتِ والا کی عجیب والہانہ تقریر ہے جس کے اندر حدیثِ قدسی لَایَزَالُ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ کی چھ عنوانات پر مشتمل عجیب وغریب الہامی شرح بھی ہے۔ حق تعالیٰ کی معرفت ومحبت حاصل کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ کیمیائے ایست عجیب التاثیر کا حکم رکھتا ہے۔

## (۳) صراطِ مستقیم

یہ کتاب ۱۳۸۱ھ کراچی میں طبع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت پر ایک عجیب الہامی مضمون ہے۔ اس کتاب کے اندر حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب والہانہ اور حکیمانہ انداز میں یہ بتایا ہے کہ ہماری روحوں کو دنیا میں حق تعالیٰ نے اس لیے بھیجا

ہے کہ ہم یہاں ایمان بالغیب اور تقویٰ اختیار کر کے حق تعالیٰ کے مقرب و محبوب اور دوست ہو جاویں۔ عالمِ ارواح میں ہم صرف بندے رہتے تو وہاں ہماری عبدیت پر ولایت کا تاج نہ رکھا جاتا، کیوں کہ شرطِ ولایت ایمان بالغیب اور تقویٰ ہے، جس کا محل یہی عالمِ ناسوت ہے اور صراطِ مستقیم اس کے لیے عملی راہ ہے، جس کا حصول کسی منعم علیہ بندے کی صحبت اور اس کی اتباع پر موقوف ہے۔ طالبانِ معرفت و محبت کے لیے عجیب کتاب ہے۔

(۴) ملفوظات (حصہ اوّل و دوم)

اس کتاب میں حضرت والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف مجالس کے ارشادات جمع کر دیے گئے ہیں، جن کی حرفاً حرفاً حضرت والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بغرضِ تصحیح سماعت فرمائی ہے۔ نیز حضرتِ والا کے مجرّبہ و معمولہ تعویذات و نقوش بھی افادۂ خلق کے لیے اس میں درج کیے گئے ہیں۔

(۵) براہین قاطعہ

اس کتاب میں حضرتِ والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی وحدانیت، رسالت اور قیامت پر مشتمل عجیب و غریب علمی تقاریر مندرج ہیں، جن کو پڑھ کر عقلی طور پر ملحدین کو بھی وجودِ صانع، صدقِ رسالت اور وقوعِ قیامت کے انکار کی مجال نہیں رہتی۔

## حضرتِ والا کے مُجازین اور خلفاء

حضرت والا کو اپنے جن متعلقین کے متعلق ان کے حالات سے اس امر کا شرح صدر ہو گیا کہ ان حضرات سے دوسروں کو دین کا نفع پہنچے گا تو تو کلاً علی اللہ ان کو اجازتِ بیعت عطا فرمادی اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ اجازت ان کے موجودہ حالات پر بربنائے تخمین و فراست و شرحِ صدر اور واردِ قلبی کے ہے، لیکن اگر کل کو کسی کی حالت خدانخواستہ صراطِ مستقیم کے خلاف ہو جائے اور اس سے کھلم کھلا فسق و فجور عیاذاً باللہ صادر ہونے لگے تو یہ اجازت منسوخ سمجھی جاوے گی۔ نیز یہ کہ اس اجازت کا ہرگز

مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ مُجازین اپنی اصلاح اور نگرانی سے فارغ ہو چکے ہیں، کیوں کہ حاصل طریق کا یہی ہے کہ ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

مُجازین کو چاہیے کہ اپنے اعمال اور معمولات میں بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہمت و پابندی سے عمل پیرا رہیں، کیوں کہ اگر ماں کمزور اور ضعیف ہوتی ہے تو اس کے دودھ سے تربیت یافتہ بچے بھی کمزور اور بیمار رہتے ہیں۔

حضرتِ والا اپنے جملہ متعلقین اور مُجازین کو خصوصیت سے وصیت فرماتے ہیں کہ میری کتاب ''معرفتِ الٰہیہ'' کو سبقًا سبقًا ہر روز مطالعے میں رکھیں، بالخصوص جلدِ ثانی کہ اس میں خشیت اور عظمتِ الٰہیہ، نیز عارفین کی عبدیت و فنائیت کے مضامین بہت کافی ووافی حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جمع کرادیے ہیں۔

## اسمائے حضراتِ مُجازین

۱) مولوی نصرت علی صاحب۔ مدرس مدرسہ کنز العلوم، ٹانڈہ فیض آباد، یوپی۔

۲) حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب۔ مہتمم و مفتی دارالافتاء والارشاد ۴۔جی ۱۳/۱ ناظم آباد، کراچی

۳) حافظ عبد الولی صاحب بہرائچی۔

۴) حافظ عبد الرحمٰن نیپالی۔

۵) حاجی محمد نذیر صاحب بکھراوی۔ اعظم گڑھ۔

۶) عبد الحافظ صاحب کھیری۔ لکھیم پور، یوپی۔

۷) مولوی سید بشارت علی صاحب۔ نائب ناظم مجلس دعوۃ الحق، ہردوئی۔

# عرضِ جامع

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اپنے حالات قلم بند کرنے سے منع فرماتے تھے، لیکن چند مخصوص احباب نے جب یہ عرض کیا کہ اس وقت جو حالات قلم بند ہوں گے وہ حضرتِ والا کی تصدیق سے معتبر ہوں گے، اس لیے اس مصلحت کے پیشِ نظر حضرتِ والا نے اجازت عنایت فرمادی، لٰہذا احقر نے ان مختصر حالات کو قلم بند کرکے حسب اجازت حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ **"معرفتِ الٰھیہ"** میں شامل کردیا۔ احقر مرتب وراقم الحروف جملہ ناظرینِ کرام سے حسنِ خاتمہ اور مغفرتِ بے حساب اور جہنم سے نجات اور جنت میں دخول اوّل کی اپنے لیے اور والدین اور جملہ متعلقین، اہل وعیال کے لیے عاجزانہ اور مضطربانہ دعا کی درخواست کرتا ہے، اُمید ہے کہ ازراہِ ترحم اس درخواست کو نظر انداز نہ فرمایا جاوے گا۔

العارض محمد اختر عفا اللہ عنہ

۴؍رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# خاتمۃ السّوانح

## حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری اعظمی قدس سرہ العزیز

(از محمد اختر غفر لہٗ پرتاب گڑھی)

## سفر کراچی تا لاہور

بغرض تبدیلِ آب و ہوا ۲۳/ اپریل ۱۹۶۳ء کو حضرت والا پھولپوری قدس سرّہ العزیز نے کراچی سے لاہور کا سفر اختیار فرمایا۔ حضرت والا کے خاص محب جناب غلام سرور صاحب لاہور سے کراچی تشریف لائے ہوئے تھے اور تقریباً ایک سال سے متعدد بار حضرت والا کو اپنے مکان پر لے جانے کے لیے بصد شوق درخواست کرچکے تھے، اس لیے حضرت والا نے غلام سرور صاحب ہی سے فرمایا کہ میں نے تمہارے یہاں دو تین ماہ کے لیے قیام کا ارادہ کرلیا ہے۔ بھائی غلام سرور صاحب کو حضرت والا کے اس ارادے سے جس درجے خوشی حاصل ہوئی اس کا تصوّر اُن کے دیرینہ جذبات وخواہش سے کیا جاسکتا ہے۔

حاصل یہ کہ حضرت والا قدس سرّہ العزیز مع حضرت والدہٗ صاحبہ مدظلہا اپریل ۱۹۶۳ء کو جناب غلام سرور صاحب کے مکان پر لاہور میں قیام فرما ہوئے۔ ماشاء اللہ! لاہور کی آب و ہوا سے حضرت والا کی صحت روز بروز بہتر ہوتی گئی اور غلام سرور صاحب نے اپنی خدماتی سعی کو بامراد اور فائز المرام دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔ طالبین صادقین کی آمد و رفت ہونے لگی۔ مجلس میں علوم و معارف کا فیضان ہونے لگا۔ کراچی میں جو ضعف تھا وہ بالکلیہ قوت سے مبدّل ہوگیا۔

اواخر مئی ۱۹۶۳ء میں حضرت والا نے غلام سرور صاحب سے فرمایا کہ اب

مجھے کراچی پہنچادو، میرا دل کراچی جانے کے لیے بار بار تقاضا کررہا ہے۔ غلام سرور صاحب نے چوں کہ یہ دولت قربِ شیخ ایک سال کے انتظار شدید کے بعد پائی تھی، اس لیے حضرت والا کی واپسی کے لیے ان کا اور اُن کے گھر والوں کا، نیز ان کے والد ماجد صاحب کا اجتماعی طور پر دل نہ چاہا کہ حضرتِ والا ہمارے گھر سے اتنی جلدی رخصت ہوجائیں، اس لیے ہر ایک نے انفراداً اور اجتماعاً پوری کوشش کی کہ حضرتِ والا کا قیام اُن کے گھر میں کچھ دن کو اور بڑھ جائے۔ حضرت والا کی شفقت نے ان حضرات کی مخلصانہ محبت کے پیشِ نظر اس درخواست کو قبول فرمالیا۔

## امتحانِ عشق

### عشق آمد لَا اُبَالِیْ فَاتَّقُوْا

مؤرخہ ۲؍جون ۱۹۶۳ء نویں محرم الحرام حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پیروں پر کچھ شبہ نجس چھینٹوں کا ہوا، غسل خانہ تشریف لے گئے کہ اس شبہ کو دور کرلوں، مشیتِ ایزدی کہ حضرت والا کا پیر مبارک پھسل گیا، جس کے سبب کولہے کی ہڈی پر نقصان آگیا۔ ایکسرے لیا گیا تو بائیں طرف کولہے میں نقصان کا اثر مشاہدہ ہوا۔ ڈاکٹروں نے حکم دیا کہ بہت معمولی اثر ہے، جو صرف دوماہ مسلسل آرام سے خود بخود زائل ہوجائے گا۔ (غلام سرور صاحب نے ان دنوں علاج تو حکیم قرشی شفاء الملک کا رکھا، لیکن مزید اطمینان کے لیے اسپیشلسٹ ہڈی ڈاکٹر سردار عالم صاحب اور اسپیشلسٹ قلب وبلڈ پریشر ڈاکٹر عبد العزیز کا بھی معاینہ کرایا۔)

حضرت والا اب بالکل صاحبِ فراش ہوگئے، کیوں کہ پاخانہ وپیشاب بستر پر کرانے کا حکم ہوگیا۔ چوٹ کی جگہ پر حرکت سے دردِ شدید کا احساس ہوتا، حتیٰ کہ اکثر اوقات شدتِ درد سے حضرت والا آہ فرماتے۔ احقر ان دنوں کراچی میں تھا، لیکن بار بار غلام سرور صاحب سے دریافت فرماتے کہ ''حکیم اختر نہیں آئے؟'' میں حاضری کے لیے خط لکھ چکا تھا، اس لیے تھوڑی تھوڑی دیر کے وقفے سے بار بار دریافت فرماتے کہ ''حکیم جی آگئے؟'' پھر احقر کو غلام سرور صاحب نے تار دیا۔ چناں چہ ۶؍جون کو احقر

بوقتِ شام لاہور پہنچا۔ غلام سرور صاحب نے فرمایا کہ حکیم جی! آپ کو حضرت والا بہت یاد فرمارہے تھے اور آپ کے بے چینی سے منتظر تھے۔ احقر بے تابانہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ حضرت والا کے اس کرب و بے چینی اور دردِ شدید کو دیکھ کر میرا قلب اندر اندر شدتِ حزن و صدمہ سے سخت متأثر ہورہا تھا کہ حضرت والا نے میری تسلی کے لیے ارشاد فرمایا کہ ''کچھ گھبرانے کی بات نہیں، سب اللہ کی رحمت ہے۔'' حضرت والا کے اس جملے سے مجھے بڑا سکون حاصل ہوا۔

حضرت والا پر غلبۂ ضعف بہت شدید طاری تھا۔ بعض وقت غشی کی سی کیفیت ہوجاتی تھی، غالباً ۱۰ ارجون کو مسلسل چوبیس گھنٹے کی بے ہوشی طاری ہوئی، پھر جب افاقہ ہوا تو مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ''حکیم اختر''! عرض کیا: جی حضرت! ارشاد فرمایا کہ ''تم نے تجہیز و تکفین کا انتظام کرلیا''؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! کس کی تجہیز و تکفین کرنی ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ''جن کا انتقال ہوگیا ہے۔'' احقر نے عرض کیا کہ حضرت! یہاں تو سب لوگ ماشاء اللہ! زندہ بخیر ہیں، کسی کا انتقال نہیں ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ ''کیا تم سچ کہتے ہو؟'' عرض کیا: حضرت! بالکل سچی بات ہے۔ فرمایا کہ ''کیا میں ابھی مرا نہیں؟'' عرض کیا: نہیں حضرت! ابھی تو آپ خدا کے فضل سے زندہ مع الخیر ہیں۔

اس گفتگو کے بعد حضرت والا پر پھر غشی کی سی کیفیت طاری ہوئی، تین گھنٹے کے بعد تقریباً ۸ بجے شب میں پھر احقر سے ارشاد فرمایا کہ ''ابھی میں مرا نہیں؟'' عرض کیا: نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ ''میری زندگی کی دلیل کیا ہے؟'' احقر خاموش ہی تھا کہ خود ہی ارشاد فرمایا کہ میری زندگی کی دلیل یہ ہے کہ میں یہ دعا پڑھ رہا ہوں:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ[۴]

احقر نے عرض کیا کہ حضرت! اس دعا کو آپ تحریر فرمادیجیے۔ غلام سرور صاحب سے کاغذ و پینسل منگایا، حضرتِ والا نے اپنے دستِ مبارک سے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ لکھا، اس

---

[۴] کنز العمال: ۱۸۰/۲ (۳۶۳۳)، فصل فی جوامع الادعیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

کے بعد ہاتھ میں رعشہ سا ہو گیا اور کچھ صاف نہ لکھا جاسکا۔(ان تمام باتوں کو حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب مدظلہٗ نے سن کر ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا پر عالم برزخ منکشف کر دیا گیا۔)

۱۵؍جون تک حضرت والا کی چوٹ میں افاقہ ہو گیا اور صحت بہتر ہونے لگی اور ارشاد فرمایا کہ مجھے کراچی لے چلو، اسی اثناء میں جناب شیروانی حبیب الحسن خان صاحب بغرضِ عیادت و زیارت تشریف لائے، حضرت والا سے استفسار فرمایا کہ حضرت! آپ ہندوستان تشریف لے چلیں گے؟ ارشاد فرمایا کہ میں ہندوستان نہیں جانا چاہتا۔

الغرض حضرت والا اپنی خواہش اور منشا کے مطابق ۲۶؍جون ۱۹۶۳ء کو کراچی تشریف لائے، یہاں بھی حضرت والا کے لیے ہڈی کے خاص اور مشہور ڈاکٹر عبد الرحیم صاحب کے مشورے کے مطابق بستر پر ہی پیشاب پاخانہ کرنے کا انتظام رکھا گیا۔

دو ہفتے کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے اجازت دے دی کہ اب حضرتِ والا کو تھوڑا تھوڑا چلانے کی کوشش کیجیے، لیکن حضرت والا کے لیے اس مشورے پر عمل کرنا بوجۂ ضعف دشوار تھا۔ کراچی میں تقریباً تین ہفتے جناب حکیم اسعد صاحب مدظلہٗ کا معالجہ رہا۔ موصوف حضرت والا کے خاص محب اور مخلص ہیں۔ انہوں نے بہت اہتمام سے حضرتِ والا کا علاج کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ نفعِ عظیم و عجیب مرتب ہوا، لیکن کوئی طبیب پنجۂ قضا کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔

حضرت والا کے سینے میں بلغم بہت بڑھ گیا، جس سے سانس بند ہونے کے جلد جلد اس قدر شدت سے دورے پڑنے لگے کہ تشویش ناک صورت پیدا ہو گئی۔(اس زمانے میں حضرت والا بغرضِ علاج برنس روڈ پر ماسٹر غلام رسول صاحب (تاج ہوٹل والے) کے ایک فلیٹ میں قیام فرماتھے، پھر اکابر کے مشورے سے حضرت والا ناظم آباد مکان سابق پر تشریف لائے۔) لہٰذا حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب مدظلہ العالی کے مشورے سے ان کا علاج کچھ دن کیا گیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ اُن کے علاج سے سانس کی تکلیف میں بڑا افاقہ ہوا۔ جناب حفیظ اللہ صاحب لاری خلیفۂ حضرت والا پھولپوری جو مستقل

میرے ساتھ حضرتِ والا کی خدمت میں آخر تک شریک رہے، انہوں نے اور حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہٗ نے یہی مشورہ دیا کہ اب حضرت والا کا آرام سے گھر ہی پر خدا کے بھروسے پر علاج کرو، بفضلہٖ تعالیٰ حضرت والا خوب مجلس میں ارشاداتِ عالیہ سے افادہ فرمانے لگے کہ وقتِ رحلت قریب آگیا اور آخری مجلس مؤرخہ ۳؍ اگست ۱۹۶۳ء بروز شنبہ بعد نمازِ عصر جو فرمائی وہ عجیب مجلس تھی، خوب علمائے سوء کو ڈانٹا اور عصر سے مغرب تک باآوازِ بلند حاضرینِ مجلس کو اپنے کلماتِ حسنہ سے مستفید فرماتے رہے۔ تقریباً عشاء کے وقت حکیم اسعد اجمیری صاحب اور مولوی نور احمد صاحب ناظم دارالعلوم بغرضِ عیادت ومزاج پرسی حاضر ہوئے۔ حضرت والا نے مولوی نور احمد صاحب سے ارشاد فرمایا کہ قبر میں کتنی دیر منکر نکیر سوالات کرتے ہیں اور برزخ میں کتنے دن رہنا ہوتا ہے، اور میں ایک بات بھول گیا ہوں جو مجھے کرنی چاہیے تھی، اب اس کا کیا معاملہ ہو گا؟ ان سوالات کے جوابات مفتی محمد شفیع صاحب سے دریافت کرکے مطلع کرنا۔

حضرت شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ آخری مجلس تھی۔ اسی شب میں تقریباً ۴ بجے تھے کہ حضرت والا کے بائیں حصۂ جسم پر فالج گر گیا۔ احقر نے دیکھا کہ حضرت والا کی دماغی حالت غیر طبعی ہورہی ہے اور زبان کانپ رہی ہے۔ مجھ سے کانپتی ہوئی زبان سے ارشاد فرمایا کہ کلمہ پڑھادو۔ احقر نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ پڑھا۔ حضرت والا نے بھی احقر کے ساتھ کلمۂ طیبّہ کا ورد فرمایا اور کلمہ پڑھتے ہی ہمیشہ کے لیے حضرتِ والا کی زبانِ مبارک خاموش ہوگئی۔ پھر اشارے سے بات فرمانے لگے۔ دو دن تک اشارے سے بات فرماتے رہے، بعدہٗ بالکل غشی کا عالم طاری رہنے لگا۔ غذا تین چار دن تک بمشکل ہضم ہوئی، پھر صرف انجکشن سے گلوکوز چڑھنے لگا۔ جناب ڈاکٹر عبدالصمد صاحب کانپوری مدظلہٗ کا فالج گرتے ہی علاج شروع ہوگیا، ڈاکٹر صاحب موصوف بھی حضرت والا کے پرانے محبّین و مخلصین میں سے تھے۔ انہوں نے بھی بڑی مستعدی سے حضرت والا کا معالجہ فرمایا، لیکن اب وقتِ رحلت قریب آگیا تھا، دوشنبہ کے دن ۲۱؍ ربیع الاوّل ۱۳۸۳ھ ۱۲؍ اگست کو صبح ہی سے حضرت والا کی نبض بہت

ضعیف ہو گئی، حتیٰ کہ دس بجے گلوکوز کا انجکشن کیپٹن ڈاکٹر جمیل صاحب نے لگانے کی پوری کوشش کی، لیکن رگوں میں خون اس قدر کم ہو گیا تھا کہ رگیں بالکل خشک ہو گئیں، اور انجکشن لگانا امرِ ناممکن ہو گیا۔ پھر ڈاکٹر جمیل صاحب نے نبض دیکھی اور فرمایا کہ آج حالت بہت نازک ہے اور اب انجکشن سے بھی غذا نا ممکن ہے۔ ہم لوگوں کی حضرت والا کی اس حالت سے عجیب حالت ہو گئی، فوراً ڈاکٹر عبد الحی صاحب مدظلہٗ کو فون کیا گیا، وہ ایک بجے دن میں تشریف لائے اور فرمایا کہ حالت آج بہت نازک ہے، پھر ڈاکٹر عبد الصمد صاحب کانپوری تین بجے تشریف لائے اور موصوف نے نبض دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ اب مولانا آرام فرمائیں گے۔

پانچ بجے احقر نے حضرت والا کو زمزم اور شہد ایک چمچہ پلایا۔ سوا پانچ بجے سے سکرات کا عالم طاری ہو گیا اور چھ بجنے میں ۱۰ منٹ باقی تھے کہ حضرت قطب العالم شیخ پھولپوری کی روحِ مبارک دنیائے فانی سے رحلت فرما کر واصل بحق ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ[۵] حضرت والا قدس سرہ العزیز کے ان آخری لمحاتِ حیات کے وقت حسب ذیل حضرات حاضر تھے: احقر اختر غفرلہٗ، جناب حفیظ اللہ صاحب لاری، جناب انور نعمانی صاحب، جناب اعجاز صاحب، جناب حاجی نذیر الدین صاحب، جناب محمود صاحب، عزیزم محمد صادق صاحب، عزیزم محمد کلیم صاحب۔

بدون ریڈیو اور اخباری نشر و اطلاع کے جوق در جوق پروانہ وار ہر طرف سے متعلقین اور محبّین کا اجتماع ہونے لگا۔ ہر شخص ایک دوسرے کو ٹیلی فون سے اطلاع کر کے حقِ رفاقت ادا کرتا رہا۔ تقریباً عشاء تک حیرت انگیز اجتماع ہو گیا، حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہٗ نے اپنی خاص نگرانی میں سنّت کے مطابق تجہیز و تکفین کیا، بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے مرشد و شیخ کے جسدِ مبارک کو غسل دیا، چند معاونین بھی ساتھ تھے۔ تقریباً دس بجے حضرت قطب العالم پھولپوری کا جنازہ گھر سے باہر نکلا، آسمان سے رحمتِ حق نے ہلکی ہلکی رحمت کی بوندیں چند سیکنڈ برسائیں۔

۵ے البقرۃ:۱۵۶

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

ہاں و ہاں ایں دلق پوشانِ من اند
صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

(رومیؔ)

”خوب سن لو اے لوگو! یہ گدڑی پوش ہمارا خاص بندہ ہے، کہیں لاکھوں انسانوں میں ایسا ایک پیدا ہوتا ہے“۔

علماء و صلحائے شہر کی اس قدر تعداد جنازے کے ہمراہ تھی کہ کندھا دینا مشکل ہو رہا تھا۔ جناب ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہ العالی چوں کہ حضرت والا کے کئی اعتبار سے قریبی دوست تھے، اس وجہ سے نمازِ جنازہ کے لیے آپ کو منتخب کیا گیا۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے شب میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ جنازے کے ہمراہ حضرت مولانا یوسف صاحب بنّوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور کراچی کے تقریباً تمام عربی مدارس کے علماء طلباء بھی شریک تھے۔ ہر شخص بارہ بجے شب میں بدون اہتمام اس قدر کثیر تعداد مجمع کو دیکھ کر انگشت بدنداں تھا۔

نوٹ: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بوجۂ علالتِ شدیدہ کے اس وقت حاضر نہ ہو سکے۔

پاپوش نگر کے قبرستان میں بوقت بارہ بجے شب تدفین ہوئی، قبر مبارک بالکل صدر دروازے کے پاس داہنی طرف ہے۔

## مبشراتِ مَنامیہ

### خوابِ اوّل

وصال سے بالکل قریب کے دنوں میں ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سطحِ سمندر پر ایک باغ کے اندر تشریف فرما ہیں اور مسند سفید رنگ کے لگے ہیں، ایک طرف ڈاکٹر عبدالحی صاحب، دوسری طرف بابا مولوی

نجم احسن صاحب اور سامنے مولانا رشید احمد صاحب مع چند احباب کے تشریف رکھتے ہیں اور حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرمارہے ہیں۔

## خوابِ ثانی

حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والا پھولپوری زندہ ہوگئے۔

## خوابِ ثالث

عبد الرّب نشتر کے حقیقی بھائی صوفی عبد الحمید صاحب پارس نے خواب دیکھا کہ حضرت والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بہشتی لباس میں بحالتِ جوانی باکمالِ صحت سامنے ایک مسجد میں تشریف فرما ہیں، بعد بیداری صوفی صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

جب زندہ و تابندہ تھے تب ہم سے باتیں کرتے تھے
اب سپنا میں تم آوت ہو اور ہمرا دل للچاوت ہو

## خوابِ رابع

احقر نے دیکھا کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ احقر سے گفتگو فرمارہے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ حضرت والا! آپ کا تو وصال ہوچکا ہے، پھر آپ مجھ سے کیوں کر باتیں کررہے ہیں؟ اس سوال پر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ خاموش رہے۔

# حضرت شاہ پھولپوری قدس سرہ العزیز کے آخری ایام کے چند مخصوص واقعات

واقعہ نمبر ۱: حضرت اقدس پھولپوری قدس سرہ العزیز کے متعلق عجیب غیبی معاملہ یہ ہے کہ حضرت والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد حضرت حکیم الاُمّت قدس سرّہ العزیز سے دوشنبہ ربیع الاوّل ہی میں بیعت ہوئے اور دوشنبہ ربیع الاوّل ہی میں خلافت عطا ہوئی اور دوشنبہ ربیع الاوّل ہی میں وفات پائی۔

جناب سرورِ عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مکہ سے مدینہ ربیع الاوّل

میں ہوئی اور وفات بھی دوشنبہ ربیع الاوّل میں ہوئی۔ اور بیعت ہونا بھی معناً منہیاتِ الٰہیہ سے ہجرت ہے۔ حضرت والا پھولپوری قدس سرہ العزیز پر غیر اختیاری طور پر یہ توافق بالسنّت کا انعامِ عظیم ہوا ہے۔ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ

**واقعہ نمبر ۲:** دوسرا غیبی لطیفہ یہ ہوا کہ حضرت حکیم الاُمّت تھانوی قدس سرہ العزیز کے وصال سے ایک سال قبل جن رئیسہ صاحبہ نے خواب دیکھا تھا کہ آفتاب غروب ہورہا ہے اور یہ خواب ''خاتمۃ السوانح'' میں خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند بھی کیا ہے، ان ہی رئیسہ صاحبہ نے حضرت اقدس پھولپوری قدس سرہ العزیز کی وفات سے تین ماہ قبل علی گڑھ میں خواب دیکھا تھا کہ ماہ تاب غروب ہورہا ہے، پھر ان رئیسہ صاحبہ نے حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے لاہور میں شرفِ زیارت حاصل کیا، اور حضرو میں قیام فرمایا، جس دن حضرت والا کا یہاں وصال ہوا، ان کو پھر حضرو میں خواب سے معلوم ہوا کہ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا۔

**واقعہ نمبر ۳:** ٦ / جولائی ١٩٦٣ء؁ کو جب حضرت والا کے دونوں صاحب زادگان کراچی سے ہندوستان ایک شدید ضرورت سے رخصت ہوئے، تو حضرت والا پر نو بجے دن سے نو بجے رات تک شدید گریہ طاری رہا اور اس گریہ وزاری کے ساتھ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ اِنِّيۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ کا ورد فرما رہے تھے۔ بعض وقت اس قدر شدید حالتِ گریہ سے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ اِنِّيۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ پڑھتے کہ مجھے خوف ہوتا کہ خدانخواستہ اس شدید اور قوی کیفیتِ گریہ سے کہیں روحِ مبارک نہ نکل جائے۔ معلوم ہوتا تھا کہ سینہ پھٹ جائے گا۔ درمیان میں یہ شعر بھی مثنوی رومی کا پڑھتے۔

ذکرِ حق پاک است چوں پاکی رسید
رخت بر بندد بروں آید پلید
چوں در آید نامِ پاک اندر دہاں
نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

ذکرِ حق پاک ہے جب پاکی آگئی تو ناپاکی اپنا سامان لے کر رخصت ہوگئی، جب اللہ کا نامِ پاک منہ کے اندر آتا ہے تو نہ تو پلیدی باقی رہتی ہے، نہ وہ منہ، بلکہ نور ہی نور ہو جاتا ہے۔

حضرت والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اس شدید گریہ نے ہم جملہ خدام پر سخت حزن و غم طاری کر دیا، نیز کھانا بھی نہ کھایا، اس وجہ سے اور پریشانی ہوئی کہ بعض احباب نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب زادگان کے جانے کا غم ہے۔ احقر نے دل میں سوچا کہ اس بات کو حضرت والا ہی سے کیوں نہ معلوم کرلوں۔ چناں چہ ڈرتے ڈرتے نو بجے رات کو احقر نے عرض کیا کہ حضرت! آج آپ صبح سے دن بھر اور اس وقت تک اس قدر کیوں روتے رہے؟ ارشاد فرمایا کہ میرا معاملہ صرف میاں سے ہے (یعنی حق تعالیٰ سے ہے) میں اللہ کی یاد میں رو رہا ہوں۔

نوٹ: حضرت والا شاہ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ وصال سے چھ ماہ قبل ہی سے اس ورد کا بہت کثرت سے ورد فرمایا کرتے تھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

اور اپنے دوستوں اور متعلقین کو بھی اس ورد کو بکثرت پڑھنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے، اور اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ کا ورد بھی گاہ گاہ فرماتے تھے۔

واقعہ نمبر ۴: حضرت شاہ پھولپوری قدس سرہ العزیز جب تک لاہور تشریف فرما تھے تو حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ مدظلّہا زوجہ محترمہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اکثر و بیشتر حضرت والا کی زیارت کے لیے تشریف لایا کرتی تھیں، اور جس دن کسی خاص مجبوری سے نہ آنا ہوتا تو اپنے نواسے سے حضرتِ والا کی خیریت معلوم کرالیتی تھیں، حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا سے اس درجہ والہانہ عقیدت و تعلق تھا کہ جب حضرت پیرانی صاحبہ تشریف لاتیں تو حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد حضرت حکیم الاُمّت قدس سرہٗ کو یاد کرکے رونے لگتے اور حضرت پیرانی صاحبہ کا بے حد ادب و احترام فرماتے۔ حضرت

پیرانی صاحبہ مدظلہا کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنے گھر کے تقریباً تمام افراد کو حضرت شاہ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرادیا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا کے چھوٹے نواسے حضرت والا کی خدمت میں بیعت ہونے کی غرض سے تشریف لائے، تو حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ ''میرے عزیز! پہلے ہماری والدۂ محترمہ حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا سے میرے لیے بیعت کرنے کی اجازت لے آؤ، پھر اپنے بیعت کرنے کی اجازت حاصل کرو، اس وقت بیعت کروں گا''، پھر حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا نے جب اجازت مرحمت فرمائی تو بیعت فرمایا۔ اللہ اکبر! کیا ادب کا غلبہ تھا۔

اے خدا جوئیم توفیقِ ادب

**واقعہ نمبر ۵:** ایک ایم۔ اے جناب اشرف صاحب جو مضافاتِ لاہور میں عرصے سے تلاشِ راہبر کے لیے بے چین تھے، ایک رات خواب دیکھا کہ حضرت مولانا تھانوی قدس سِرّہٗ فرماتے ہیں کہ جاؤ مولانا شاہ پھولپوری سے تعلق قائم کرو، اس وقت ان کا مقام سب سے اونچا ہے۔ اس خواب کو دیکھ کر وہ لاہور حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا اصلاحی تعلق حضرت پھولپوری قدس سرہٗ سے قائم کرلیا۔

**واقعہ نمبر ۶:** بعض وقت حضرت والا قدس سرہٗ نے وصال سے ایک ماہ قبل ایک دفعہ تقریباً دس بجے دن کو ارشاد فرمایا کہ دیکھو! وہ سامنے حضرت شاہ فتح قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار نظر آرہا ہے، ارشاد فرمایا اور تعجب سے فرمایا: ارے! تم نہیں دیکھتے ہو، وہ کیا سامنے نظر آرہا ہے اور ہاتھ سے اشارہ بھی کیا کہ وہ کیا ہے سامنے؟ حالاں کہ قلندر پور ضلع اعظم گڑھ یوپی میں ہے۔

**لطیفہ:** ان ہی بزرگ حضرت شاہ فتح قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اجازتِ بیعت ملنے سے پہلے بھی حضرت شاہ پھولپوری نے خواب میں دیکھا کہ قبر مبارک سے نکل کر باہر بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت والا کو بادامی رنگ کا کاغذ دیا، چند دن بعد حضرت حکیم الامت قدس سرہُ العزیز کا اسی بادامی رنگ کا اجازت نامہ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا تھا۔

**واقعہ نمبر ۷:** وصال سے تقریباً ایک ہفتہ قبل حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے رات میں احقر سے فرمایا کہ ”حکیم اختر! ہم تو شہید ہوگئے۔“ احقر نے عرض کیا: وہ کس طرح سے؟ ارشاد فرمایا کہ ”تلوار سے۔“ غالباً اس تلوار سے مراد شمشیرِ محبتِ الٰہیہ ہے۔

حق تعالیٰ کا احسانِ عظیم بدون استحقاق اس ناکارہ اختر پر یہ ہوا کہ آخری سانس تک حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کی خدمت نصیب ہوئی، حق تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمائیں، آمین۔

العارض بندہ گناہ گار احقر ارذل الخلائق

اختر غفرلہٗ

۱۵/ اکتوبر ۱۹۶۳ء

# مثنوی

## نالۂ غم ناک دریادِ مرشد حضرت شاہ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ (مع ترجمہ)

(از مرتّب محمد اختر عفی عنہ)

بشنو از من نالۂ ہجرانِ یار
شانزدہ سالہ بُدم دربانِ یار

محبوب مرشد کی جدائی کا نالہ مجھ سے سنو کہ سولہ سال اس محبوب کا دربان رہا ہوں۔

از فراقِ یار چو دل ریش شد
عشق رفتہ از حواسِ خویش شد

فراقِ محبوب سے جب دل زخمی ہو گیا، تو عشق اپنے ہوش حواس کھو بیٹھا۔

از قضا بینم چنیں کرب و بلا
شد ہمہ آفاقِ عالم کربلا

قضائے الٰہی سے شیخ محبوب کی وفات کے سبب میں اس قدر کرب وبلا دیکھ رہا ہوں کہ تمام آفاقِ عالم مجھ کو کربلا معلوم ہو رہا ہے۔

از قضائے شیخ آمد زلزلہ
درجہانِ درسِ عشق و سِلسلہ

وفات شیخِ محبوب سے دنیائے درس عشق و سلسلے میں زلزلہ پیدا ہو گیا ہے۔

مدتے یک ماہیئے اللّٰہیئے
می نمود او راہِ حق ہر راہیئے

ایک اللہ والی مچھلی جو ہر ایک راہ ہرو کو اللہ کے راستے کی تعلیم کر رہی تھی۔

ماہیئے حق مدتے بر ساحلے
بود رہبر عامئے ہم خاصئے

وہ اللہ والی مچھلی ساحلِ بحرِ جلال پر ہر عام و خاص کی راہبری پر تائیدِ غیب سے مامور تھی۔

یک بیک آں ماہیٔ فرخندہ فال
از قضا شد غرق دریائے جلال

کہ اچانک وہ خوش نصیب مچھلی جو منصبِ نبوت پر علیٰ سبیل نیابت (نائب ہونے کی حیثیت سے) تعلیم خلق پر فائز تھی، قضائے الٰہی سے دریائے جلال میں غرق ہوگئی۔

رختِ رحلت بستہ از دنیائے دوں
خفتہ زیرِ خاک با صدہا سکوں

یعنی وہ محبوبِ شیخ سامانِ رخصتی دنیائے فانی سے باندھے ہوئے زیر خاک صدہا سکون کے ساتھ سوگئے۔

رُوحِ پاک دستگیر رہ نما
غرق شد در بحر پاکِ کبریا

شیخ محبوب کی روحِ پاک بحرِ پاک کبریا میں غرق ہوگئی، یعنی واصلِ حق ہوگئی۔

ہیچ در عالم نباشد یارِ من
چوں ز عالم رفت آں دلدارِ من

اب اس عالم میں میرا کوئی دوست نہ رہا، جب کہ میرا وہ محبوب دلدار اس عالم فانی سے رخصت ہوگیا۔

ہمچو ایں غم من ندیدم در جہاں
چہ کُنم جز گریہ و آہ و فغاں

ایسا غم میں نے اس جہاں میں کبھی نہ دیکھا تھا، اب بجُز گریہ و آہ وفغاں کیا کروں۔

جانِ مرشد چو سوئے جاناں رسید
از کجا یابیم بوئے آں سعید

شیخ محبوب کی جان جب اپنے محبوبِ حقیقی سے واصل ہوگئی۔ تو ہم اپنے شیخ کی خوشبو اس جہان میں کہاں سے پائیں۔

مرحبا اے ارضِ پاپوش نگر
خفتہ در آغوشِ تو رشکِ قمر

مبارک ہو تجھے اے پاپوش نگر کی زمین! کہ تیرے اندر میرا رشکِ قمر سویا ہوا ہے۔

حبذا اے ارضِ پاکستانِ ما
کاندرت شد مسکنِ جانانِ ما

شاد باش اے پاکستان کی سرزمین! کہ تیرے اندر ہمارے محبوب شیخ کا مرقد ہے۔

از کشش کہ عشق دارد حیرتم
روئے آں محبوب بینم در دلم

عشق کی کشش پر میں محوِ حیرت ہوں کہ روئے محبوب کو میں اپنے دل میں مشاہدہ کررہا ہوں۔

از فرازِ عرش بر محبوب جاں
شد نزولِ رحمت حق ہر زماں

عرش کی بلندی سے ہمارے محبوب پر ہر وقت حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں۔

آہ شُد آں آفتابِ حق غروب
رفت از ما آہ آں مردِ غیوب

افسوس! کہ وہ آفتابِ حق غروب ہوگیا اور وہ مردِ غیب ہم سے جُدا ہوگیا۔

چوں ز سوزِ عشق آں بریاں شدہ
جانِ عاشق آں زماں عریاں شدہ

جب سوزِ عشقِ حقیقی سے جان شیخ کی بریاں ہوگئی، تو اس عاشقِ صادق کی جان قیدِ تن سے عُریاں یعنی آزاد ہوگئی۔

جانِ او چو خنجرِ عشقش بہ دید
پا بجولاں جانبِ مقتل دوید

جب اس شیخِ نورانی کی جانِ پاک نے محبوبِ حقیقی کا خنجرِ عشق دیکھ لیا تو غلبۂ جوشِ محبت میں پابجولاں جانب مقتل دوڑ پڑی۔

خنجرش چو سوئے خود راغب بدید
سر نہادن آں زماں واجب بدید

جب حق تعالیٰ کی عنایات سے تجلّیٔ حق کو عُریاں مشاہدہ کرلیا، اس وقت عاشق کو اس تجلّی کے سامنے اپنی جان کا سودا سستا نظر آیا۔

حیف کہ از ما رمیدہ آں غزال
کرد رحلت سوئے بستانِ وصال

افسوس کہ وہ غزال رعنا ہم سے جُدا ہو کر باغِ وصالِ حقیقی کی طرف فی الفور روانہ ہو گیا۔

شانزدہ سالہ رفاقت کردہ ام
حُسنِ شان قرب او من دیدہ ام

سولہ سال اس محبوب شیخ کے ساتھ رفاقت کا شرف حاصل رہا اور اس شیخ نورانی کے قرب کی شانیں مدت طویلہ تک دیکھتا رہا۔

گرچہ بودم سالہا ہمراہِ او
خدمتش کردم نہ خاطرِ خواہِ او

اگرچہ میں اس محبوب کے ہمراہ سالہا سال رہا ہوں مگر ان کی خدمت کا ان کے شایانِ شان مجھ سے حق ادا نہ ہوا۔

نالہائے درد ہجراں می کشم
خونِ دل خونِ جگر را می خورم

اب جدائی کے درد کے نالے کھینچ رہا ہوں، اور غم جدائی میں خونِ دل اور خونِ جگر پی رہا ہوں۔

چوں دلت بود نسبتِ چشتیہ
ہست در خاک تو قوّت برقیہ

اے مرشد! چوں کہ آپ کے قلب کو بموجبِ بشارت شیخ حکیم الاُمّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نسبتِ چشتیہ حاصل تھی اس وجہ سے آپ کی خاک میں بھی اس کا اثر یعنی قوّتِ برقیہ در افاضۂ باطنی موجود ہے۔

بر مزارش فیضِ ربّانی بود
نسبتِ آں شیخِ نورانی بود

اس مرشد کے مزارِ مبارک پر فیضِ ربّانی ہے کیوں کہ اس نورانی شیخ کے انوارِ نسبت انوارِ ربّانی کے جالب ہیں۔

چوں کہ نسبت چشتیہ دارد ز نور
بوئے عشق از مرقدش آمد ظہور

چوں کہ وہ مرشد نسبتِ چشتیہ نورِ حق سے رکھتا ہے اس وجہ سے اس مرشد کی قبر کی خاک سے بوئے عشقِ حقیقی کا ظہور ہو رہا ہے۔

اے کہ تو چاکِ گریباں آمدی
آیتِ کبریٰ ز جاناں آمدی

اے مرشد! آپ عشقِ الٰہی سے چاکِ گریباں دنیا میں تشریف لائے اور در حقیقت آپ کی ذات مبارک محبوبِ حقیقی کی طرف سے من جملہ اجلّہ آیاتِ کُبریٰ سے تھی، یعنی اللہ کی طرف سے آپ بہت بڑی نشانی بن کر آئے کہ آپ کو دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا، بمصداق حدیث اِذَا رُأُوْا ذُکِرَاللہُ (اللہ والوں کو دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے۔)

چشمِ گریاں سینہ بریاں آمدی
از برائے درسِ عرفاں آمدی

اے مرشد! آپ عشقِ الٰہی سے ہر وقت اشکبار، سوختہ جان نظر آئے اور در حقیقت آپ تعلیمِ معرفت کے لیے دنیا میں تشریف لائے۔

از فراقت تلخ شد ایامِ ما
دور شد از جانِ ما آرامِ ما

اے مرشد! آپ کی جدائی سے میری زندگی کے ایام تلخ ہوگئے اور میری جان آرام سے محروم ہوگئی۔

از وفورِ غم بروں آید فغاں
نالۂ عشقم رود تا آسماں

اور شدتِ غم سے میرے دل سے آہ نکل رہی ہے اور میرے نالہائے عشق آسمان تک جارہے ہیں۔

لطفِ تو چوں یاد می آید مرا
بوئے تو جانم بجوید در سرا

اور اے مرشد! جب آپ کی محبت اور الطاف و کرم مجھے یاد آتے ہیں تو میری جان آپ کی خوشبو کو اس دنیا میں دیوانہ وار تلاش کرتی ہے۔

حیف کہ آں شیر حق از ما برفت
در بیابانِ عدم خود رانہفت

افسوس کہ وہ شیر حق (یعنی جری علی اظہار الحق وبری از مداہنت و کتمان الحق) ہم سے جدا ہوگیا، اور بیابانِ عدم میں اپنے کو ہماری نگاہوں سے پوشیدہ کرلیا۔

کرد ما را از غمِ فرقت یتیم
رفت خود فی باب جنّٰتِ النعیم

افسوس کہ میرے مرشد محبوب نے ہم سب کو غمِ جدائی دے کر یتیم کردیا اور خود باب جنّٰت النعیم میں تشریف لے گئے۔

حضرتِ والا قدس سرہ العزیز کی تاریخ وفات بھی **دَخَلَ فِیْ بَابِ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ** ہے (۱۳۸۳ھ، یہ تاریخ وفات نادم جالندھری نے نکالی جو ایک عربی مدرسہ کے طالب علم ہیں۔)

حق تعالیٰ کا صد ہزار شکر ہے کہ حضرت مرشدِ پاک کی جدائی کے غم میں جو میری قلبی کیفیات تھیں وہ بَاَحسن طریق اس مثنوی میں من جانب اللہ برنگِ مثنوی رومی رحمۃ اللہ علیہ بیان ہوگئے اوران اشعار کا ترجمہ بھی عجیب والہانہ انداز سے ہوگیا۔ **ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ** حق تعالیٰ اپنی رحمت سے

حضرت قدس سرہ العزیز کو اپنے جوارِ رحمت میں مقامِ اعلیٰ نصیب فرمائیں، آمین ثم آمین۔

جب ان اشعار کو احقر نے حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں بذریعۂ ڈاک ارسالِ خدمت کیا، تو حضرت والا نے حسبِ ذیل عنوان سے جواب ارقام فرمایا: نقل مطابق اصل (از مجلسِ دعوۃ الحق ہردوئی ہند)

خطِ منظوم پہنچا۔ عجیب مضمون کا حامل ہے اور جذباتِ حقیقی کا مشعِر، جس نے دیکھا جھوم گیا۔

بَارَكَ اللهُ فِيْ أَحْوَالِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ وَأَشْعَارِكُمْ وَأَنْوَارِكُمْ

ابرار الحق غفرلہٗ

۲۴؍ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ

مجلسِ دعوۃ الحق ہردوئی، یوپی، ہند

## نالۂ غمناک دریادِ مرشد پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

(نظم کنندہ احقر اختر عفا اللہ عنہ)

یہ کس کا جنازہ لے کر ہم پاپوش نگر[۶] کو جاتے ہیں
یہ کس کی جدائی سے زخمی ہم قلب و جگر کو پاتے ہیں
کس رشکِ قمر کو دفنانے ہم دل کو سنبھالے جاتے ہیں
سینوں سے کلیجے خوں ہو کر کیوں منہ کو ہمارے آتے ہیں
لمحاتِ گزشتہ صحبت کے جب دل کو مرے یاد آتے ہیں
اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اور نالے فلک تک جاتے ہیں
صحبت میں تمہاری اے مرشد اک عمر ہماری گزری ہے
اب آج ہمارے وہ لمحے یاد آ کے ہمیں تڑپاتے ہیں
الطاف تمہاری صحبت کے اب آہ کہاں ہم پائیں گے
دنیا ہی اندھیری ہے ہم کو گھبرا کے جدھر بھی جاتے ہیں
اک دن وہ ہمارا تھا اخترؔ صحبت میں ہم ان کی رہتے تھے
اب آہ جدائی کے غم میں آنکھوں سے لہو برساتے ہیں

## نالۂ غم بہ یادِ حضرت شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

مرا جانِ بہاراں سو گیا مرقد میں جب اے دل
بھلا اب تا قیامت کیا بہارِ وصل آئے گی

---

[۶] پاپوش نگر کے قبرستان میں بالکل صدر دروازے کے پاس جنوبی جانب حضرت والا مدفون ہیں اور ساتھ ہی مولانا شبیر علی صاحب مرحوم حضرت شیخ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے شرقی جانب مدفون ہیں اور اسی احاطے میں جنوبی جانب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والدہ صاحبہ اور حفیظ اللہ لاری مرحوم مدفون ہیں۔

مرے محبوب مرشد تم کو کیا ہم بھول جائیں گے
ہماری جاں تمہاری یاد سے آنسو بہائے گی
ذرا سی دیر کو تیری توجہ تام ہو جائے
مری جاں دردِ مہجوری کا افسانہ سُنائے گی
تمہارے لطف کی باتیں ہمیں سب یاد آتی ہیں
جدائی تیری اخترؔ کو قیامت تک رلائے گی

## تذکرہ

حضرت سلطان العارفین مرشدنا مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

واحوالِ ایں غلام اختر عفا اللہ عنہ

اے شہ عبدالغنی اے رُوحِ ما
صدقۂ تو جملہ ایں مفتوحِ ما

عمرِ ما چوں ہشت دہ سالہ رسید
بردرت اختر چو دیوانہ رسید

کرد اختر بیعت بر دستِ شما
ہشت دہ سالہ شدہ مستِ شما

من ترا چاک گریباں دیدہ ام
زلفِ تو بر سر پریشاں دیدہ ام

عالمے کو عاشقِ حق می شود
نورِ او از عابداں فائق شود

من ترا دیدم میانِ رہبراں
بدرِ کامل چو میانِ اختراں

رہنمائے بہرِ جانِ صادقاں
نزد بینایاں تو شاہ عارفاں

یک قمیصے بر تنت یک لنگئے
بود ایں دنیا تو اے عابرے

نیست صندوقے و سامانے ترا
خانۂ تو ہمچو ویرانے ترا

سقف خانہ بود آزارے ترا
نیست حفظ از ابر و بارانے ترا

اندریں خانہ مگر اے شاہِ جاں
نورِ حق دیدم بہر ذرہ عیاں

بود دنیا پیشِ تو دنیائے دوں
فخرِ دنیا پیشِ تو شد سرنگوں

در جہاں بودی و خارج از جہاں
قوّتِ نسبت ترا دیدم عیاں

گرچہ می رفتی بظاہر بر زمیں
رُوحِ تو می رفت بر عرشِ بریں

گرچہ دیدہ بودمت اندر جہاں
لیک تو بودی ورائے ایں جہاں

جسمِ تو برخاک سجدہ چوں نمود
روحِ تو بر عرش سجدہ ہم نمود

روحِ تو در سجدہ مضطر دیدہ ام
سجدہ گہہ را تر ز اشکت دیدہ ام

آہِ تو من بارہا بشنیدہ ام
گریۂ تو در دعاہا دیدہ ام

عشق را تفسیرِ قولی مثنوی
اے کہ تو تفسیرِ فعلی مثنوی

اے سراپا شرح دردِ مثنوی
اے سراپا شرح رازِ مثنوی

اے سراپا رمزہائے بے خودی
اے سراپا سِرّہائے سرمدی

جانِ من از دردِ تو شد دردمند
آہِ من از آہِ تو شد ارجمند

آہِ من پروردۂ آہِ شما
دردِ من پروردۂ دردِ شما

آہ را از آہِ تو آموختم
عاشقی از عشق تو آموختم

بر درِ تو عمر خود سرکردہ ام
ہم سر خود وقف آں درکردہ ام

از تو ایماں یافتہ ست ایمانِ من
اے فدا بر جانِ تو ایں جانِ من

ایں غلامی رشکِ صد سلطانیاں
لیک دانند قدرایں روحانیاں

اے امامِ عشق در صحرائے عشق
اے سریع السیر در دریائے عشق

اے ترا در عالمِ ہو دیدہ ام
بے خبر از ہستیٔ خود دیدہ ام

یاد ہست آں جلوہ را دیدن ترا
نامِ خود از غیر پرسیدن ترا

بے خبر گشتی ز نامِ خویشتن
ہمچنیں دیدم ترا خوش زیستن

جاں فدایت اے شہ عبدالغنی
دل فدایت ہر چہ خواہی آں کنی

گرچہ داری تو حیاتِ برزخی
کے روا داری تو از ما بے رخی

یعنی آئی اے پدر در خوابِ من
تا بہ بیند ایں دلِ بے تابِ من

# اصلاح کا آسان نسخہ

## مجوزہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

یہ نظم حکیم الامت مولانا تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کے وعظ ''ملّتِ ابراہیم'' صفحہ ۴۸ کا چربہ ہے جو کئی مرتبہ طبع ہوچکا ہے، حضرت اقدس پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو تھانہ بھون میں موصول ہوا، اسی وقت حضرت والا نے احقر کو حکم دیا کہ اسے نظم کرڈالو، حضرت والا نے اور دوسرے اکابرین نے اس نظم کو بہت پسند فرمایا ہے اس لیے ہدیۂ ناظرین ہے۔

(نظم کنندہ احقر اختر غفرلہ)

مخاطب[ؐ] ہے میرا وہ گم کردہ راہ
جسے یاس نے کردیا ہو تباہ

جسے آہ ہمت دوا کی نہ ہو
سکت جس میں پرہیز کی بھی نہ ہو

وہ مایوس بندہ یہ مژدہ سُنے
بڑے عارفِ حق کا نسخہ سُنے

وہ جو تھے مجدّد و غوثِ زماں
وہ تھانہ بھون کے حکیمِ زماں

رہے عشقِ حق میں شب و روز مست
ہمیشہ رہا نبضِ امّت پہ دست

ہوا ہر گرفتارِ آزار سخت
تری صحبتِ پاک سے نیک بخت

---

ؐ صرف یہ شعر مولوی ظہور الحسن صاحب مہتمم خانقاہ تھانہ بھون کا ہے۔

جنہیں رات دن فکر ملّت کی تھی
بڑی فکر اصلاحِ امّت کی تھی

وہ مولائے اشرف علی شاہِ دیں
دکھاتے رہے عمر بھر راہِ دیں

ان ہی کا یہ نسخہ ہے اصلاح کا
خدا سے فقط ہے وہ الحَاح کا

ہے نسخہ بہت سہل و آسان سا
کرے نفسِ بد کو جو بے جان سا

وضو کرکے دو رکعتیں تم پڑھو
نیت اس میں توبہ کی کرکے پڑھو

دعا کے لیے ہاتھ کو پھر اٹھا
خدا سے تو رو کر کرے التجا

الٰہی گناہ گار بندہ ہوں میں
سراپا بُرا اور گندہ ہوں میں

بہت سخت مجرم کمینہ ہوں میں
گناہوں کا گویا خزینہ ہوں میں

نہ قوّت گناہوں سے بچنے کی ہے
نہ ہمت عمل نیک کرنے کی ہے

ترا ہو ارادہ اگر اے کریم
تو ہو پاک پل میں یہ بندہ لئیم

تو ہی غیب سے کوئی سامان کر
گناہوں سے بچنے کو آسان کر

ارادے مرے نیک اعمال کے
حوالے ہوئے نفس کی چال کے

اگر تیری توفیق ہو چارہ گر
تو پھر نفس و شیطان سے کیا مجھ کو ڈر

میں بندہ ترا ہوں محض نام کا
بنادے کرم سے مجھے کام کا

تلوّن مزاجی مری ختم کر
مرے عزم کو تو عطا جزم کر

عطا کر مجھے ذرّہٗ دردِ دل
ترا درد ہو جائے یہ آب و گِل

رہِ غیب سے کر مری رہبری
تری بندگی سے ہو عزت مری

دکھا غیب سے مجھ کو راہِ نجات
پلا اپنے مُردے کو آبِ حیات

کرم سے خطاؤں کو تو عفو کر
گناہوں کے انبار کو محو کر

یقیناً گُنہ مجھ سے ہوں گے ضرور
کرالوں گا پھر عفو اپنا قصور

غرض روز اس طرح اقرار ہو
ندامت کا ہر روز اظہار ہو

عجب کیا بہت جلد ان کا کرم
ہدایت کا سامان کردے بہم

عطا کردے قوّت تجھے غیب سے
ہو نصرت تِری پردۂ غیب سے

نہ بٹّہ لگے گا تِری شان میں
نہ فرق آئے گا کچھ تری آن میں

اگر جسم تیرا ذرا ہو علیل
حکیموں کی سنتا ہے تو بے دلیل

دوا تلخ سے تلخ پیتا ہے تو
خوشامد طبیبوں کی کرتا ہے تو

مداوائے تن میں تو تُو چست ہے
مگر فکرِ ایمان میں کیوں سُست ہے

تری عقل دنیا میں کیا کر گئی
مگر دین میں وہ کہاں مر گئی

نہ خود اپنی جو فکر درماں کرے
خدا کیا ہدایت چَسپاں کرے

بڑے شرم کی بات ہے دوستو
کہ اتنی بھی ہمّت نہ تم کر سکو

اگر یوں ہی غفلت میں گزری حیات
نتیجہ بُرا ہوگا بعد الممات

ہو سہل اس سے صورت کوئی آہ کیا
بھلا اس سے آسان ہو راہ کیا

## منکرِ قیامت سے خطاب

نوٹ: حضرتِ اقدس پھولپوری سرہ العزیز نے اثباتِ قیامت پر زمانۂ قیام کانپور ایک تقریر فرمائی تھی جس کو احقر نے نظم کیا تھا، حضرت والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس نظم کو بار بار سنا اور بہت پسند فرمایا۔ از محمد اختر غفرلہٗ

قیامت کے منکر ذرا غور تو کر
کہ پیدا ہوا ہے تو دنیا میں کیوں کر
ورق تو الٹ خلق اوّل کا ناداں
نہ خود پر گماں کر یہ ہے کاریزداں
تِرا یہ وجود مجسّم کہاں تھا
ترا مادہ منتشر تھا نہاں تھا
جو کھاتے تھے ماں باپ شام و سحر میں
وہ پھیلے تھے ہند و عرب بحر و بر میں
غذاؤں پہ آثارِ شمس و قمر کے
ہواؤں کے جھونکے بھی شام و سحر کے
گزرتا تھا پودوں میں پانی جدھر سے
وہ مخلوط تھا معدنوں کے اثر سے
غرض سارے ذرّاتِ تولیدِ آدم
کہاں تھے یہ ماں باپ میں یوں منظم
جو ذرّہ ترا تھا نہاں جس غذا میں
غذائیں وہ حاضر تھیں علمِ خدا میں
وہ اقضائے عالم سے آئے سمٹ کر
نہیں جاسکا کوئی ذرّہ بھی ہٹ کر

کھلایا انہیں تیرے ماں باپ کو جب
اکٹھے ہوئے تیرے ذرّات بھی سب
بنایا اسے خون پھر اس سے نطفہ
ہوا بطنِ مادر میں جاکر وہ علقہ
پھر علقہ سے مضغہ پھر اس سے بنا کیا
بتاؤں میں صنعت گری اس کی کیا کیا
جو بخیے کیے اس نے اس آب و گِل میں
سمجھ سے ہے باہر یقین کرلے دل میں
غرض بطنِ مادر میں نو ماہ رہ کر
نکل آیا دنیا میں انسان بن کر
وہ جس نے کیا شکمِ مادر سے پیدا
ہے قادر کرے قبر سے پھر وہ پیدا
تری قبر پہلے جو تھی شکمِ مادر
وہ ہے قبر ثانی کی تشریح یکسر
ترا خلق اوّل تھا مشکل کہ ثانی
تو خود فیصلہ کر بایں راز دانی
تو خود ہے مجسم دلیلِ قیامت
اس انکار پر ہوگی تجھ کو ندامت

قیامت کا دن منتہائے عمل ہے
جزائے عمل ہے سزائے عمل ہے

# مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

از: اختر عفا اللہ عنہ

اے خدا اے خالق کون و مکاں ہے تری تعریف سے قاصر زباں
تو نے یہ پیدا کیا سارا جہاں اپنے بندوں کے لیے اے شاہِ جاں
اور بندوں کو چُنا اپنے لیے اپنی طاعت اور الفت کے لیے
اے خدائے پاک ربِّ بے نیاز اپنے بندوں کا ہے تو ہی کارساز
صدقہ تیری رحمتِ زخّار کا صدقہ تیرے سید الابرار کا
صدقہ سب اصحاب کا اور آل کا صدقہ کل اقطاب کا ابدال کا
صدقہ اس امت کے ہر نبّاض کا صدقہ میرے مرشدِ فیاض کا
اے خدائے پاک اپنے فضل سے چن لے مجھ کو آخرت کے واسطے
اے خدائے پاک اے ربّ العباد تیرے ہی محتاج ہیں سارے عباد
ہم نے گو گستاخیاں کیں راہ میں گو گرے ہم معصیت کے چاہ میں
اب ہیں لیکن اشک بار و شرم سار اپنے کرتوتوں پہ اے پروردگار
تیری رحمت سے ہمارا انفعال ہو قبولِ بارگاہِ ذوالجلال
کرنہ واپس تو مجھے دربار سے ہوں میں بہرہ ور تری سرکار سے
جس کو چاہے تو کرے اپنا ولی تو نہیں پابند فن کا اے غنی
جوش میں آئے جو دریا رحم کا گبر صد سالہ ہو فخر اولیاء
صدقہ رحمت واسعہ کا اے کریم عفو فرما میرے عصیانِ عظیم
بھیس میں ہوں پاک بازوں کے ترے گو نہیں اعمال ہیں ایسے مرے
نقل کی برکت سے لیکن اے خدا اپنے پاکوں سے نہ کر مجھ کو جدا

| | |
|---|---|
| اے خدا تابع رہوں تیرا سدا | ہو نہ میرا نفس میرا مقتدا |
| اے خدائے پاک اے پروردگار | سخت دشمن ہے ہمارا نفسِ مار |
| گر نہ ہووے فضل تیرا اے کریم | میں رہوں بس ننگ شیطانِ رجیم |
| گر ہو تیرا فضل اے ربّ رحیم | جانِ صدیقاں ہو یہ جانِ سقیم |
| ہم قریں ہے نفسِ بد ابلیس کا | کام ہے اس کا محض تلبیس کا |
| کشمکش میں پڑگئی جانِ حزیں | العیاذ از نفسِ بد بئس القریں |
| تیری جانب سے نہ ہو رحمت اگر | ہر قدم میرا پڑے سوئے سقر |
| موکشیدہ گر رسیدم کوئے تو | آفریں بردست و بر بازوئے تو |
| صدقہ تیرے جذب کا اے شاہِ جاں | صدقہ شانِ یجتبی بر بندگاں |
| جانِ مجوراں کو از راہِ نہاں | جذب کرلے اے مرے جذّابِ جاں |
| اے خدائے پاک اے پروردگار | جز ترے ناصر کوئی میرا نہ یار |
| ہم ضعیفوں عاجزوں کو اے خدا | دستگیری کا تری ہے آسرا |
| آپ کی عظمت کا حق میرے اِلٰہ | کچھ نہیں مجھ سے ادا ہوتا ہے آہ |
| اے خدا اے صاحبِ حلمِ عظیم | بخش دے میرے گناہانِ عظیم |
| صدقہ فیضِ مرشدِ عبدالغنی | دے مجھے اپنے سے تو کچھ آگہی |
| صدقے حضرت پھولپوری شاہ کے | تو عطا کر مجھ کو نعرے آہ کے |
| پار کر دے اے خدا کشتی مری | بہرِ فیضِ مرشدِ عبدالغنی |
| تڑپے مچھلی جیسے پانی کے بغیر | دے تڑپ اس سے سوا اپنے بغیر |
| قرب کی لذت چکھا کر اے خدا | رنج دوری میں نہ کر پھر مبتلا |
| یارِ شب کو روزِ مجوری نہ دے | جانِ قربت دیدہ کو دوری نہ دے |

معصیت کی ذلتوں سے اے خدا ہو نہ رسوا بندۂ عاجز ترا
بابِ رحمت پر ترے اے شاہِ جاں دے رہا ہوں دستکِ آہ و فغاں
کٹ گئی اک عمر میری اس طرح مضطرب ہو مرغ بسمل جس طرح
تیری رحمت کا اگر ہو فتح باب بندۂ عاجز ترا ہو کامیاب
آہ رہ سکتا ہے کب کوئی حجاب فضل کا تیرے جو نکلے آفتاب
اے خداوندا ترے افضال سے طالبِ رحمت ہیں ہم بد حال سے
مانگتا ہوں تجھ سے تیرے فضل کو واسطہ اُس فضل کا خود فضل ہو
دین ہی کی چاکری تو کر نصیب یاد ہی میں رکھ تو اپنی اے حبیب
”جز بذکرِ خویش مشغولم مکن از کرم از عشق معزولم مکن“

(رومیؒ)

بے مشقت یہ ہوس گو جرم ہے مجھ کو اس نالائقی پر شرم ہے
پر خداوندا کہاں جاؤں بھلا کیا کوئی در ہے ترے در کے سوا
ہمت و محنت کہ توفیقِ عمل سب ترے محتاج ہیں اے عز و جل
جس کو تیری راہ سے جو بھی ملا وہ ترے دستِ کرم سے ہی ملا
ناخنِ تدبیر گھس جانے کے بعد پردۂ اسباب جل جانے کے بعد
بس تری جانب ہے اب میری نگاہ ناؤ میری پار ہو میرے اِلٰہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

## مقصدِ حیات اور اقتضائے فِطرتِ بشریّہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾[۸]

’’اور میں نے جن اور انسان کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔‘‘

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے **لِيَعْبُدُوْنِ** کی تفسیر **لِيَعْرِفُوْنِ** سے فرمائی ہے[۹] اور صاحبِ جلالین نے اپنی تفسیر ’’جلالین‘‘ میں اسی کو لیا ہے۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتادیا کہ ہم نے جن اور انسان کو اپنی معرفت و پہچان کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ ایک حدیثِ قدسی سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے **كُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ**[۱۰] حدیثِ قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس کو حق تعالیٰ نے فرمایا ہو اور راوی اس کے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایک خزانۂ مخفی تھا۔ پس مجھے یہ بات بھلی معلوم ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اسی آیتِ کریمہ کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے ؎

ماخلقت الجنّ والانس ایں بخواں

جز عبادت نیست مقصود از جہاں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت فرماتے ہیں کہ میں نے جِنّ اور

---

۸۔ الذّٰریٰت:۵۶

۹۔ روح المعانی:۲۵/۲۷، الذاریات (۵۶)، داراحیاء التراث، بیروت

۱۰۔ مرقاۃ المفاتیح:۱/۱۹۴، باب الایمان بالقدر، المکتبۃ الامدادیۃ، قال ’’وھذا المعنی یصح معنی ماینقل حدیثا ولم یصح لفظا‘‘ ولذا قال ابن عباس رضی اللہ عنھما لیعبدون ای لیعرفون

انس کو اپنی عبادت کے لیے یعنی معرفت کے لیے پیدا فرمایا اور جِنّ اور انسان کی تربیت یعنی پرورش کے لیے اور ان کی حیات کی حفاظت وبقا کے لیے یہ ساری کائنات پیدا کی گئی ہے۔

ایک مسافر بھوکا پیاسا بے سروسامانی کی حالت میں ایک لق ودق میدان سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک محل عالی شان اس کو نظر آیا، جب اس محل کے قریب پہنچا تو دروازے پر ایک دربان نے اس کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ اے مسافر! یہ محل تیرے لیے ہے، اس کے اندر داخل ہوجا۔ جب مسافر اندر داخل ہوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ایک کمرے میں کھانے پینے کا تمام سامان رکھا ہوا ہے، دوسرا کمرہ غسل کرنے کے لیے ہے، تیسرے کمرے میں پیشاب خانہ اور پاخانہ بنا ہوا ہے اور اس محل میں ہر قسم کے پھل دار درخت موجود ہیں، شیریں اور ٹھنڈے پانی کے چشمے موجود ہیں، خلاصہ یہ کہ جتنی حاجتیں اس مسافر کے اندر پیدا ہوسکتی تھیں سب کا انتظام اس محل میں موجود تھا۔ ان انعامات کو دیکھ کر یہ مسافر خوش ہوجاتا ہے اور فرطِ مسرّت سے ہر نعمت کی قدر دانی کرتا ہے۔ اب اس کے دل میں طبعاً اور فطرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ نعمتیں ہم کو کس نے دی ہیں، تاکہ ہم اس کا شکریہ ادا کریں۔ شدّتِ پیاس کے وقت میں جس کو کوئی ایک گلاس پانی پلادیتا ہے، یا شدّتِ بھوک میں کھانا کھلا دیتا ہے تو اس کے دل سے پوچھو کہ اس کو اپنے محسن کے ساتھ اس احسان سے کیسی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور شکر زبان تلاش کرنے لگتا ہے۔ اب یہ مسافر اپنے محسن کی تلاش کے لیے بے چین ہوجاتا ہے کہ وہ کون ایسی کریم اور سخی ذات ہے جس نے ہمیں ایسی غربت کی حالت میں بے شمار نعمتوں سے بھرا ہوا محل عطا فرمایا، اپنے محسن کی تلاش کا داعیہ عین اقتضائے فطرت ہے۔ اب یہ مسافر اس دربان سے پوچھتا ہے کہ بھائی! یہ محل کس نے بنایا ہے اور کس نے اس محل کے اندر اس قدر بے شمار نعمتیں بھر دی ہیں؟ اور اس محل کا مالک کس قدر کریم ہے کہ بدون کسی معاوضے اور سوال کے اس نے اتنا بڑا اکرم فرمادیا اور ہماری ذات سے اس کو کوئی نفع نہیں ہے، وہ بے غرض محبت کرنے والا اور بے غرض احسان فرمانے والا کون ہے؟ دربان کہتا ہے کہ اس محل کے پاس اور بھی دوسرے محل ہیں اور وہ لوگ پرانے

رہنے والے ہیں، ان سے معلوم کرو۔ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ[۱۱] اگر تم نہیں جانتے ہو تو کسی اہلِ علم سے معلوم کرلو۔

اس تمہید کے بعد جاننا چاہیے کہ انسان کا جسم ایک محل ہے، جس کے اندر سر سے پیر تک نعمتوں کے خزانے رکھے ہوئے ہیں، اب فطرتاً اس کے اندر سوال پیدا ہونا چاہیے کہ ہماری آنکھیں کس نے بنائی ہیں اور آنکھوں میں روشنی کا خزانہ کس نے رکھا ہے؟ ہمارے کان کس نے بنائے ہیں اور کانوں میں سننے کا خزانہ کس نے رکھا ہے، دماغ کس نے بنایا اور دماغ کے اندر عقل و سمجھ کا خزانہ کس نے رکھا ہے؟ ان سوالات کا پیدا ہونا اقتضائے فطرت ہے۔ اسی کو مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

اے خدا احسانِ تو اندر شمار
می نتانم با زبانِ صد ہزار

مولانا فرماتے ہیں کہ اے خدا! آپ کے احسانات بے شمار ہیں، میں سو ہزار زبان سے بھی ان کو شمار نہیں کرسکتا ؎

جان و گوش و چشم و ہوش و پا و دست
جملہ از دُرہائے احسانت پُر است

میری جان، میرے کان اور میری آنکھیں اور میرے ہوش و حواس اور ہاتھ پاؤں یہ سب کے سب آپ کے احسان کے موتیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

حاصل یہ کہ جب انسان اپنے اندر بے شمار ظاہری اور باطنی نعمتوں کو دیکھتا ہے تو سوچتا ہے کہ اگر ہماری آنکھوں میں روشنی نہ ہوتی تو ہم کو کتنی پریشانیوں کا سامنا ہوتا، وہ کون محسن ذات ہے جس نے بدون کسی معاوضے کے بدلے اور بدون سوال کے ہماری آنکھوں کو بینا فرمادیا؟ اسی طرح اگر ہمارے کان بالکل بہرے ہوتے تو ہم کسی کی بات کیسے سن سکتے اور ہم کو نہ جانے کتنی پریشانیاں اٹھانی پڑتیں، وہ کون محسن ذات ہے

---

[۱۱] الانبیاء:۷

جس نے ہمارے کانوں کو سننے والا بنایا؟ اسی طرح زبان کے بارے میں سوچتا ہے کہ اگر ہم گونگے ہوتے تو کیا مصیبت ہوتی؟ مافی الضمیر کو ہاتھوں کے اشاروں سے سمجھانے میں کیسی پریشانی اٹھانی پڑتی؟ وہ کون محسن ذات ہے جس نے بدون معاوضے اور سوال کے ہماری زبان کو گویا فرمادیا؟ اور وہ کون ذات ہے جس نے ہمارے ایسے جوڑ دار ہاتھ پاؤں بنادیے کہ جن سے ہم مختلف کاموں کے وقتوں میں مختلف طور سے کام لیتے ہیں؟ علیٰ ہٰذا القیاس اپنے اندر ہر نعمت کے متعلق اس قسم کے سوالات کا پیدا ہونا ایک فطری اور عقلی تقاضا ہے۔ پھر جس طرح انسان کو اپنے جسم کے اندر کی تمام نعمتوں میں غور کرکے اپنے محسن کی تلاش کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح جب یہ آسمان کی طرف نگاہ کرتا ہے تو فطرتِ بشریہ کا اقتضاء یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ یہ بے ستون کا ایسا خوبصورت آسمان کس محسن نے ہمارے لیے پیدا فرمایا ہے؟ پھر اس کے اندر سورج، چاند اور بے شمار ستاروں کو کس نے جڑ دیا ہے؟ اسی طرح انسان جب نیچے نگاہ کرتا ہے تو باقتضائے فطرت اس کے اندر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون محسن ذات ہے جس نے ہمارے لیے زمین کے اتنے بے شمار ذرّات کو اکٹھا کرکے ہمارے لیے فرش بنادیا ہے؟ اسی طرح بہت سے مناظرِ فطرت، مثلاً صحرائے لق و دق، کوہ ہائے بلند، بحر ناپیدا کنار وغیرہ کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ وہ کون محسن ذات ہے جس نے ہمارے لیے ایسے ایسے اونچے پہاڑوں کو اور ناپید اکنار سمندروں کو مسخّر فرمادیا ہے؟ پانی کے اتنے قطرات سمندر میں کس نے جمع کردیے ہیں؟ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے محسن کی پہچان کا تقاضا پیدا ہونا انسان کا فطری اقتضاء ہے اور یہ اقتضائے بشریت اس قدر اہمیت اپنے اندر لیے ہوئے ہے کہ اس کی وجہ سے فقہاء میں باہمی اختلاف اس مسئلے میں ہوگیا ہے، یعنی ایک جماعت فقہاء کی یہ کہتی ہے کہ جس مقام پر کوئی نبی یا رسول نہیں پہنچا اور نہ اُن کے نائبین پہنچے وہاں کے لوگوں پر خدا کی پہچان فرض نہیں ہے اور فقہاء کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ نہیں! ان لوگوں پر بھی خدا کی معرفت فرض ہے، نفسِ توحید کے لیے انسان کی عقل کافی ہے، خدا کو پہچاننا اقتضائے بشریت ہے۔ البتہ ان لوگوں سے اُن فروعی احکام کا مطالبہ نہیں ہوگا جن کو خدا کا رسول خدا کی طرف سے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ اس اقتضائے فطرت

کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ[۱۲]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر بچہ اسلامی فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ اس کے ماں باپ اگر یہودی ہوتے ہیں تو اپنی صحبت سے یہودی بنالیتے ہیں، اگر نصرانی ہوتے ہیں تو نصرانی بنالیتے ہیں، اگر مجوسی ہوتے ہیں تو مجوسی بنالیتے ہیں۔

اگر ماں باپ کی صحبت سے کسی بچے کو محفوظ رکھا جائے تو باقتضائے فطرت وہ عالم کے تمام آثار اور تصرّفات کو دیکھ کر توحید کا قائل ہوجائے گا۔ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر تو او را می نہ بینی در نظر
فہم کن اما باظہارِ اثر

مولانا فرماتے ہیں: اگر خدا کو اپنی ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھتے ہو تو خدا کی مخلوقات میں غور کرو، اثر کو دیکھ کر مؤثر کے وجود کا یقین کرو، کیوں کہ بغیر مؤثر کے کسی اثر کا وجود عقلاً محال ہے۔

دنیا میں اس کے تمام نظائر اور شواہد موجود ہیں کہ جب کوئی صانع کسی صنعت کو مرتب کرتا ہے تو اس ترتیب اور ترکیب سے پہلے اس کے ذہن میں اس مصنوع کا مقصد اور نصب العین متعین ہوتا ہے۔

## مُوجد اور صانعِ حقیقی

مرتِّب کا لفظ میں نے اس لیے اختیار کیا ہے کہ اصل موجد در حقیقت تمام مصنوعات کا وہی صانع اور خلّاقِ عالم ہے، جو ازلی ابدی اور قدیم ہے۔ بندوں کے ہاتھوں سے وہ کام لیتے ہیں۔ بندے کسی شے کو عدم سے وجود میں نہیں لاسکتے ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ

---

[۱۲] صحیح البخاری: ۱/۱۸۵ (۱۳۸۸)، باب ما قیل فی اولاد المشرکین، المکتبۃ المظھریۃ

ان کے دلوں میں حسبِ ضرورت وقتاً فوقتاً ہر نئی چیز کے متعلق اس کی پوری صنعت گری مع اس کے اجزائے ترکیب کے الہام فرماتے رہتے ہیں، پھر حکمِ الٰہی اور ارادۂ الٰہی کا تابع ہو کر وہ بندہ اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کیے ہوئے ان اجزا میں ترکیب اور ترتیب دیتا ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ اپنے بندوں کے ہاتھوں سے اسی طرح نئی نئی مصنوعات ایجاد فرماتے رہتے ہیں۔ چناں چہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں:

اِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝ وَّالۡخَيۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِيۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَزِيۡنَةً ؕ وَيَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝[۱۳]

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”اور واقعی تمہارا رب بڑی شفقت والا اور رحمت والا ہے (کہ تمہارے آرام کے لیے کیا کیا سامان پیدا کیے) گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کیے، تاکہ تم ان پر سوار ہو اور نیز زینت کے لیے بھی اور وہ ایسی ایسی چیزیں (تمہارے فائدے کے لیے) بناتا ہے جن کی تمہیں خبر بھی نہیں۔“ (بیان القرآن)

**وَیَخۡلُقُ** مضارع ہے اور مضارع میں خاصیت تجدّد و استمرار کی ہوتی ہے، یعنی یہ فعلِ تخلیق برابر جاری رہے گا اور اس خاصیت تجدّد استمراری کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ”اور اللہ تعالیٰ ایسی چیزیں بناتا رہتا ہے جن کی تمہیں خبر بھی نہیں۔“ پس اس آیت **یَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ** میں قیامت تک کی تمام نئی نئی ایجادات داخل ہیں۔ دہریوں کی عقل ماری گئی ہے جو سائنس کی نئی نئی تحقیقات سے متأثر ہو کر اپنے پیدا کرنے والے ہی کو بھول گئے۔

## سائنس کی حقیقت

سائنس تو خود مخلوق ہے۔ سائنس کی حقیقت کیا ہے؟ سائنس میں اگر کچھ دم ہے تو ایک مکھی یا مچھر کا پَر بنادے، جس کا ظاہر اور باطن مکھی یا مچھر کے پَر سے سَرِ مُو فرق نہ رکھتا ہو، یا کسی درخت کی ایک پتّی ہی بنادے، جس کے اندر بالکل اسی

[۱۳] النحل ۷-۸

درخت کی پتّی کے خواص پیدا ہو جائیں۔ سائنس کا کوئی دعویٰ ہو تو پیش کرو۔ سائنس کو تو بلاوجہ لوگ بدنام کرتے ہیں۔ سائنس بے چاری تو گونگی، بہری، اندھی ہے، مگر اس کے وکلا یعنی اہلِ سائنس اس کی طرف سے بول رہے ہیں، مدعی سست گواہ چست کا معاملہ ہے۔ اچھا ہم سائنس کے وکلا ہی سے خطاب کرتے ہیں کہ یہی لوگ اس کی طرف سے مکّھی کا ایک پَر بنالائیں یا کسی درخت کی ایک پتّی بنالائیں مگر ظاہری اور باطنی خواص میں سَر مُو فرق نہ ہو۔

لوہا، تانبا، آگ، پانی، ہوا۔ جن اجزا سے سائنس والے کام لیتے ہیں کیا ان اجزا کو سائنس دانوں نے پیدا کیا ہے؟ اور جس عقل اور فہم سے اشیاء کے خواص کی تحقیقات کرتے ہیں وہ عقل اور فہم ان کی ذاتی ملکیت ہے یا وہ کسی کی عطا ہے؟ یہ بَرّی جہازوں کو جس کرۂ ہوا پر لے کر اڑتے ہیں اس کرۂ ہوا کو کس نے پیدا کیا ہے؟ بحری جہازوں سے جس سمندر پر مسافت قطع کرتے ہیں وہ سمندر کس ذاتِ پاک کا پیدا کیا ہوا ہے؟ اگر نعوذ باللہ! سائنس خالق ہے تو خالق کا اپنی مخلوق کے ظاہر اور باطن سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے، پھر کیا بات ہے کہ رات دن اشیاء کے خواص کی تحقیقات میں مصروف ہیں۔ یہ نت نئی تحقیقات خود بے خبری کی دلیل ہے۔ پھر ان کی تحقیقات میں اکثر غلطیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ آج سے چند دن پہلے جس تحقیق کا اعلان کرتے ہیں چند دن بعد اُسی تحقیق کے خلاف اعلان کرتے ہیں اور اوّل تحقیق سے رجوع کرکے اپنی جہالت کا اقرار کرتے ہیں اور خالق کی شان کیا ہوتی ہے، ارشاد فرماتے ہیں اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ[۱۴] بھلا وہ ہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے، وہ باریک بین پورا باخبر ہے۔ خالقِ حقیقی کے کلمات کبھی تبدیل نہیں ہوتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا[۱۵] اور آپ خدا کے دستور میں ردّوبدل نہ پائیں گے۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جب اہلِ سائنس اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو ان کے تمام وہ

---

۱۴؎ الملك:۱۴

۱۵؎ الاحزاب:۶۲

افکار اور ان کے وہ ہاتھ اور ان کی تمام ظاہری اور باطنی قوتیں بھی مخلوق ہیں جن کے ذریعے یہ نت نئی مصنوعات تیار کرتے رہتے ہیں، نیز جن اجزا کی ترتیب اور ترکیب سے نئی نئی چیزیں بنتی ہیں یہ اجزا بھی مخلوق ہیں اور اسی مجموعۂ مخلوقات کا نام سائنس رکھا ہے۔ تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ چند عاجز اور محتاج مخلوقات کا مجموعہ سائنس کے نام سے خدا بن بیٹھے اور اس خدا کے ماننے والے بندے بھی نکل آئیں، یہ تو ایسا ہی ہوا کہ ایک اندھے نے خدائی کا دعویٰ کیا تو اس کے بھی ساٹھ عدد ماننے والے بندے نکل آئے۔ کسی نے ایک دن پوچھا کہ اگر آپ خدا ہیں تو آپ کی آنکھیں کیوں درست نہیں ہیں؟ تو اس اندھے نے جواب دیا کہ بندوں کی آزمایش کے لیے یہ آنکھیں عیب دار ہیں، تاکہ بندوں کے اخلاص کا پتا چل جائے کہ کون اس عیب کے باوجود مجھ پر ایمان لاتا ہے اور کون اس عیب سے کفر اختیار کرتا ہے۔ سائنس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ چند اجزا کی ترتیب اور ترکیب سے کوئی نئی صنعت بنالی جائے، لیکن یہ اجزا اور ان اجزا میں خواص کہاں سے آئے ہیں؟ حضرت عارف رومی فرماتے ہیں؂

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند
بامن و تومردہ با حق زندہ اند

مولانا فرماتے ہیں: جن عناصر سے تم کام لیتے ہو یہ مٹی، ہوا، پانی، آگ سب خداوند تعالیٰ کی مخلوقات ہیں اور ان کا تعلق اپنے خالق سے تعبّدی ہے، یعنی شانِ غلامی کا ہے۔ ہماری نگاہ میں اگرچہ یہ بے جان اور بے حس نظر آتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ ان کی اطاعت کا تعلق زندوں ہی جیسا ہے۔

گر تو خواہی آتش آبِ خوش شود
ورنخواہی آب ہم آتش شود
گر تو خواہی عینِ غم شادی شود
عینِ بندِ پائے آزادی شود

(عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ ایسے صاحبِ قدرت ہیں کہ اپنی قدرتِ قاہرہ سے اگر چاہیں تو آگ کو پانی کردیں اور اگر چاہیں تو پانی آگ ہو جائے (جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نمرود کی آگ کو آپ نے اپنے حکم قہری تکوینی سے گلزار فرمادیا اور فرعونیوں کے لیے دریائے نیل کو دریائے خون کردیا) چناں چہ دوستوں کے لیے دریائے نیل میں بارہ راستے خشکی کے پیدا فرمادیے، بس حکم ہوگیا کہ اے پانی! تو پتھر ہو کر خشک راستہ بن جا، بس بن گیا، پھر جب فرعون مع اپنے لشکر کے ان راستوں میں داخل ہوا کہ پار ہو کر موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کا تعاقب کروں، تو حکم ہوگیا اے پتھر! اب پھر پانی ہو جا، بس وہ سب غرقِ آب ہوگئے۔ اسی کا نام قدرتِ قاہرہ ہے۔ قہر کا ترجمہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے غلبۂ قدرت سے کیا ہے اور آپ کے اس نوع کے تصرّفات تو محسوساتِ خارجیہ میں ہوتے ہی رہتے ہیں اس کے علاوہ ہماری باطنی کیفیات مثل غم و خوشی وغیرہ جو محسوساتِ باطنیہ سے ہیں، وہ ہر لحظہ آپ کے تصرّفاتِ تکوینیہّ کے تابع ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو اپنی قدرتِ کاملہ سے ہمارے عینِ غم کو خوشی سے تبدیل فرمادیں اور جس خلافِ طبع امر کو ہم اپنے لیے اپنے پیر کی بیڑی سمجھتے ہیں وہی عین آزادی ہو جائے۔

وَ یَفۡعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ[۱۶] اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ[۱۷] اور حکم کردیتا ہے اس بات کا جس کا ارادہ کرتا ہے۔

اللہ والے اسباب کے پردے میں مسبب الاسباب کو پہچان لیتے ہیں، کیوں کہ ان کے پاس نورِ معرفت سے نورانی بصیرت ہوتی ہے، جس کو باطنی نگاہ کہتے ہیں اور دوسرے اہلِ بصارت تو ہوتے ہیں مگر بصیرت سے محروم ہوتے ہیں۔ چناں چہ کافروں کے متعلق حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

۱۶؎ ابرٰھیم: ۲۷

۱۷؎ المآئدۃ: ۱

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ[۱۸]

بات یہ ہے کہ ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں، بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔

## بصیرتِ قلب کا ثبوت

دل کو اندھا فرمانا ثبوت ہے دل کی بینائی پر۔ کافروں کے دل اندھے ہوتے ہیں، مؤمنین کاملین کے دل بینا ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے صوفیائے عارفین کو ''دُور بینانِ بارگاہِ الست'' کہتے ہیں۔ جن کے پاس صرف ظاہری آنکھیں ہیں وہ اشیاء کے باطنی حقائق سے بے خبر ہیں۔

## ظاہری حیاتِ دنیا اور اس کی حقیقت

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝[۱۹]

حق تعالیٰ کافروں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ:

یہ لوگ صرف دنیوی زندگانی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے غافل ہیں۔

دنیا فانی کے چند روزہ نقش و نگار پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ موت اور بعد الموت کا کبھی خیال بھی نہیں گزرتا۔ دنیا کی حقیقت کو ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب بیان فرمایا ہے۔

ایک بار خواجہ صاحب کا اور ہمارا لکھنؤ میں ساتھ ہوا، شہر کے اندر وائسرائے کی آمد تھی، استقبال کے لیے راستے کاغذی پھولوں سے خوب سجائے گئے تھے۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس خوشنمائی اور سجاوٹ کو دیکھ کر مجھ سے فرمایا کہ دنیا کے اس عارضی اور فانی نقش و نگار پر اس وقت ایک شعر وارد ہوا ہے ؎

---

[۱۸] الحج:۴۶

[۱۹] الروم:۷

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

## چشمِ ظاہر بیں اور عقل کا فرقِ ادراک

بعض وقت نجاستوں پر سبزہ لہلہاتا ہوا دیکھ کر چشمِ ظاہر بیں دھوکا کھا جاتی ہے۔ اسی طرح جب سیاہ نمدے پر کوئی چیونٹی دانۂ گندم لیے ہوئے چلتی ہے تو ظاہر بیں اس دانے کو متحرک سمجھ کر اصل محرک سے بے خبر ہوتا ہے اور عاقل آدمی ظاہری آنکھ کے فیصلے پر اپنی عقل سے تبصرہ کرتا ہے اور دانے کے چیونٹی کے منہ میں ہونے اور دانے کی حرکت سے چیونٹی کی حرکت کا علم حاصل کرلیتا ہے۔ اسی طرح انسان کو انسان کی روح ادھر سے اُدھر لیے ہوئے چلتی پھرتی ہے اور روح جسم سے کس قدر قریب ہے، لیکن جسم کی حرکت تو ظاہر ہے اور روح باوجود اس درجے قرب کے ظاہری آنکھوں سے مخفی ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں
لیک از جنبیدنِ تن جاں بداں

مولانا فرماتے ہیں کہ جسم کی حرکت روح کے سبب سے ہے اور روح کو تم دیکھتے نہیں ہو، لیکن جسم کی حرکت سے جان کے وجود کو پہچان لیا کرو۔

چہرہ آنکھوں سے کس قدر قریب ہے، لیکن انسان اپنا چہرہ دیکھنے کے لیے آئینے کا محتاج ہے۔ اسی کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُ مِرْاٰۃُ الْمُسْلِمِ[۲۰]

ایک مسلمان کامل دوسرے مسلم ناقص کے امراض اور عیوب کا آئینہ ہے۔

یہی مسلمِ کامل اس کا مصلح ہے، اپنا عیب مسلمِ ناقص کو خود نظر نہیں آسکتا ہے، اسی سبب

[۲۰] سنن ابی داؤد:۲/۳۱۶، باب فی النصیحۃ، ایچ ایم سعید

سے ضرورت ہے آئینے کی، یعنی مصلحِ کامل سے تعلق کی اور اس کی صحبت کے بدون اپنے امراض کا پتا نہیں چلتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ رُوح کے علاوہ اور بھی ایسے نظائر موجود ہیں جن کے وجود کو بدون دیکھے ہوئے محض ان کے آثار و نشانات سے تسلیم کرتے ہو اور بے چون وچرا تسلیم کرتے ہو۔

## ایمان بالغیب کے نظائر اور نمونے

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ایمان بالغیب کے لیے دنیا میں بہت سے نمونے پیدا فرمادیے ہیں تاکہ اہلِ عقل اور اہلِ نظر اُن سے عبرت حاصل کریں۔ ان نظائر کو مولانا بیان فرماتے ہیں ؎

خاک را بینی بہ بالا اے علیل
باد را نے جز بہ تعریف و دلیل
تیر پیدا بین و ناپیدا کمان
جانہا پیدا و پنہاں جانِ جان
دست پنہاں و قلم بیں خط گذار
اسپ در جولان و ناپیدا سوار

یعنی تم خاک کو ہوا میں اڑتی ہوئی دیکھتے ہو لیکن جو ہوا اس خاک کو فضا میں اڑانے والی ہے اور خاک کو اس کے طبعی مرکز سے جدا کرنے والی ہے اس کو بدون دیکھے ہوئے اس کے وجود پر عقلی دلیل سے یقین کرتے ہو، وہ عقلی دلیل کیا ہے ؎

پس یقین در عقلِ ہر دانندہ است
ایں کہ باجنبیدہ جنبانندہ است

وہ عقلی دلیل یہ ہے کہ ہر عاقل یقیناً اس بات کا جاننے والا ہے کہ ہر حرکت کرنے والی چیز کا کوئی متحرک درِپردہ ضرور ہے جو اس کو حرکت میں لاتا ہے، پس خاک کے کرّے کا

ارض سے جدا ہو کر فضاء میں حرکت کرنا یقیناً اس امر پر دلیل ہے کہ درپردہ کوئی اس متحرک (حرکت کرنے والی شے) کا محرِّک (حرکت میں لانے والی شے) ہے، جس کو ہم بدوں دیکھے ہوئے ہوا کہتے ہیں۔

پھر مولانا تیسری نظیر بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح جسم کی حرکت روح کے سبب سے اور خاک کی حرکت ہوا کے سبب سے بیان کی گئی اور ان دونوں نظیروں میں تم حرکتِ جسم اور حرکتِ گرد و غبار سے وجودِ روح اور وجودِ ہوا پر بدون دیکھے ہوئے یقین لاتے ہو، اب بالغیب کی تیسری نظیر سنو! تم اپنی آنکھوں سے تیر اڑتا ہوا دیکھتے ہو اور کمان نظر سے غائب ہے، لیکن تیر کا پرّاں ہونا کمان کے وجود پر دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ ؎

تیر پرّاں از کہ گردد از کماں

تیر تو کمان ہی کے ذریعے چلایا جاتا ہے۔ اسی طرح ہماری ارواح کا وجودِ ظاہر رُوح الارواح کے وجودِ مخفی پر دلالت کرتا ہے۔ اب چوتھی نظیر ایمان بالغیب کی مولانا بیان فرماتے ہیں کہ ہاتھ پوشیدہ ہوتا ہے اور قلم کی حرکت سامنے ہوتی ہے، مگر عاقل جانتا ہے کہ قلم اگر کسی زندہ کے ہاتھ میں نہ ہو تو حرکت سے مجبور ہے، پس قلم کی حرکت سے ہاتھ کا وجود بدون دیکھے تسلیم کرلیتا ہے۔ اسی طرح مولانا پانچویں نظیر بیان فرماتے ہیں کہ میدان میں جب گھوڑا تیز دواں ہوتا ہے تو تیز رفتاری کے سبب گرد و غبار میں سوار مخفی ہو جاتا ہے، لیکن گھوڑا دوڑتا ہوا دیکھ کر بدون دیکھے یقین کرلیتے ہیں کہ اس گھوڑے پر کوئی سوار ضرور ہے۔ چھٹی نظیر یہ ہے کہ تم پھول کی خوشبو سونگھ کر بدون دیکھے ہوئے پھول کے وجود پر اس کی خوشبو سے دلیل قائم کرتے ہو۔ ساتویں نظیر یہ ہے کہ شراب کے جوش اور اس کے نشے سے شراب کو بدون دیکھے ہوئے مان لیتے ہو۔ چناں چہ مولانا فرماتے ہیں ؎

بوئے گل دیدی کہ آنجا گل نبود

جوشِ مُل دیدی کہ آنجا مُل نبود

اے مخاطب! کیا تو نے پھول کی خوشبو ایسی جگہ محسوس کی جہاں پھول موجود نہ ہو یا شراب کا جوش ایسی جگہ دیکھا جہاں شراب موجود نہ ہو۔ پھر مولانا بطورِ نصیحت کے بیان فرماتے ہیں ؎

صورتِ دیوار و سقف ہر مکان
سایۂ اندیشۂ معمار دان

یعنی ہر دیوار کی صورت اور مکان کی چھت دیکھ کر اس کو اس کے معمار کی فکر کا نتیجہ سمجھنا چاہیے، یعنی اوّلاً معمار مکان کا ایک نقشہ اپنے ذہن میں متعیّن کرلیتا ہے، جو نظر سے غائب ہے، پھر اسی نقشۂ ذہنیہ کے مطابق مکان کی تعمیر وجودِ خارجی میں آتی ہے اور اس ظاہری تعمیر سے معمار کی استعدادِ باطنی اور تشکیلِ ذہنی پر استدلال کرتے ہیں۔ اسی طرح دنیا میں اور بھی نظائر ومثالیں موجود ہیں کہ سبب نظر سے مخفی ہوتا ہے اور مسبّب کو دیکھ کر اس کے مخفی سبب کا یقین کرتے ہیں، مثلاً گریہ وزاری یا چہرے کی افسردگی کسی مخفی خیالِ غم کے تابع ہوتی ہے اور چہرے کی بشاشت وتازگی کسی باطنی مسرت کی مخبری کرتی ہے۔ اسی طرح یہ غذائیں جو باعتبارِ وجود کے ظاہر ہیں انسان کے اندر بینائی شنوائی وغیرہ پیدا کرتی ہیں، جن کو ہم دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اس قدر نظائر کے بعد اب سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں بہت سے مغیبات یعنی مخفی موجودات کو ہم بدون دیکھے ہوئے محض ان کے آثار اور ان کی نشانیوں سے تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سب ایمان بالغیب کے نمونے ہیں۔ پس وہ ذاتِ پاک کہ جس کے وجودِ پاک پر تمام عالم کا ہر ایک ذرّہ، ایک ایک پتّا نشان دہی کرتا ہو، جس کی نشانیوں کو ہم شمار تک نہیں کرسکتے ہیں، ایسی ذاتِ پاک پر ایمان نہ لانا ان بے شمار نشانیوں کے ہوتے ہوئے سخت نادانی اور کھلی گمراہی ہے۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے کافروں کو اکثر جگہ لَا یَعۡقِلُوۡنَ فرمایا ہے اور لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ[۲۱] فرمایا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

---

۲۱؎ یٰسٓ:۲۴

گر تو او را می نہ بینی در نظر
فہم کن اما باظہار اثر

اگر تم ان ظاہری آنکھوں سے اللہ کو نہیں دیکھتے ہو تو اللہ کو اللہ کی ان تمام نشانیوں سے پہچان لو جو تمام زمین اور آسمان میں پھیلی پڑی ہیں۔

آفتاب کے لیے کیا دلیل ہے۔

خود نبا شد آفتابے را دلیل
جز کہ نورِ آفتابِ مستطیل

آفتاب نکلا ہوا ہو اور کوئی نادان دلیل طلب کرے تو بجز اس کے کوئی دلیل نہ ہو گی کہ اس کا کان پکڑ کر دکھا دیا جاوے کہ تمام عالم کو کس نے روشن کر رکھا ہے؟

## امتناعِ رؤیت فی الدنیا پر ممکنات سے استدلال

جب ممکنات میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن کو ہم دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں، مثلاً روح اور ہوا اور خوشبو وغیرہ وغیرہ اور ان ادنیٰ مخلوقات پر ایمان بالغیب میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، پھر اللہ جو ان تمام مخلوقات کا خالق ہے اس کی ذاتِ پاک پر ایمان بالغیب کے لیے عقل کہاں چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کے اتنے نمونے پیدا فرما کر بندوں پر حجّت قائم فرمادی ہے۔ روح کی لطافت کے سبب جب ہم روح کو دیکھنے سے عاجز ہیں تو جو ذات روح کی خالق ہے اس کو ہم اس عالمِ ناسوت میں کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ کیا اللہ کے لطائف نعوذ باللہ! رُوح جیسی مخلوق شے سے بھی کم ہے؟ نیز اسی طرح ہم سورج کو بھی نصف النہار کے وقت دیکھنے کی قدرت اپنی آنکھوں میں نہیں پاتے ہیں حالاں کہ سورج ایک ادنیٰ مخلوق ہے۔ پھر حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک جو نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [۲۲] ہے، اس کو ہم اس عالم میں کیوں کر دیکھ سکتے ہیں۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السّلام تجلّیٔ طور سے بے ہوش ہو کر گر پڑے اور طور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

---

۲۲؎ النور:۳۵

## وقوعِ رؤیتِ باری تعالیٰ فی الآخرۃ

البتہ اس عالمِ فانی میں ہماری آنکھیں ایمان بالغیب اور اعمالِ صالحہ کے انوار سے بنائی جارہی ہیں اور یہ آنکھیں آخرت میں کھول دی جائیں گی۔ ان کے اندر وہاں مشاہدۂ تجلیاتِ الٰہیہ کی صلاحیت پیدا فرمادی جائے گی۔

## حکمت امتناعِ رؤیت فی الدنیا

اور اس عالم میں اپنے کو حق تعالیٰ دکھادیں تو سارا عالم فنا ہو جاوے۔ ان ماڈیات میں ان کی تجلیات کا تحمل نہیں ہے۔ ملائکہ حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں، لیکن حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر فرشتہ نبی بنا کر بھیج دیا جاتا تو تمہارا کام ہی تمام ہو جاتا لَقُضِیَ الۡاَمۡرُ[۲۳] دیکھتے ہی رُوح فنا ہو جاتی۔ تو جس ذاتِ پاک کی مخلوقات میں یہ کرشمہ ہو تو ؎

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

اسی کو حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

زانکہ نامحدود ناید در حدود
بحرِ مطلق چوں در آید در قیود

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک غیر محدود ہے اور یہ عالَمِ ناسوت اور اس کی تمام مخلوقاتِ ممکنہ سب محدود ہیں، پس حق تعالیٰ شانہٗ حدود میں نہیں آسکتے ہیں۔ بحرِ ناپیدا کنار ظرفِ محدود میں مقیّد نہیں ہو سکتا ہے۔

## تفکر فی اللہ سے ممانعت اور تفکر فی المخلوقات کا حکم

اسی سبب سے سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک میں

---

۲۳؎ الانعام:۸

غور و فکر سے منع فرمایا ہے (کیوں کہ عقلِ محدود میں غیر محدود ذات کا ادراک ناممکن اور محال ہے) اور فرمایا کہ تَفَکَّرُوْا فِیْ اٰلَاءِ اللّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے لیے تمام نشانیاں زمین میں موجود ہیں، ان ہی نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا چاہیے۔

کسی بدوی سے کسی نے دریافت کیا کہ تو خدا کو کیسے پہچانتا ہے؟ اس دیہاتی عرب نے جواب دیا کہ اَلْبَعْرَۃُ تَدُلُّ عَلَی الْبَعِیْرِ وَاٰثَارُ الْاَقْدَامِ عَلَی الْمَسِیْرِ فَسَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ وَّاَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ کَیْفَ لَاتَدُلُّ عَلَی اللَّطِیْفِ الْخَبِیْرِ جس طرح اونٹ کی مینگنیاں گواہی دیتی ہیں کہ اس راہ سے اونٹ گزرا ہے اور قدموں کے نشانات چلے ہوئے راستوں کا پتا بتاتے ہیں، پس آسمان برجوں والا اور زمین کشادہ راستوں والی اس ذاتِ پاک لطیف و خبیر کے وجودِ پاک پر کیوں کر دلالت نہ کریں گے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

ایک بدوی کا اور قصّہ یاد پڑا، جس وقت اس بدوی نے یہ آیت سُنی:

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾[۲۴]

’’تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ وہ روزِ جزا برحق ہے اور ایسا یقینی ہے جیسا تم باتیں کررہے ہو اور کبھی اس میں شک نہیں ہوتا اسی طرح اس کو یقینی سمجھو۔

پس اس آیت کو سنتے ہی اس بدوی نے چیخ ماری اور غلبۂ حال میں کہا: وہ کون ظالم تھا جس نے میرے ربّ سے ایسی قسم کھلائی!

## سورۂ فاتحہ سے استدلالِ وحدانیت

سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنی وحدانیت اور الوہیت کو بیان فرمانے

---

[۲۴] الذّٰریٰت: ۲۳

کے بعد اس دعوے کی دلیل میں ربّ العالمین فرمایا ہے۔ الحمد للہ میں اگرچہ خود اجمالی دلیل بھی موجود ہے، کیوں کہ اللہ کہتے ہی ہیں ایسی ذاتِ پاک کو جو جامع ہو تمام صفاتِ کمالیہ کو لیکن چوں کہ بندوں میں مختلف درجات والے عقل کے افراد ہوتے ہیں اس لیے اجمالی دلیل کے باوجود ایک تفصیلی دلیل بھی بیان فرمائی جو بندوں کے ہر وقت مشاہدات میں ہے اور کوئی سلیم العقل اور سلیم الفطرت انسان کھلی آنکھوں مشاہدات کا انکار نہیں کر سکتا ہے، وہ دلیل ربّ العالمین ہے۔

## معرفتِ الٰہیہ کا ربوبیّتِ الٰہیہ سے تعلق

ربّ العالمین میں حق تعالیٰ نے اپنی پہچان کی اتنی نشانیاں رکھ دی ہیں جس کا احاطہ انسان کے علمی احاطے سے باہر ہے، کیوں کہ تمام عالم کے ہر ایک ذرّے میں ایک ایک پتّی اور اس کے باریک سے باریک رگ وریشے میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیّتِ الٰہیہ کارفرما ہے۔ کائناتِ عالم کا ہر ذرّہ ربوبیّتِ الٰہیہ کا مرہون ہے۔ زمین اور آسمان میں ربوبیّتِ الٰہیہ کے کارخانے پھیلے ہوئے ہیں۔

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ
تَدُلُّ عَلٰی أَنَّهٗ وَاحِدٌ

ترجمہ: ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی نشانی موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔

## تربیت کی تعریف

رَبٌّ مصدر ہے، جو معنیٰ میں اسم فاعل کے ہے، یعنی تربیت کرنے والا۔ تربیت کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے درجۂ نقصان سے تدریجاً اس کے درجۂ کمال پر پہنچادینا۔ مثلاً ایک قطرۂ منی میں تدریجاً تربیت کرکے اس کو انسانی قدو قامت کے درجۂ کمال تک پہنچادینا۔ یابقدرِ ذرّہ بیج میں تربیت کرکے تدریجاً اس کو اس کے پورے درخت

کی قد و قامت پر پہنچا دینا۔ عالم کے ہر ذرّے کا کسی ذرّے سے اتصال یا انفصال حق تعالیٰ ہی کی تربیت کے تحت ہوتا ہے۔

## عالَم کی تعریف

عَالَم عَلَمٌ سے مشتق ہے، عَلَمٌ کے معنیٰ نشان کے ہیں چوں کہ ہر ذرّۂ عالم اپنے پروردگار کے وجود کی نشاندہی کرتا ہے، اس لیے ہر ماسوا اللہ کو عَالَمٌ کہتے ہیں۔ اور ربّ العالمین میں عالمین کا لفظ عالَم کی جمع ہے، مخلوقات کی الگ الگ جنس ایک ایک عالَم کہلاتی ہے۔ مثلاً عالمِ ملائکہ، عالمِ انسان، عالمِ جن وغیرہ۔

## ماں باپ کی تربیت کا ربوبیّتِ الٰہیہ سے تعلق

ماں باپ کی تربیت جو اولاد سے متعلق ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تربیت کا پَرتَو ہے۔ ماں باپ اولاد کے ساتھ شفقت اور محبت کو کہاں سے لائے ہیں۔ حضرت عارف رومی فرماتے ہیں ؎

مادراں را مہر من آموختم
چوں بود شمعے کہ من افروختم

حق تعالیٰ کی طرف سے مولانا فرماتے ہیں کہ ماں کو اولاد کے ساتھ محبت کرنا میں نے ہی سکھایا ہے، کیسی شمع ہوگی جس کو میں نے روشن کیا ہو۔

ماں باپ جب مخلوق ہیں تو ان کی تمام کیفیاتِ محبت و شفقت وغیرہ بھی مخلوق ہیں، جو خالقِ حقیقی کی عطا سے ملی ہیں۔ حق تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو غیر جنس سے اولاد جیسی محبت عطا فرما دیتے ہیں۔ چناں چہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم مبارک سے جب کیڑے نکلنا چاہتے تو آپ محبت کی وجہ سے ان کو نہ نکلنے دیتے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

دادہ من ایوب را مہرِ پدر
بہر مہمانیٔ کرماں بے ضرر

میں نے ایوب علیہ السلام کو باپ کی سی محبت دی تھی، کیڑوں کی مہمانی کے لیے بدون ضرر پہنچانے کے۔

اولاد کی پرورش کی خدمت والدین کے سپرد فرما کر ان کے حقوق بھی مقرر فرما دیے۔ کیوں کہ ان کے ہاتھوں سے کام لیا گیا ہے۔ ماں کے شکم میں ایسی مہربانی کے ساتھ پرورش فرمائی ہے کہ ماں کو خواہ تکلیف ہو جاوے لیکن ہم کو تکلیف نہیں ہونے دی، فرماتے ہیں:

حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا وَّ وَضَعَتۡهُ كُرۡهًا[۲۵] ماں نو مہینے تک بچے کا بوجھ اٹھاتی پھرتی ہے، اس میں کیسی کیسی تکلیفیں جھیلتی ہے، پھر وضعِ حمل کے وقت کیسی تکلیف اٹھاتی ہے اور اس کی تکلیف کو بھی لذیذ فرما دیا اس امید سے کہ میرا بچہ ہے، کس کا بوجھ اٹھاتی ہوں؟ اپنے بچے کا، وضع حمل کی تکلیف کو یہ امید آسان کر دیتی ہے کہ ابھی تھوڑی دیر میں میرا بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک بن کر میری آنکھوں کے سامنے آجاوے گا۔ اور بچے کو اپنی ماں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، ماں کالی کلوٹی اور کیسے ہی گندے لباس میں ہو، لیکن بچے کو اپنی وہی پھوہڑ ماں ہی پیاری ہوتی ہے، دوسری عورت جو ماں سے بہت خوبصورت ہو اور عمدہ لباس میں ہو اگر بچے کو گود میں لینا چاہے تو بچہ منہ پھیر لیتا ہے، اپنی اُسی میلی کچیلی ماں سے اس کو سکون ملتا ہے۔ اسی طرح بچہ کیسا ہی ہو، کانا ہو، لنگڑا ہو، بہرا ہو، ہزار عیب ہوں، لیکن ماں کے دل سے اس بچے کی محبت پوچھو، کوئی اگر درخواست بھی کرے کہ میرے صحیح سالم تندرست بچے سے بچے کو بدل لے تو ماں ہرگز راضی نہ ہو گی۔ یہ سب عبرت کی باتیں ہیں۔

## تصرّفات بالوسائط کی حکمت

اسباب کے پردے ڈال دیتے ہیں تاکہ بندوں کے لیے یہ عالَم امتحان کا عالم رہے۔ اگر اسباب ہٹا دیے جائیں اور حق تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست تصرفات مشاہد

[۲۵] الاحقاف: ۱۵

ہو جائیں تو پھر ایمان بالغیب کہاں رہا؟ اور حق تعالیٰ اپنے بندوں سے ایمان بالغیب چاہتے ہیں۔

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ می باید مرا
تا بہ بستم روزنِ فانی سرا

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت فرماتے ہیں کہ اے بندگانِ جن اور اِنس! میں تم سے ایمان بالغیب چاہتا ہوں اس لیے اس عالَمِ فانی میں کوئی روزن میں نے نہیں رکھا جس سے مجھے دیکھ سکو۔

مگر ان اسباب کے پردے میں میری ربوبیت کار فرما ہے۔یعنی یہ اسباب میری مشیت اور حکم کے تابع ہیں۔ جب میں چاہتا ہوں ان اسباب سے کام لے لیتا ہوں یعنی ان میں اثر پیدا کر دیتا ہوں اور جب چاہتا ہوں ان اسباب کو بے اثر کر دیتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی اسباب کے باوجود تم نامراد اور مقصود سے محروم رہتے ہو۔

## تخلف فی الاسباب کی حکمت

اس تخلفِ اسباب کی صاف نظیریں ہر وقت تمہارے مشاہدات میں ہیں، مثلاً ایک آدمی اولاد کے لیے شادی کرتا ہے، شوہر اور بیوی کے تعلقات کے باوجود اولاد سے محروم رہتا ہے۔ اسی طرح دو شخص سامانِ تجارت لے کر دوکان کھولتے ہیں، ایک اسی سرمائے سے ترقی کرتے کرتے مال داروں میں شمار ہونے لگتا ہے،دوسرا اصل سرمایہ بھی کھاپی کر تہی دست پھرتا ہے۔

دو آدمیوں نے ایک ہی قسم کی کھیتی کی اور تمام اسبابِ زراعت کا کاوش کے ساتھ پورا پورا انتظام کیا، لیکن ایک شخص غلّے سے مالا مال ہو جاتا ہے اور دوسرا باوجود اسباب کے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی طرح گاہ گاہ حق تعالیٰ ان اسبابِ عادیہ کے خلاف اپنی قدرت کا ظہور فرمادیتے ہیں، تاکہ اسباب سے تکیہ اور اعتماد اٹھ جائے۔ اسباب اور تدابیر کو میں بھیک کے پیالے سے تشبیہ دیا کرتا ہوں اور وہ پیالہ بھی ٹوٹا ہوا، ان کا حکم

سمجھ کر تدابیر اختیار کرتے ہیں بھیک ملے گی کس میں۔ عادت اللہ یہی ہے کہ بندے جب اپنی طرف سے تدبیر اختیار کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ اُن تدابیر کو مقصود تک پہنچادیتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرکے رہتا ہے۔ جو متقین بندے ہیں ان کو بدون تدابیر کے ایسی جگہ سے روزی عطا فرمادیتے ہیں جہاں اُن کا گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ ؕ[۲۶]

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر توکّل کرے گا تو اللہ اس کے لیے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرکے رہتا ہے۔

## ایک حکایت

”تفسیرِ کبیر“ میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا[۲۷] کی تفسیر میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے قلب میں یہ خیال گزرا کہ تمام روئے زمین کے جانداروں کو حق تعالیٰ شانہٗ کس طرح روزی پہنچاتے ہوں گے؟ یہ خیال گزرنا تھا کہ وحی نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ اس پتھر کو توڑو، جب ایک پرت توڑ چکے تو حکم ہوا پھر توڑو، اسی طرح پتھر کے متعدد پرت توڑنے کے بعد دیکھتے ہیں کہ ایک کیڑا ہے جس کے منہ میں دوسرا کیڑا اس کی خوراک بنا ہوا ہے۔[۲۸] وہ ربّ العالمین ہیں، سارے عالم کے پروردگار ہیں۔ ماں باپ کی آغوشِ تربیت میں دینے سے پہلے نو مہینے تک اپنی خاص تربیت میں رکھا تھا، نو ماہ تک ماں

---

۲۶؎ الطلاق:۲،۳

۲۷؎ ھود:۶

۲۸؎ روح المعانی:۲/۱۲، ھود(۶)، دار احیاء التراث، بیروت

کو بھی خبر نہیں تھی کہ میرے اندر کیا ہورہا ہے، اس قطرۂ منی میں کیا کیا عجیب تصرفاتِ الٰہیہ ہورہے ہیں، آنکھیں کب بن رہی ہیں اور اس میں بینائی کا خزانہ کب رکھا جارہا ہے، کان کس وقت بنے اور اس میں شنوائی کا خزانہ کس وقت رکھا گیا، ہڈیاں کب بنیں اور کب ان پر گوشت چڑھایا گیا۔ ماں کو جس کے اندر یہ سب کرشمے ہورہے ہیں کچھ علم نہیں ہے کہ اس بچے کی کس طرح تربیت حق تعالیٰ فرمارہے ہیں۔ اور نہ ماں باپ کو یہ خبر ہے کہ شکم میں بچہ ہے یا بچی ہے۔ یہ حجّت قائم فرمادی کہ دیکھ لو۔

## تربیت بدونِ واسطہ

بدون واسطۂ اسباب تم اتنے دن تک میری تربیت میں رہے ہو اور یہ تمام اعضا اور ان کے اندر ظاہری وباطنی قوتیں یعنی یہ جسد مع روح کے تم عطائے حق سے لے کر تب ماں باپ کی گود میں سپرد کیے گئے ہو۔ اب اسباب کے حجاب ہونے کا عذر نہیں کرسکتے ہو، بلکہ یہ اسباب بھی ہماری طرف سے عطایا ہیں اور کبھی ہم بدون ان اسباب کے بعض بندوں کی تربیت کرتے ہیں تاکہ بے حجاب میرے الطاف واکرام کو دیکھ لیں۔

## نمرود کی تربیت کا واقعہ

"مثنوی شریف" میں ایک حکایت حق تعالیٰ شانہٗ کے تصرّفاتِ عجیبہ سے متعلق لکھی ہے کہ ایک بار حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ کس شخص کی روح قبض کرنے میں تمہارا دل زیادہ مغموم ہوا؟ عرض کیا کہ ایک بار ایک کشتی تیز رو دریا میں چل رہی تھی کہ آپ کا حکم ہوا کہ اس کشتی کو توڑ دو، میں نے حکم کے مطابق توڑ دی، یہاں تک کہ کشتی ریزہ ریزہ ہوگئی، پھر حکم ہوا کہ سب کی جان قبض کرلے۔ بجز ایک عورت اور اس کے بچے کے، پھر حکم کے مطابق میں نے سب کی جان قبض کرلی بجز ایک عورت اور اس کے بچے کے، پھر یہ دونوں ایک تختے پر رہ گئے اور ہوا نے اس تختے کو جب دریا کے کنارے ڈال دیا تو میں بہت خوش ہوا کہ اب ان دونوں

کی خلاصی ہو گئی، پھر آپ نے حکم فرمایا کہ ماں کی جان قبض کر لے اور بچے کو تنہا چھوڑ دے، اس حکم کے مطابق جس وقت میں نے بچے کو ماں سے جُدا کیا ہے خود آپ جانتے ہیں کہ مجھ کو کس قدر صدمہ ہوا۔ اس بچے کا غم اب تک میرے خیال میں قائم ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اب تم اس بچے کا حال سنو کہ میں نے کس طرح اس کی تربیت فرمائی۔ میں نے موج کو حکم دیا کہ اس بچے کو ایک ایسے جنگل میں ڈال دے جو نہایت سرسبز و شاداب ہو اور اس میں میوے دار درخت اور آبِ شیریں کے چشمے ہوں، میں نے اس بچے کے لیے ہوا کو حکم دیا کہ اس پر آہستہ چل اور خورشید کو حکم دیا کہ اس پر سے مت گزر۔ اَبر کو حکم دیا کہ اس پر بارش مت برسا۔ برق کو حکم دیا کہ اس کی طرف میل مت کرنا۔ موسمِ خزاں کو حکم دیا کہ اس چمن سے اعتدال مت سلب کرنا۔ ایک چیتے نے نیا بچہ جنا تھا، میں نے اس کو حکم دیا کہ اس بچے کو دودھ پلادیا کر، میرے حکم سے اس نے اس بچے کو دودھ پلایا، یہاں تک کہ یہ بچہ بالغ ہو گیا اور خوب فربہ اور شیر مرد ہو گیا۔ پھر جب اس کے دودھ چھڑانے کا وقت ہوا تو میں نے جنات کو حکم دیا کہ اس بچے کو بولنا اور حکومت کرنا سکھاؤ۔ غرض اس بچے کی میں نے صدہا عنایت اور صدہا کرم کے ساتھ پرورش کی، تا کہ وہ میرا لطف بے واسطہ دیکھے اور اس کی ہر استعانت میری طرف سے ہو اور اسباب سے اس کی نظر اٹھ جاوے اور یہ میرے الطاف و کرم اس پر حجت بن جائیں اور گمراہ ہونے میں آیندہ کوئی عذر نہ کر سکے کہ میں اسباب پر نظر کرنے کے سبب آپ کے انعامات و آیات کی طرف متوجہ نہ ہو سکا اور کسی برے ساتھی سے اس کو شکایت نہ ہو کہ فلاں یارِ بد نے مجھے گمراہ کر دیا، کیوں کہ بلا اسبابِ عادیہ میری طرف سے براہِ راست اس پر صدہا الطاف و عنایات ہوئے ہیں، اب کسی عذر کی گنجایش نہ رہی۔ کیوں کہ اس نے اپنی بیتی ہوئی پرورش دیکھی ہے کہ میں نے بلاواسطہ اس کی صدہا ناز و نعمت سے تربیت کی ہے، مگر اے عزرائیل! اب ہماری ان صدہا نعمتوں کا اس بچے نے کیا شکر ادا کیا، یہ بھی سُن لو، وہی بچہ آیندہ نمرود ہو گیا اور میرے خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کو آگ میں ڈالنے والا ہو گیا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے معرفت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تھا، اس قصے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ اگر دوسروں کے لیے ماں باپ حجاب ہو گئے ہوں تو اس نے تو ہم سے براہِ راست میری عطایا اور میری ربوبیت کا مشاہدہ کیا تھا۔ واقعی نفسِ بد بڑا ناشکرا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ غریب اور فاقہ زدہ انسان کبھی خداوندیت کا دعویٰ نہیں کرتا ہے، کیوں کہ اس کے تکبّر کا مادۂ خبیثہ افلاس کی تکلیف سے دبا رہتا ہے۔

## افلاس کی حکمت

روٹی کا غم خدائی دعوے سے باز رکھتا ہے۔ ہمیشہ پُر شکم اور صاحبِ اسباب جاہ ومال ہی پر شیطان کا تصرّف زیادہ ہوا کرتا ہے، اس لیے فرماتے ہیں کہ ؎

آدمی خود مبتلا بہتر بود
زانکہ زار و عاجز و مضطر بود

پس آدمی بلائے فقر وغیرہ میں مبتلا اچھا رہتا ہے کیوں کہ وہ اس حالت میں زار و عاجز اور مضطر رہتا ہے اور عجز وزاری کے ہوتے ہوئے مفاسدِ لازمہ ومتعدیہ سب کم ہوتے ہیں، بخلاف اسبابِ طغیانی اور سرکشی کے کہ جب انسان کو مل جاتے ہیں تو نفس کا خُبث پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔

## نفس کی نگرانی

اسی لیے مولانا فرماتے ہیں کہ انسان کا نفس اگر تربیت یافتہ بھی ہو جائے تب بھی اس کے شر سے غافل نہ ہو ؎

گر معلم گشت ایں سگ ہم سگ است
باش ذلّت نفسہ کو بد رگ است

فرماتے ہیں کہ یہ سگ یعنی نفس اگر تعلیم یافتہ بھی ہو جاوے تب بھی یہ سگ ہی ہے۔

پس اس شخص کی طرح نفس کو رکھو جس کا نفس ذلیل ہے کیوں کہ نفس بدرگ ہے۔

زیں سبب می گویم اے بندہ فقیر
سلسلہ از گردنِ سگ واگیر

فرماتے ہیں کہ میں اسی سبب سے کہتا ہوں اے بندۂ فقیر! زنجیر کتّے سے یعنی نفس کی گردن سے مت نکال، یعنی ہمیشہ نفس کی نگہداشت رکھنا چاہیے۔ ہمارے خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو اس شعر میں فرمایا ہے۔

نفس کا اژدھا دلا دیکھ ابھی مرا نہیں
غافل اِدھر ہوا نہیں اس نے اُدھر ڈسا نہیں

## صفتِ ربوبیّتِ الٰہیہ کا تمام اسمائے حسنیٰ سے ربط

ربّ العالمین حق تعالیٰ کی ایسی صفت ہے جو تمام صفات کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ ربوبیّت میں تمام اسمائے حسنیٰ کی توجہ شامل رہتی ہے، مثلاً ہر جاندار کو رزق پہنچانے میں صفتِ رزاقیت کا ظہور ہے اور تمام زندوں کی حیات میں صفتِ حیّ کا ظہور ہے اور تمام مخلوقات کی حفاظت میں صفتِ حفیظ کا ظہور ہے۔ اپنے بندوں کے عیوب پر پردہ ڈالنے میں حق تعالیٰ کی صفتِ ستاریت کا ظہور ہے۔ مجرمین اور سرکش قوم پر عذاب نازل فرمانے میں صفتِ ذوالانتقام اور قہاریت کا ظہور ہے اور باوجود قدرتِ کاملہ اور قدرتِ قاہرہ کے بندوں کی نافرمانیوں پر عذاب میں تاخیر کرنے میں حق تعالیٰ کی صفتِ حلم کا ظہور ہے۔ نیز کافروں کے کفر اور ان کی سرکشی کے باوجود ان پر رزق کی بارش میں صفتِ کرم کا ظہور ہے۔

الغرض شانِ ربوبیّت ایسی صفت ہے جو تمام اسمائے حسنیٰ کے فیوض کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ پس پروردگارِ عالم نے اپنی وحدانیت کی دلیل میں الحمد للہ کے بعد رب العالمین فرما کر بتادیا کہ ہماری شانِ ربوبیّت ایسی صفت ہے جو ہماری الوہیت کی تفصیلی دلیل ہے۔ کیوں کہ تمام عالم کے ہر ایک ذرّے پر ہماری ربوبیّت کو تم اپنی

آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ چوں کہ ربوبیّتِ الٰہیہ کو معرفتِ الٰہیہ میں بڑا دخل ہے اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے الحمدللہ کے بعد اپنی پہچان کے لیے صفتِ ربّ العالمین کو بیان فرمایا ہے۔

ہمارے مرشد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

اور ارشاد فرمایا کہ شاعر عارف نہ تھا اس وجہ سے اس نے کہا تھا ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

اگر عارف ہوتا تو ہر پھول اور پھولوں کی ہر پتّی اس کو معرفتِ الٰہیہ کے لیے ایک دفتر معلوم ہوتی ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

چناں چہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کے مصرعہ ثانیہ میں یہ ترمیم فرماکر پڑھا کرتے تھے ؎

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

ہر ایک ذرّہ بتا رہا ہے کہ میرا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ جس طرف نگاہ اٹھائیے تو اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں پر نظر پڑتی ہے۔ آسمان اور زمین اور ان کے اندر جتنی عجیب اور غریب مخلوقات ہیں یہ چاند، سورج، ستارے، دریا، پہاڑ، سمندر، ہر قسم کے درخت، ہر قسم کے پھل پھول، اور پھولوں کی ایک ایک پنکھڑی اور پنکھڑیوں کے باریک باریک رگ و ریشے سب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر گواہی دیتے ہیں۔ تمام عالم میں ان ہی کی حکومت ہے، اُن ہی کی تربیت ہے، جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے، غیر کون ہے، صاحب ’’مامقیمانؔ‘‘ فرماتے ہیں ؎

که بچشمانِ دل مبین جز دوست

هرچه بینی بدانکه مظهرِ اوست

جس طرف نگاہ کیجیے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ؎

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

صرف ہاتھ میاں کا نظر نہیں آتا ہے باقی تصرّفات سب ان ہی کے ہیں۔ اسی کو حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؎

شد جہاں آئینہ رخسارِ دوست

ہر دو عالم در حقیقت عکسِ اوست

ہر چیز میں عکسِ رخِ زیبا نظر آیا

عالم مجھے بس جلوہ ہی جلوہ نظر آیا

(خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

هیچ برگے بز نیفتد از درخت

بے قضا و حکمِ آں سلطانِ بخت

کوئی پتّہ درخت سے جُدا نہیں ہوتا جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اسے حکم نہ ہو۔

از دہاں لقمہ نشد سوئے گلو

تانگوید لقمہ راحق کَادْخُلُوْا

کوئی لقمہ حلق کی طرف دخول کے لیے مائل نہیں ہوتا ہے جب تک کہ حق کی طرف سے اُدْخُلُوْا کا حکم اس کو نہیں ہوتا ہے۔

در زمین و آسماں ہا ذرّۂ

بر نجنباند نہ گردد پرّۂ

زمین اور آسمان کا کوئی ذرّہ حکمِ الٰہی کے بغیر نہ تو اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے اور نہ اڑ سکتا ہے۔

## اسباب و تدابیر کا درجہ اور اُن کی صحیح حقیقت

میں تدابیر اور اسباب کو بھیک کے پیالے سے تشبیہ دیتا ہوں، یعنی تدابیر کا درجہ ایسا ہی ہے جیسے بِھک منگا اپنا ٹوٹا پھوٹا پیالہ لے کر بادشاہ کے دروازے پر حاضر ہو جائے، تو ظاہر ہے کہ بھیک ملے گی کس میں، پس تدابیر کو اختیار کرنا ایسا ہی ہے کہ بندہ بھیک کا پیالہ لے کر میاں کے دروازے پر بھیک مانگنے کے لیے حاضر ہو گیا۔ اب اس تدبیر کا پھل کون دے گا؟ جو اس تدبیر کا بھی مالک اور خالق ہے، وہی اس تدبیر میں اثر پیدا کرتا ہے اور وہی تدبیر کی آغوش میں مقصود کا پھل رکھ دیتا ہے۔

## تدابیر کے مؤثر بالذات نہ ہونے پر استدلال

یہی وجہ ہے کہ ایک ہی تدبیر دو شخص کسی مقصود کے لیے اختیار کرتے ہیں لیکن ایک کامیاب ہو جاتا ہے دوسرا ناکام رہتا ہے۔ اگر یہ تدابیر فی نفسہٖ اپنی ذات میں اثر رکھتیں تو دونوں کو کامیاب اور فائز المرام ہونا چاہیے تھا، مگر مشاہدات روز مرّہ کے ہمارے سامنے موجود ہیں کہ ایک شخص کئی سال محنت کر کے مثلاً سلائی کا کام سیکھتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس کو سلائی میں روزی نہیں دیتے ہیں، مجبوراً وہ دوسرا طریقہ روزی کے لیے اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس راہ سے اس کو روزی عطا فرماتے ہیں۔ یہ حیرت میں سوچتا ہے کہ اتنی محنت سے سلائی کا کام سیکھا تھا لیکن کیا معلوم تھا کہ میری روزی نجّاری میں تھی، اگر معلوم ہوتا تو سلائی میں اتنی مشقت اور اپنی عمر نہ کھوتا، مگر اللہ تعالیٰ بندوں کو دکھاتے رہتے ہیں، تاکہ بندوں کو اپنا جہل اور اپنی عجز کا علم الیقین حاصل ہو جائے۔

اسی طرح ایک شخص انگریزی تعلیم کی بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کرتا ہے اور دل میں یہ خیال اس کو ہر وقت مسرور رکھتا ہے کہ کسی بڑی ملازمت کی کرسی نشینی حاصل ہو گی، لیکن اللہ تعالیٰ اس کی روزی ملازمت کی راہ سے نہیں عطا فرماتے، مجبوراً یہ شخص کسی چیز کی دوکان کھول لیتا ہے اور اس دُوکان سے اس کو روزی ملتی ہے۔ یہ شخص

حیرت زدہ سوچتا ہے کہ کاش! معلوم ہوتا کہ میری روزی اسی دوکان میں ہے تو میں اتنی عمر اور اتنا سرمایہ دوکان ہی میں صَرف کرتا۔

## تخلّفِ اسباب سے مؤثرِ حقیقی کی پہچان

مگر اللہ تعالیٰ دکھاتے رہتے ہیں تاکہ بندے اپنے جہل اور عجز کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور سمجھ لیں کہ جب ہم اس طور سے عاجز ہیں تو یقیناً کوئی ایسی ذاتِ پاک ہے جو ان اسباب اور تدابیر کی خالق اور مالک ہے اور سارے جہاں کا انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جب میاں چاہتے ہیں تو ان اسباب و تدابیر کے ذریعے مقصود تک پہنچادیتے ہیں اور جب حق تعالیٰ کو منظور نہیں ہوتا ہے تو یہ تدابیر و اسباب بالکل بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ یہ تدابیر اور اسباب مطلقاً ہمارے اختیار میں نہیں دیے گئے ہیں، صرف ان کا اختیار کرنا تو ہمارے اختیار میں دے دیا ہے لیکن ان میں اثر پیدا کرنا اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ ان اسباب و تدابیر کے پردے میں ہاتھ ان ہی کا کام کررہا ہے، مگر اہلِ ظاہر اس سے بے خبر ہیں اور عارفین اپنی نگاہِ بصیرت سے دیکھ لیتے ہیں کہ ان اسباب و تدابیر کی باگ ڈور حق تعالیٰ ہی کے دستِ قدرت میں ہے۔ کما قال العارف الرومی رحمہ اللہ۔

از مسبِّب می رسد ہر خیر و شر
نیست اسباب و وسائط را اثر

مولانا فرماتے ہیں کہ ہر خیر و شر کے مالکِ حقیقی حق تعالیٰ ہی کی ذاتِ پاک ہے۔ اسباب و وسائط میں فی نفسہٖ کچھ اثر نہیں ہے، یہ اسباب و تدابیر اپنا کام اسی وقت انجام دیتے ہیں، جب ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے اذن اور اشارہ مل جاتا ہے۔ ہماری نگاہ میں یہ اسباب مردہ ہیں، لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ ان کا تعلق غلامی کرنے میں زندوں جیسا ہے۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند
با من و تو مردہ باحق زندہ اند

اندریں شہر حوادث میر اوست
در ممالک مالکِ تدبیر اوست

اس شہر حوادث یعنی دنیائے فانی کے تمام تصرّفات کی مالک حق تعالیٰ ہی کی ذاتِ پاک ہے۔ تمام ممالک میں تدابیر اور اسباب اپنے اثر کے اعتبار سے ان ہی کے مملوک ہیں۔

خرم آنکہ عجز و حیرت قوت اوست
در دو عالم خفتہ اندر ظلّ دوست

مولانا فرماتے ہیں کہ مبارک ہے وہ شخص جس کی غذا عجزِ محمود اور حیرتِ محمودہ ہے، یعنی جس کو تدابیر اور اسباب کے تخلّف فی الآثار سے مسبّبِ حقیقی کی معرفت نصیب ہوگئی، یعنی جب اسباب اور تدابیر کو کبھی کامیاب اور کبھی ناکام دیکھا تو تفکر اور تدبّر سے سمجھ گیا کہ یہ اسباب اور تدابیر کسی اور کے قبضے میں ہیں، فی نفسہٖ اُن کے اندر کچھ اثر نہیں ہے، یہ خود اپنے اثر کرنے میں محتاج ہیں کسی مؤثرِ حقیقی کے۔ اگر اُن کے اندر ذاتی اثر ہوتا تو اُن کو ہمیشہ کامیاب ہونا چاہیے، مگر اُن کی یہ ناکامی دلیل ہے کہ یہ مؤثر بالذات نہیں ہیں، جب مؤثرِ حقیقی اللہ جلّ شانہٗ چاہتے ہیں تو ان میں اثر پیدا فرمادیتے ہیں اور جب اُن کو منظور نہیں ہوتا ہے تو تمام اسباب و تدابیر کو بے اثر کردیتے ہیں۔

مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ[۲۹]

جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوجاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

چناں چہ آتشِ نمرود کو جب حکم اور اذن جلانے کا نہ ہوا تو وہ آگ سوزندۂ خلیل نہ ہوسکی اور حکمِ الٰہی سے گلزارِ جنت ہوگئی، لیکن اسی آن میں جس وقت کہ وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے گلزارِ جنت تھی نمرودِ مردود کے لیے وہ آگ اس وقت بھی نارِ جہنّم تھی۔

تو معلوم ہوا کہ تمام اشیاء کے خواص و اثرات اپنے افعال کی انجام دہی میں حکمِ الٰہی کے تابع ہیں۔ عارفین پر جب اسباب اور تدابیر کا عجز اور ضعف منکشف ہوگیا تو

---

۲۹ المسند الجامع: ۸۲۸/۲۰، الحروف الیاء، دار الجیل، بیروت

وہ دونوں عالم میں ظلِّ دوست میں سوگئے، یعنی ان کی نظر اسباب سے اٹھ گئی اور مسبّب الاسباب سے انہوں نے اپنا تعلق قائم کرلیا۔ ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے ؎

کسی کو رات دن سرگرمِ فریاد و فغاں پایا
کسی کو فکرِ گوناگوں میں ہردم مبتلا پایا

کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا
بس اک مجذوب کو اس غمکدہ میں شادماں پایا

جو بچنا ہو غموں سے آپ کا دیوانہ بن جائے

## میرا ایک واقعہ

لفظ ''دیوانہ'' پر مجھے اپنا ایک واقعہ یاد پڑا۔ ایک بار حضرت مرشدی مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں ہمراہ تھا، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے سر مبارک میں تیل کی مالش کر رہا تھا، کچھ احباب و رفقائے سفر چنے کے ہولے کھا رہے تھے اور میرے منہ میں بھی اس کے دانے ڈال دیا کرتے تھے، اس وقت میں نے یہ مصرع پڑھا تھا ؎

دیوانہ باش تا غمِ تو دیگراں خورند

ترجمہ: دیوانہ ہوجا تاکہ تیرا غم دوسرے لوگ کھائیں۔

کچھ دیر کے بعد حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ہنس کر فرمایا کہ بھائی! یہ مولوی صاحب میرے سرپرست ہیں، یہ بطور لطیفہ ارشاد فرمایا، کیوں کہ مالش کے وقت میرے ہاتھ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے سر مبارک پر خدمت میں مصروف تھے۔ یہ عارفین سایۂ دوست میں دوست پر اعتماد کرکے سوئے ہوئے ہیں، یعنی طلبِ اسباب و تدابیر میں

کاوش نہیں کرتے اور اَجۡمِلُوۡا فِی الطَّلَبِ[30] (الحدیث) پر عمل کرکے اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھتے ہیں۔

## طلبِ معاش میں اجمال کا مطلوب ہونا

لیکن طلبِ معاش میں ان کا یہ اجمال یعنی عدمِ کاوش کے ساتھ اسبابِ معاش کا اختیار کرنا اور اسبابِ اختیاریہ پر اعتماد نہ رکھنا بسبب انکشافِ حقائق کے ہے، کاہلیٔ مذمومہ کے سبب سے نہیں ہے، یعنی جب اہل اللہ پر انوارِ معرفتِ الٰہیہ کے سبب یہ حقیقت منکشف ہوجاتی ہے کہ یہ تدابیر اور اسبابِ دنیویہ فی نفسہٖ اپنے اندر اثر نہیں رکھتے ہیں، بلکہ ان کے اندر اثر پیدا فرمانے والے حق تعالیٰ شانہٗ ہیں تو یہ محض حکم سمجھ کر اجمالاً کچھ اسباب بھی اختیار کرلیتے ہیں، لیکن ان اسباب کے ضعیف، عاجز اور محتاج ہونے کے سبب ان پر اعتماد نہیں رکھتے ہیں، اعتماد صرف ذاتِ حق تعالیٰ شانہٗ پر رکھتے ہیں۔

## احتراز از انہماک فی الاسباب

پس معلوم ہوا کہ اہل اللہ کا اسبابِ دنیویہ میں زیادہ انہماک نہ ہونا اُس انکشافِ حقیقت کے سبب ہے نہ کہ وہ کاہلیٔ مذمومہ ہے جس سے اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِكَ مِنَ الۡعِجۡزِ وَالۡکَسَلِ[31] میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔ نیز بعض اہلِ ظاہر حقیقت سے بے خبر ہوکر ان کی اس اجمالی طلب اور عدم انہماک فی الاسباب کو دیکھ کر ان کو کاہل سمجھتے ہیں۔ یہ گمان محض جہل اور بے خبری کے سبب ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عارفاں از دوجہاں کاہل ترانند
زانکہ بے شد یار خرمن می برند

---

[30] سنن ابن ماجۃ: ۲/۱۷۲ (۲۱۴۲)، باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ، المکتبۃ الرحمانیۃ

[31] صحیح مسلم: ۲/۳۵۰، باب فی الادعیۃ، ایچ ایم سعید

مولانا فرماتے ہیں کہ عارفین دونوں جہاں کے لوگوں سے زیادہ کاہل ہیں۔

## مفہومِ کاہلیٔ عارفین از کسبِ دنیا

لیکن اس کاہلی سے مراد تفویض و توکّل اور اپنے ارادوں کو مرضیاتِ الٰہیہ میں فنا کر دینا ہے، جس کی ظاہری صورت عوام کے نزدیک کاہلی سمجھی جاتی ہے۔

سو ایک عالَم میں تو کوئی کاہل ہی نہیں ہے، یعنی عالمِ ملائکہ میں کاہلی کا مطلق وجود نہیں ہے، کیوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرشتوں کی تعریف میں **يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ**[32] ارشاد فرمایا ہے، (ترجمہ) "فرشتے شب و روز تسبیح کرتے ہیں، کسی وقت موقوف نہیں کرتے۔" اور اُوپر **وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ**[33] بھی فرمایا ہے، یعنی "ہماری تسبیح سے تھکتے نہیں ہیں۔"

دنیا میں البتہ کاہل بھی ہیں، لیکن اہلِ دنیا کی کاہلی نفس کی شرارت اور آرام طلبی کے سبب سے ہوتی ہے اور عارفین کی کاہلی اسبابِ دنیویہ میں انہماک نہ ہونے سے ہوتی ہے جس کا سبب غلبۂ تفویض اور توکّل و فنائے ارادہ ہوتا ہے۔ پھر مولانا اس تفویض اور فنائے ارادہ کی علّت بیان فرماتے ہیں ؎

زانکہ بے شد یار خرمن می برند

یعنی ایسا اس لیے ہے کہ بدون اختیارِ اسباب کے ان کے مقاصد پورے ہو جاتے ہیں، آگے فرماتے ہیں ؎

کاہلی را کردہ اند ایشاں سند
کارِ ایشاں را چوں یزداں می کند

مولانا فرماتے ہیں کہ انہوں نے تفویض و توکّل کو اپنا تکیہ گاہ اس وجہ سے بنا رکھا ہے کہ ان کا کام حق تعالیٰ کرتے ہیں۔

---

[32] الانبیاء: ۲۰

[33] الانبیاء: ۱۹

کارِ یزداں را نمی بینند عام
می نیاسایند از کد صبح و شام

مولانا فرماتے ہیں چوں کہ عوام اس حقیقت سے یعنی مسبّبِ حقیقی کے تصرّفات سے بے خبر ہیں، اس لیے عوام اسبابِ دنیویہ کے اختیار کی محنت اور مشقت سے صبح و شام آسودہ نہیں ہوتے ہیں۔

## عارفین کی عدمِ کاوش فی الاسباب کی وجہ

اس تقریر کی تفصیل یہ ہے کہ اہل اللہ کے سارے کام بوعدۂ نصِ قطعی بآسانی ہو جاتے ہیں، یعنی تقویٰ کی برکت سے اُن کے ضروری مقاصد کے لیے وہ اسباب قریب کر دیے جاتے ہیں جو علمِ الٰہی میں ثمر آور ہوتے ہیں، یعنی مقصود تک پہنچانے والے ہیں اور ان اسباب کی مشقت سے ان کو محفوظ کر دیا جاتا ہے جو علمِ الٰہی میں بے ثمر اور غیر مفید ہوتے ہیں۔

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ﴿۲﴾ وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ط

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسْبُہٗ ط [۳۴]

اور جو اللہ پر توکّل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے۔

کیوں کہ متقین بندوں کو حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآنِ پاک میں اپنا دوست فرمایا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ [۳۵]

---

۳۴؎ الطلاق:۲،۳

۳۵؎ یونس:۶۲،۶۳

حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا ہے اور نہ وہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر مغموم ہوتے ہیں۔ یعنی ان کو خوف ناک اور غم ناک حوادث سے بچاتا ہے اور اللہ کے دوست وہ ہیں جو ایمان لائے اور معاصی سے پرہیز رکھتے ہیں، یعنی ایمان اور تقویٰ سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔[۳۶]

یہ ایک مقدمہ ہے کہ پرہیز گار بندے اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ ہر دوست اپنے دوست کی ملاقات اور ہم نشینی کو محبوب رکھتا ہے، پس حق تعالیٰ اپنے مقبول اور محبوب بندوں کو اپنے ذکر کے لیے فراغِ قلب عطا فرماتے ہیں، کیوں کہ حدیثِ قدسی ہے: اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ[۳۷] حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنے ذاکر بندے کا ہمنشین ہوتا ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ فراغِ قلب اسی وقت میسّر ہوتا ہے جب انسان اسبابِ طلبِ معاش میں اجمال اختیار کرے اور تفکر وانہماک تعددِ اسباب سے محفوظ رہے، یہی راز ہے ارشادِ پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ کا، یعنی طلبِ اسباب میں اجمال اختیار کرو، کیوں کہ رزق تو مقدر اور مقسوم ہو چکا ہے۔

## رزق کا مدار کثرتِ اسباب پر نہیں ہے

کثرتِ اسبابِ معاش پر کثرتِ رزق کا مدار نہیں ہے، چناں چہ مشاہدات اس امر کو بتاتے ہیں کہ ایک شخص ایک ہی تجارت سے غنی اور بڑا مال دار ہو جاتا ہے، دوسرا شخص متعدد تجارتوں میں ہاتھ مارنے کے باوجود مقروض اور پریشان رہتا ہے، اور دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے اہلِ عقل فاقے میں مبتلا ہیں، اور بہت سے نادان بے وقوف لکھ پتی ہیں۔ اسی کو ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

کَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ اَعْیَتْ مَذَاھِبُہٗ
وَجَاھِلٍ جَاھِلٍ تَلْقٰہُ مَرْزُوْقًا

---

۳۶؎ بیانُ القرآن

۳۷؎ شعب الایمان للبیھقی:۲/۱۷۱(۶۷۰)،مکتبۃ الرشد

هٰذَا الَّذِیْ تَرَكَ الْاَوْهَامَ حَائِرَةً
وَصَیَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِیْرَ زِنْدِیْقًا

بہت سے عاقل ایسے دیکھے گئے ہیں کہ ان کو رزق کی پریشانیوں نے تھکا دیا ہے اور بہت سے ایسے جاہل دیکھے گئے ہیں کہ وہ رزقِ کثیر سے فارغ البال ہیں اور یہ تصرفاتِ عجیبہ ایسے ہیں کہ جس سے لوگوں کے اوہام حیرت زدہ ہیں اور بڑے بڑے اہلِ علم کو اس امرِ عجیب نے حیرتِ مذمومہ میں مبتلا کر کے زندیق بنا دیا۔

مگر یہ وہ اہلِ علم ہیں جن کو کسی باخبر سے پالا نہ پڑا تھا اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا[۳۸] ''رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔''

ہمارے حضرت مرشدی مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب ترجمہ فرمایا ہے، اس ترجمہ سے وجد آجاتا ہے، رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔ اگر کسی باخبر سے ملاقات ہو جاتی تو وہ سمجھا دیتا کہ میاں! رزق کا مدار علم یا جہل، عقل یا بے وقوفی پر نہیں ہے، اس رحمٰن کی شان یہ بھی ہے:

یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ[۳۹]

جس کو چاہتا ہے رزق زیادہ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔

## رزق میں تنگی اور فراخی کی حکمت

رزق کی تنگی اور فراخی کا معاملہ مشیتِ الٰہی کے تابع ہے۔ دنیا ایک شفاخانہ ہے، ہم سب کے سب اس شفاخانے کے مریض ہیں، حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک ہماری خالق، مالک اور حکیم ہے، علمِ الٰہی میں جس کے لیے جس قدر رزق مفید ہے اس کو اسی مقدار سے عطا فرماتے ہیں۔ شفاخانے میں مریض ہر قسم کے ہوتے ہیں، کسی کو حکیم دوا تلخ پلاتا ہے، اگر اس کو حلوہ کھلا دے تو اس کا مادّۂ فاسدہ اس حلوے کو بھی متعفن کر کے

۳۸؎ الفرقان: ۵۹
۳۹؎ الشوریٰ: ۱۲

زہر بنادے اور بیماری میں شدت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح جو مریض صحت یاب ہونے کے قریب ہے اور صرف ضعف رہ گیا ہے اسی کے لیے مغز بادام، مکھن اور پھل تجویز کرتا ہے، تاکہ یہ ضعف جلد طاقت سے مبدّل ہو جائے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر ان کو روزی کی تنگی اور پریشانی ہو تو وہ کفر میں مبتلا ہو جائیں اور بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر ان کی روزی فراخ کردی جائے تو وہ طغیانی اور کفر میں مبتلا ہو جائیں۔ ہر ایک کی طبائع اور مزاج الگ الگ ہیں، جیسا جس کا مزاج میاں نے بنایا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔ مخلوق کی طبیعت اور مزاج کا صحیح علم خالق ہی کو ہوتا ہے، ارشاد فرماتے ہیں اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ بھلا وہی ذات نہ جانے جس نے پیدا کیا ہے۔ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ[۴۰] اور وہ ایک باریک بین پورا باخبر ہے۔

وہ زندیق ہونے والے اہل علم عالم باللہ نہ تھے، جن کو حقیقی علم عطا ہوتا ہے ان کی شان ہی اور ہوتی ہے۔ اُن کی سمجھ اور فہم اور ان کے حوصلے دوسرے ہوتے ہیں۔

## عالم باللہ کی شان

عالم باللہ مقرب بندہ ہوتا ہے، اس کا حوصلہ ایسا پست اور ذلیل نہیں ہوتا ہے جو دنیائے مردار کو علم کی نعمت پر ترجیح دے۔ جو باز کہ پنجۂ بادشاہ اس کا مسکن ہو وہ بجز شیر نر کے دوسرے معمولی جانور کا شکار نہیں کرتا ہے، قربِ شاہ کے سبب اس باز کی نظر بادشاہ کی نظر کے فیض سے عالی ہمّت ہو جاتی ہے۔ اسی کو حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

می نگیرد بازِشہ جُز شیر نر

شاہی باز بجز شیر نر کے کسی کو نہیں پکڑتا۔ اسی طرح عالم باللہ کی مقرب روحِ پاک کہ وہ شاہ باز معنوی ہے بجز اللہ کے کسی ماسویٰ کی طرف رُخ نہیں کرتی ہے۔

---

[۴۰] الملك:۱۴

شد صفیرِ بازِ جاں در مرجِ دیں
نعرہ ہائے لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ

بازِ رُوح کی آواز شکار گاہِ دین میں لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ[۱] کے نعرے ہیں، یعنی یہ جان سپار و جانبازِ حق بجز رضائے الٰہی کے کسی چیز کو محبوب نہیں رکھتا ہے، یہ اپنے صحیح مقصدِ حیات کا رازداں ہوتا ہے۔ وہ مقصدِ حیات کیا ہے۔

بہر ایں آورد مایزداں بروں
مَا خَلَقْتُ الْاِنْسَ اِلَّا یَعْبُدُوْنَ

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ عالمِ ارواح سے عالمِ ناسوت میں اس لیے ہمیں باہر لائے ہیں کہ ہم لوگ ان کی اطاعت و عبادت کریں۔

بسودائے جاناں زجاں مشتغل
بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل

بیادِ حق از خلق بگریختہ
چناں مست ساقی کہ می ریختہ

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقربین بندے محبوبِ حقیقی کے عشق میں اپنی جان سے بھی بے پروا ہیں اور محبوبِ حقیقی کی یاد میں سارے جہان سے بے خبر ہیں، یادِ حق میں خلق سے بھاگے ہوئے ہیں اور اس منعمِ حقیقی پر ایسے متوالے ہوگئے ہیں کہ نعمتوں کی طرف سے التفات جاتا رہا، صرف ذاتِ منعم پر ٹکٹکی باندھے ہوئے ہیں۔ یعنی اُن کی وہ محبت جو پہلے بواسطۂ امید و حرصِ مے تھی اب وفورِ طلب و شوق سے یہ حجابِ واسطہ بھی اٹھ گیا، اور محبت کامل ہوگئی، اب غلبۂ محبت میں بجز ذاتِ ساقی کے کچھ مطلوب نہ رہا اور قرب کے اس رفیع مقام پر بواسطۂ مے میں بوئے شرک محسوس کرکے جامِ مے کو زمین پر لڑھکا دیا۔

---

[۱] الانعام:۷٦

یعنی کامل اطاعت کی برکت سے قرب میں ترقی ہوتے ہوتے جب دست بوسیٔ شاہ نصیب ہوگئی تو پائے بوسیٔ شاہ کی طرف التفات باقی نہ رہا۔

اس تقریر سے نعمتِ الٰہیہ سے استغناء وارد نہیں ہوتا، بلکہ ایک رفیع نعمت سے ترقی ہے طرف ارفع نعمت کے، خوب سمجھ لیا جاوے۔

حضرت حافظ صاحب شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تو و طوبیٰ و ما و قامتِ یار
فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

فرماتے ہیں: اے زاہد! تو اور طوبیٰ یعنی تو جنّت کی نعمتوں میں مست رہ اور میں اور قامتِ یار یعنی میں محبوبِ حقیقی کی ذاتِ پاک پر قربان رہوں اور ہر شخص کی بلندیٔ فکر کا مدار اس کی ہمّت کی مقدار پر ہے ؎

خوش تر از دوجہاں آنجا بود
کہ مرا با او سر و سودا بود

مولانا عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں جہاں میں سب سے بہتر جگہ میرے لیے وہ جگہ ہے جہاں وہ محبوبِ حقیقی ہو اور میں ہوں اور اپنے محبوب سے راز و نیاز اور محبت کا کاروبار ہو۔

حضرت شاہ فضلِ رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ غلبۂ محبت میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

یس من مُوہ لبدگے تَو ہیں
سُمرن تور بسر گے مَوھیں

آپ کی محبت نے ہمیں ایسا موہ لیا کہ غلبۂ محبت میں تعریف کرنے کا بھی ہوش نہ رہا۔

اور حضرت شاہ صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ دردؔ کا یہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے ؎

جائے کس واسطے اے دردؔ میخانے کے بیچ
اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

# ایک بزرگ کی حکایت

ایک واقعہ حضرت شاہ صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا یاد پڑا۔ ایک دفعہ نواب رامپور نے اپنے کسی بے تکلّف دوست سے جو عالم بھی تھے، درخواست کی کہ اگر آپ حضرت شاہ صاحب کو میرے ہاں لے آویں تو میں ایک لاکھ روپیہ نذر پیش کروں گا۔ مولوی صاحب گنج مراد آباد حاضر ہوئے، حضرت کی مجلس میں جب مولوی صاحب پہنچے تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ علوم و معارف بیان فرمارہے تھے، انہوں نے ذرا موقع پاکر عرض کیا کہ حضرت! آپ ایک بار رامپور تشریف لے چلیں، نواب صاحب آپ کی زیارت کے متمنی ہیں اور فرمایا ہے کہ اگر شاہ صاحب میرے ہاں تشریف لائیں گے تو میں ایک لاکھ روپیہ نذر پیش کروں گا۔ شاہ صاحب نے سن کر فرمایا کہ اجی! لاکھ روپے پر ڈالو خاک اور میری بات سنو، پھر شاہ صاحب اپنے علوم و معارف کے بیان کرنے میں مشغول ہوگئے، جب فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب! سنیے ؎

جو دل پر ہم اس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جامِ جم دیکھتے ہیں

یہ ہے اصلی علم کی شان جو دل کو تمام ماسویٰ سے مستغنی کردیتا ہے۔ ہمارے مرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے چھوٹے بڑے نہ جانے کتنے منی آرڈر واپس کیے تھے اور ایک بار ایک لاکھ روپیہ ہدیہ قبول کرنے سے عذر فرمادیا، ذرا بھی جہاں دین کی توہین اور تحقیر کا شائبہ محسوس کرتے بڑے بڑے امراء کا مزاج درست فرمادیتے۔ رمزی اٹاوی نے خوب لکھا ہے ؎

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّوں کی جھنکاریں
ترے دستِ توکّل میں تھیں استغناء کی تلواریں

سکھائے فقر کے آداب تو نے بادشاہی کو
جلالِ قیصری بخشا جمالِ خانقاہی کو

ایسے ہی لوگ عالمِ ربّانی کہلاتے ہیں، اسی کے متعلق حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دانشِ نور است در جانِ رجال
نے ز دفترنے ز راہِ قیل و قال

مردانِ خُدا یعنی اللہ والوں کی جانوں میں عطائے حق سے نورانی عقل ہوتی ہے، محض کتابوں کے دفتر سے اور محض قیل و قال کی راہ سے یہ نورانی عقل نہیں ملتی۔

خم کہ از دریا در و راہے شود
پیش او جیحونہا زانو زند

مولانا فرماتے ہیں: اللہ والوں کے قلب کی مثال اس مٹکے کی سی ہے جس کا تعلق کسی خفیہ راہ سے سمندر سے ہوتا ہے اور بڑے بڑے جیحوں جیسے دریا اس مٹکے کے سامنے اس کے باطنی تعلق من البحر کے سبب زانوئے ادب طے کرتے ہیں، (فارسی میں دریا کا اطلاق سمندر پر ہوتا ہے) جیحوں جیسے دریا خشک ہوسکتے ہیں لیکن اس مٹکے کا پانی ہمیشہ جوش مارتا رہے گا، کیوں کہ باطنی راہ سے سمندر کا فیض اس مٹکے میں آرہا ہے، یہی عارفین کے علوم کا حال ہے۔

بینی اندر خود علومِ انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

یعنی عارفین اپنے باطن میں بدون کتاب اور استاد کے علومِ انبیاء کو موجزن پاتے ہیں، یعنی مشکوٰۃِ نبوت سے ان کے قلوب پر فیوضِ علمیہ کا ورود ہوتا رہتا ہے اور یہ مواہبِ علمیہ کب نصیب ہوتے ہیں، جب کسی اللہ والے کی جوتی سیدھی کی جاتی ہے۔

قال را بگزار مردِ حال شو
پیشِ مردِ کاملے پامال شو

## علوم اور معارفِ وہبیہ کے حصول کا طریقہ

مولانا عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان علوم اور مواہبِ ربّانیہ کی تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ قال کو چھوڑ دو، صاحبِ حال بن جاؤ، یعنی اوّلاً غیر مقصود امور سے دل خالی کرو۔ بقول حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

حضرت مرشدی مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس شعر سے بہت خوش ہوئے تھے اور فرمایا: خواجہ صاحب! اگر میرے پاس ایک لاکھ روپیہ ہوتا تو اس شعر پر آپ کو انعام میں دے دیتا۔

حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ کا اس درجہ انبساط حضرت کے باطنی مقام کی غمازی اور مخبری کرتا ہے، جو اس شعر میں مذکور ہے، یعنی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہی حال مقام بن چکا تھا۔ دوسرے مصرع میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ترکِ قال اور حصولِ حال کا بیان فرمایا ہے، یعنی صاحبِ قال اگر صاحبِ حال بننا چاہے تو کسی مردِ کامل کے سامنے پامال ہو جائے۔ ''پیش مردِ کاملے پامال شو'' تاکہ وہ مردِ کامل تمہارے تمام ناز و پندار اور خود بینی کی رگوں کو پامال کر دے، جس سے وہ تمام حجاباتِ ظلمانیہ جو قلب میں حق تعالیٰ شانہٗ کے نفحاتِ کرم اور فیوضِ غیبیہ کے مشاہدے سے مانع ہو رہے تھے مرفوع ہو جائیں گے اور قلب کو دریچۂ باطنی سے ایسے ایسے علوم اور معارف عطا ہوں گے جو تم کو اللہ تک پہنچا دیں گے۔

حضرت شاہ فضل رحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر شاہ محمد آفاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

اے شہِ آفاق شیریں داستاں
باز گو از من نشانِ بے نشاں

صرف و نحو و منطقم را سوختی
آتشِ عشقِ خدا افروختی

اے میرے پیر (شاہ آفاق صاحب) شیریں داستاں یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کی گفتگو سنانے والے! حق تعالیٰ کی ذات جو ہماری ظاہری آنکھوں سے مخفی ہے اس ذاتِ پاک تک رسائی کے لیے کچھ نشان بیان فرمایئے، آپ نے میرے علومِ ظاہری صَرف و نحو و منطق کو اللہ کی محبت کی مٹھاس چکھا کر نذرِ آتش کردیا۔

یعنی پہلے میں نے ان ہی علومِ ظاہرہ کو مقصود بنا رکھا تھا، اب آپ کے فیضانِ صحبت سے یہ علومِ ظاہرہ ذریعۂ مقصود بن گئے اور مقصود صرف رضائے حق بن گیا، جو ان علوم کا بھی اصل حاصل و مقصود ہے۔

علم کی نعمت گندے قلب میں نہیں عطا فرماتے ہیں، قیمتی عطر کے لیے شیشی بھی صاف اور شفاف منتخب ہوتی ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا پہلے تزکیہ فرمایا گیا، تب علم عطا فرمایا گیا یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ[۴۲] حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیاتِ الٰہیہ کو پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کا تزکیہ فرماتے ہیں، تلاوتِ آیات اور تزکیہ میں ربط یہ ہے کہ انوارِ تلاوت سے حضرات صحابہ کو اپنی ظلمات کا علم ہوگیا، ہر شے اپنی ضد سے متعارف ہوتی ہے، پس انوارِ تلاوت کا جب اُجالا ہوا تو حضرات صحابۂ کرام کو اپنے امراض نظر آگئے اور ان کے اندر تزکیہ کی فکر اور طلب پیدا ہوگئی، پس طلب کا پیدا ہونا تھا کہ رحمۃ للعالمین کی رحمت تزکیہ میں مشغول ہوگئی، تزکیہ کے بعد کتاب اور خوش فہمی کی تعلیم حضرات صحابہ کو دی گئی۔ ان آیتوں کی ترتیب میں بڑے علوم ہیں۔ معلوم ہوا کہ تعلیمِ کتاب اور حکمت کے اہل وہی سینے ہوتے ہیں جو رزائل سے پاک وصاف ہوں کسی اللہ والے کی صحبت سے۔

وہ عالم جو عاقلوں پر تنگیٔ معیشت اور نادانوں پر فراخیٔ رزق دیکھ کر زندیق ہوگئے وہ دراصل عالم باللہ نہ تھے، محض عالم بالکتاب تھے، اُن کا علم اُن کے گندے سینے

---

[۴۲] البقرۃ:۱۲۹

میں پہنچ کر خود بھی علت ہو گیا، ”ہر چہ گیرد علتے علت شود“ اس لیے وہ علم ان کے لیے زہر بن گیا۔

علم چوں بر تن زنی مارے بود
علم چو بر دل زنی یارے بود

حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم کو اگر تن پروری میں صَرف کیا جاوے تو وہ علم سانپ ہو جاتا ہے، اور علم کو جب دل میں اتارا جاتا ہے وہ بہترین یار ہوتا ہے۔

## علم کا اصلی مقام

اس سے معلوم ہوا کہ علم کا اصلی مقام قلب ہے، یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن میں علمائے یہود کو بوجھ لدے ہوئے گدھوں سے تشبیہ دی ہے، کیوں کہ اُن کے دلوں پر اُن کے علوم کا اثر نہ تھا، جس کی دلیل یہ ہے کہ علم باللہ کے لیے خشیتِ الٰہیہ لازم ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا[۴۳] حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ”وہی بندے اللہ سے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں۔“ آیت سے واضح ہے کہ خشیتِ الٰہیہ علمِ حقیقی کی ایک لازمی صفت ہے، اگر خشیت نہیں ہے تو وہ عالم اللہ کے نزدیک عالم کے مرتبے میں نہیں ہے۔

صد ہزاراں فضل دارد از عُلوم
جانِ خود را می نداند ایں ظُلُوم

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ شخص سو ہزار فنونِ علمیہ سے فضیلت رکھتا ہے، لیکن یہ ظالم اپنی جان سے غافل ہے، یعنی اپنے علوم کو شکم پروری اور تن آرائی کا ذریعہ بنا رکھا تھا، اس لیے علوم کے انوار اور معارف اس کو نصیب نہ ہوئے۔

اے بسا عالم ز دانش بے نصیب
حافظِ علم است او کہ نے حبیب

---

۴۳ فاطر:۲۸

مولانا عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! بہت عالم دین کی سمجھ سے محروم ہیں، یہ صرف کتاب کے نقوشِ ظاہری کے حافظ ہیں، حسیب نہیں ہیں۔

## صحیح علم کی تعریف

صحیح علم کی تعریف یہ ہے کہ وہ اللہ تک پہنچادے، ''علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است''، جو علم کہ حق تعالیٰ تک نہ پہنچائے وہ جہالت ہے، اس کا نام صنعت و حرفت ہے، علم اس کا نام نہیں ہے، علمِ حقیقی کی دولت جس کو عطا ہوتی ہے اس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں جہاں کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کو خیرِ کثیر نہیں فرمایا ہے مگر دین کی خوش فہمی کو خیرِ کثیر فرمایا ہے، ارشاد فرماتے ہیں: (اور سچ تو یہ ہے کہ) جس کو دین کا فہم مل جائے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ [۴۴]

خیر اسمِ تفضیل ہے، پس اس آیت سے علمِ دین کا تمام نعمتوں سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

## نعمتِ علمِ دین دونوں جہاں کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے

کیوں کہ دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو زوال اور فنا ہے، لیکن دین کی خوش فہمی سے حق تعالیٰ کی عظمت اور معرفت جو نصیب ہوگی اور اس معرفت کے ساتھ جو عبادات ہوں گی ان کے انوار ہمیشہ باقی رہیں گے اور جنت میں یہی انوار ابد الآباد کی نعمتوں میں پہنچادیں گے۔

رنگِ صدق و رنگِ تقویٰ و یقیں
تا ابد باقی بود بر عابدیں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدق کا رنگ اور تقویٰ کا رنگ اور یقین کا رنگ ہمیشہ ہمیشہ عابدین پر باقی رہنے والا ہے۔

---

[۴۴] البقرۃ: ۲۶۹

## تمام علوم کا حاصل

پس تمام علوم کی رُوح یہی ہے کہ آدمی کی عاقبت اور آخرت کی زندگی درست ہو جائے۔

جانِ جملہ علمہا این است ایں
کہ بداند من کیئم در یومِ دیں

مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام علوم کی جان صرف یہی ہے کہ آدمی اپنے متعلق یہ جان لے کہ ہم آخرت کے بازار میں کس بھاؤ بکیں گے۔ دنیا والوں کی واہ واہ سے کچھ کام نہیں چلے گا، معاملہ تو میاں سے ہے اور وہ آنکھوں کی چوری اور سینوں کے اندر کی خیانتوں سے باخبر ہیں۔

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾[۴۵]

اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

یعنی اگر گوشۂ چشم سے بھی کسی عورت پر بُری نگاہ ڈالی ہے یا دل میں بُرے بُرے خیالات نافرمانیوں کے پکائے ہیں تو ان سب باتوں کی بھی اللہ تعالیٰ کو پوری پوری خبر ہے۔

## قارون کے زمانے کا ایک واقعہ

قارون کے زمانے میں جو طبقہ ترقی پسند اور تعلیم یافتہ کہا جاتا تھا اس نے قارون کے خزانے کو اور اس کی ظاہری شوکت و جاہ کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ[۴۶] اے کاش! ایسا ہی خزانہ ہم کو بھی مل جاتا۔ اور جو طبقہ اللہ والوں کا تھا ان کو دینی سمجھ اور علمِ صحیح کے انوار سے اس خزانۂ قارون کی صحیح حقیقت کا پتا چل گیا تھا، دین کی خوش فہمی سے انہوں نے خزانۂ قارون پر اللہ کا غضب

---

۴۵؎ المؤمن: ۱۹
۴۶؎ القصص: ۷۹

اور قہر دیکھ لیا، یعنی علمِ دین کی روشنی میں انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے ساتھ مال و دولت اور ظاہری شوکت سب سانپ اور بچھو ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے، معلوم نہیں کہ کب اللہ تعالیٰ کی قہاریت اور غضب کا ظہور ہو جاوے، اس لیے اللہ والوں نے قارون کی ظاہری آرائش کی طرف راغب ہونے والے طبقے کو مخاطب کرکے یہ فرمایا کہ وَیۡلَکُمۡ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیۡرٌ لِّمَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا[۴۷] (اے نادانو!) ہلاکت ہو تم پر، اللہ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایمان والوں کو اور نیک عمل والوں کو ملتا ہے۔ مغضوب علیہ شخص پر لالچ کی نگاہ ڈالتے ہو! یہ کہنے والے کون لوگ تھے؟ قَالَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ یہ اہلِ علم کی جماعت تھی، یہ عنوان بتاتا ہے کہ صفتِ علم کا مقتضا یہی تھا جو انہوں نے کہا اور کس عنوان سے کہا؟ وَیۡلَکُمۡ ناس ہو تمہارا! یہ عنوان بتاتا ہے کہ علم کا اثر اور نور ان کے دلوں میں ایسا پیوست اور راسخ تھا جس نے قارون کی ترقی کو ان کے دلوں میں نافرمانیٔ حق کے سبب مبغوض کر دیا تھا۔

جب قارون پر خدا کا قہر نازل ہوا اور وہ مع اپنے خزانے کے زمین میں دھنسا دیا گیا اس وقت جس ترقی پسند طبقے نے اس کے مال پر رال ٹپکائی تھی اس کو اپنی جہالت کا علم ہوا اور علمِ دین کی نعمت کی قدر معلوم ہوئی۔ پس معلوم ہوا کہ جو عالم علم کی نعمت کو دنیا کی نعمتوں کے عوض میں فروخت کرتا پھرے اس کو حقیقی علم نہیں عطا ہوا ہے۔

## مقرّب اور اجرت دار کا فرق

سچا عالم مقرّبِ بارگاہ ہوتا ہے۔ مقرب پر ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک بار میں نے حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! ایک بار درود شریف پڑھنے کی فضیلت میں وارد ہے کہ دس نیکیاں ملتی ہیں، دس گناہ معاف ہوتے ہیں، دس درجے بلند ہوتے ہیں اور تلاوتِ قرآن شریف کے متعلق اس قدر فضائل وارد نہیں ہیں تو عجیب جواب ارشاد فرمایا، فرمایا کہ ایک اجرت دار ہوتا ہے، ایک مقرّبِ بادشاہ ہوتا ہے۔

۴۷؎ القصص: ۸۰

مقرّب کی تنخواہ تو کچھ نہیں ہوتی، مگر بڑے بڑے تنخواہ دار حتیٰ کہ گورنر اور وزراء تک مقرّب سے کانپتے ہیں اور اپنے اہم امور میں مقرّبِ بادشاہ سے سفارش کراتے ہیں۔ درود شریف کے جس قدر فضائل ہیں وہ سب اجرت کے تحت وارد ہیں اور قرآن شریف کی تلاوت کا صرف ایک ثمرہ انعامِ قُرب تمام فضائل پر فوقیت رکھتا ہے۔(انتہیٰ)

قربت اور اجرت کا فرق فرعون مردود بھی سمجھتا تھا، جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت ہارون علیہ السّلام کے مقابلے کے لیے اپنے بڑے بڑے جادوگروں کو بلایا تو انہوں نے فرعون سے یہ کہا اَئِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ اگر ہم لوگ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت ہارون علیہ السّلام کے مقابلے میں غالب آگئے تو کیا ہم کو کچھ اجر ملے گا؟ فرعون نے جواب دیا: نَعَمۡ "ہاں" اِنَّكُمۡ اِذًا لَّمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ بے شک تم لوگ اس وقت میرے مقرّب لوگوں میں سے ہو جاؤ گے، چوں کہ سُلطان کا مقرّب ہونا بہت بڑا انعام ہے، اس وجہ سے فرعون مردود نے جادوگروں کو انعامِ عظیم کا لالچ دلایا، کوئی خزانہ یا سلطنت کا کوئی حصہ لکھنے کا وعدہ نہیں کیا، کیوں کہ انعامِ قرب سے یہ گھٹیا درجے کی چیزیں تھیں، اور اس وقت فرعون کی آبرو اور جان اور سلطنت سب خطرے میں تھیں، اس لیے اس کے ذہن میں سب سے بڑا انعام جو تھا جھٹ اس کا وعدہ کر لیا۔ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ بحیاتِ طیّبہ تشریف فرما ہوتے اور اجرت و قربت کا جو فرق حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے، اگر اسی مضمون کے ساتھ میں یہ آیت پڑھ دیتا:

قَالُوۡا لِفِرۡعَوۡنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمۡ وَاِنَّكُمۡ اِذًا لَّمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۴۲﴾[۴۸]

تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی خوش ہوتے، کیوں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس مضمون کی اس آیتِ کریمہ سے تائید ہو جاتی ہے۔

---

۴۸؎ الشعراء: ۴۱، ۴۲

تنخواہ دار سے بھید کی باتیں نہیں کی جاتیں، مقرّب سے کی جاتی ہیں۔ مقرّب رازداں اور رازدارِ سلطنت ہوتا ہے، حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہاں و ہاں ایں دلق پوشانِ من اند
صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

ہاں ہاں! یہ گدڑی پوش میرے خاص بندے ہیں، لاکھوں انسانوں میں ان کا ایک تن میرے تعلقِ خاص کی برکت سے ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔

سچے عالم تو اشرافِ نفس سے بھی بچتے ہیں، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو چیز اشرافِ نفس یعنی انتظارِ نفس کے بعد ملے اللہ اس میں برکت نہ دے۔

## اشرافِ نفس کی تعریف

اشرافِ نفس کی حقیقت ہمارے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ کسی کی چیز پر نظر کا اس طرح گڑ جانا کہ اس کے نہ ملنے پر دل میں ناگواری پیدا ہو، اور اگر دل راغب ہوا لیکن اس کے نہ ملنے پر کوئی ناگواری نہ ہوئی تو یہ اشرافِ نفس نہیں ہے۔ بزرگوں نے ایسی چیزوں سے سخت اہتمام کے ساتھ پرہیز کیا ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا جس چیز میں شامل ہو وہ ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے۔

## ایک بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ کا واقعہ یاد آیا۔ وہ ایک روز فاقے سے تھے، چہرہ متغیر ہورہا تھا، ایک شاگرد سبق پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے، چہرے کا رنگ دیکھ کر سمجھ گئے، عذر کردیا کہ آج سبق نہ پڑھوں گا اور استاد کے لیے کھانا لینے کے لیے واپس ہوئے۔ ان بزرگ کے دل میں انتظار پیدا ہوگیا کہ یہ میرے لیے کھانا لائے گا، چناں چہ شاگرد جب کھانا لے کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی! میں اس کھانے کو نہ کھاؤں گا، کیوں کہ مجھے انتظارِ نفس ہوگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کے لیے بددعا فرمائی ہے۔ شاگرد بہت فہیم تھے، فوراً کھانا لے کر نظر سے غائب ہوگئے، اور چند منٹ کے بعد پھر کھانا لے کر حاضر

ہوئے اور عرض کیا: حضرت! اب تو انتظار ختم ہو گیا، اب کھا لیجیے۔ آپ نے فرمایا: بے شک اب مجھے انتظار نہ رہا تھا اور کھانا کھا لیا۔ استاد اور شاگرد دونوں ہی اللہ والے تھے۔ آج کل صحیح خبریں معلوم ہوتی رہتی ہیں کہ لوگ اپنے معتقد کی دوکان پر پہنچے اور پوچھنا شروع کیا، بھائی! یہ تھان کس حساب سے بکتا ہے؟ اس معتقد نے عرض کیا: حضرت! یہ تھان آپ کی نذر ہے اور اُن کی نظر تو پہلے ہی سے اس پر تھی، صرف ایک حرف کا فرق تھا، ان کی طرف سے نظر میں ظآ تھا اور معتقد کی طرف سے نذر میں ذآل تھا۔ یہ نفس کی مکاریاں ہیں، یہ باطنی گناہ ہیں، اللہ تعالیٰ سینوں کی مخفی باتوں سے باخبر ہیں۔

باخدا تزویر و حیلہ کے رواست

اللہ کے ساتھ یہ حیلہ سازی اور مکر جائز نہیں ہے۔

## خدا کے ساتھ حیلہ سازی کا انجام

حضرت مولانا عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ خدا کے ساتھ حیلہ سازی کے انجام کے بارے میں فرماتے ہیں۔

آنکہ سازد در دلت حیلہ و قیاس

آتشے داند زدن اندر پلاس

اے وہ شخص کہ تو اللہ کی دی ہوئی جس قوت اور اختیار سے اللہ تعالیٰ ہی کے خلاف حیلہ سازی اور باطل قیاس آرائیاں کرتا ہے! تو وہ صاحبِ قدرت ذات اس مکر و فریب کے ٹاٹ میں آگ لگا دینا بھی جانتی ہے۔

مکر حق سر چشمۂ ایں مکرہاست

قلب بین الاصبعین کبریاست

تدبیرِ حق ان سب حیلوں کا سرچشمہ ہے کَمَا قَالَ اللہُ تَعَالٰی: وَ اللہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ[۴۹] اور قلب حضرت کبریا تعالیٰ شانہٗ کی دو انگشت کے درمیان میں ہے۔ پس اس ذکاوت اور

۴۹؎ اٰل عمرٰن: ۵۴

زِیرکی کے پلان سے وہ ذاتِ پاک پوری طرح باخبر ہے، جب تک چاہے گی تیری ستاری اور عیب پوشی کرے گی، اور جب چاہے گی تجھ کو رسوا کر دے گی ؎

حِلمِ حق با تو مواسا ہا کند
چوں تو از حد بگزری رسوا کند

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ ٗ کا حِلم و کرم بندوں کے عیوب کی ستاری کرتا رہتا ہے، لیکن جب بندہ حد سے گزر جاتا ہے تو اس کو اپنی صفتِ قہاریت سے مبتلائے قہر فرما کر رسوا فرما دیتے ہیں۔

الغرض عارفین کارہائے دنیا سے اس لیے کاہل ہوتے ہیں کہ ان کے مقاصد توکّل کی برکت سے بدون اختیارِ اسباب پورے ہو جاتے ہیں، جس کی تفصیلی تقریر بیان ہو چکی۔ اب آگے مولانا عارفین کی ایک شان اور بیان فرماتے ہیں، جس سے ان کی عالی ہمتی اور چستی ٗ محمود کا ثبوت ہوتا ہے۔

## امورِ آخرت میں عارفین کی عالی ہمتی

کارِ دنیا را ز کل کاہل تراند
در رہِ عقبیٰ ز مہ گو می برند

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارفین دنیا کے کاموں میں تو سب سے زیادہ کاہل ہوتے ہیں، لیکن آخرت کے کاموں میں چاند سے بھی زیادہ تیز رفتاری میں سبقت لے جاتے ہیں۔ جس کو مولانا نے دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے ؎

عقل ابدالاں چو پّرِ جبرئیل
می پرد تا ظلِ سدرہ میل میل

یعنی اولیائے اللہ کی عقل مثل پَرِ جبرائیل کے ہے، جو کہ سایۂ سدرۃ المنتہیٰ تک درجہ بدرجہ اڑتی ہے ؎

ظلِّ او اندر زمیں چو کوہِ قاف
رُوحِ او سیمرغ بس عالی طواف

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ حضرات عارفین اولیائے اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے اجسام تو زمین پر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ مگر ان کی رُوح مثل سیمرغ کے عرشِ عظیم کا طواف کرتی ہے۔ مراد اس سے مولانا کی یہ ہے کہ ان کی روحوں کو عالمِ قدس سے ایک خاص اتصال ہوتا ہے، عوام اس اتصال سے بے خبر ہوتے ہیں۔

ماہیان قعرِ دریائے جلال
بحرِ شاں آموختہ سحرِ حلال

یعنی عارفین قعرِ دریائے جلال کی مچھلیاں ہیں، یعنی رازداں اور راز دار بارگاہِ حق ہیں، اس بحرِ جلال نے ان کو سحرِ حلال سکھادیا ہے، یعنی اُن کی باتوں میں ایسے انوار ہوتے ہیں جو دوسروں کو متأثر کر دیتے ہیں۔

## قلبِ عارف اور حق تعالیٰ کے درمیان مخفی راہ

درمیانِ شمس و دیں روزن رہی
ہست روزنہا نشد زاں آگہی

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آفتابِ حقیقی اور ان کے قلوب کے درمیان ایک مخفی راستہ ہوتا ہے جس سے حق تعالیٰ شانہٗ کے نفحاتِ کرم پے درپے آتے رہتے ہیں، دوسرے لوگ اس دریچۂ باطنی سے آگاہ نہیں ہیں۔

ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے۔

شاید کوئی اس رمز سے آگاہ نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے

یہی وجہ ہے کہ ان عارفین کے ساتھ جو لوگ تعلق پیدا کرتے ہیں اور جو ان کی صحبتوں

کو اختیار کرتے ہیں وہ بھی عارف باللہ ہو جاتے ہیں اور علائقِ فانیہ سے ان کی روحوں کو خلاصی مل جاتی ہے۔

## عارفین کا مرتبۂ روح میں چاہِ دنیا سے خارج ہونا

کیوں کہ عارفین مرتبۂ رُوح میں علائقِ فانیہ سے آزاد ہو چکے ہیں اور مرتبۂ جسم میں یہ عام انسانوں کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں، اگر ان کی رُوح دنیا کے قید خانے سے آزاد نہ ہوتی تو دوسرے قیدیوں کو کس طرح آزاد کر سکتے تھے؟ ایک قیدی دوسرے قیدی کو کب آزاد کر سکتا ہے۔

کے دہد زندانئے در اقتناص
مردِ زندانئے دیگر را خلاص

یعنی ایک زندانی جو خود شکار کردگی میں ہے دوسرے زندانی شخص کو کب رہائی دے سکتا ہے؟

جز مگر نادر یکے فردانئے
تن بزنداں رُوحِ او کیوانئے

یعنی بجز نادر کسی یکتا مردِ کامل کے جس کا تن تو زنداں میں ہو، یعنی دنیا میں ہو مگر رُوحِ عالی عالمِ غیب سے تعلق رکھتی ہو، کیوں کہ جو شخص خود کنویں کے اندر ہو وہ دوسرے کو کنویں سے نہیں نکال سکتا، اسی طرح جو شخص خود تعلقاتِ ماسوی اللہ میں آلودہ ہو اس کی تعلیم و تربیت اور صحبت میں عادتاً یہ اثر نہیں ہوتا کہ دوسرے کے یہ تعلقات قطع ہو جائیں۔ اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ عارف کو بھی تو ہم کنویں کے اندر یعنی چاہِ دنیا میں دیکھتے ہیں، پس جب یہ خود چاہ میں ہے تو دوسروں کو کس طرح نکالے گا؟ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کو حل فرمایا ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ عارف باعتبار اپنے مرتبۂ رُوح کے اس چاہِ دنیا سے خارج ہے اور باعتبار مرتبۂ جسم کے اس چاہِ دنیا میں موجود ہے اور اس کا یہی جسم دوسرے کے لیے آلۂ اخراج ہے، جس طرح کہ ڈول کنویں کے اندر ہوتا ہے۔ مگر اس میں محبوس اور مقید نہیں ہوتا، بلکہ اگر کسی محبوس کو نکالتے ہیں تو اس کا ذریعہ یہی ڈول ہوتا ہے، پس اسی طرح عارفین اپنے جسم سے یہاں ہیں،

تاکہ تم کو اپنے اندر لے کر پھر تم کو اپنی رُوح کے افعال سے نکال لیں، ورنہ اگر وہ جسم سے بھی تمہارے ساتھ نہ ہوتے تو تمہاری خلاصی کی کوئی صورت نہ ہوتی، یا اگر عارفین میں رُوح کا مرتبہ چاہِ دنیا سے خارج نہ ہوتا تب بھی تمہارے اخراج کے لیے وہ کافی نہ تھے، جیسے فرض کرو ڈول سمیت کنویں کے اندر آگرے وہ دوسرے کو نہیں نکال سکتا۔

لیکن واضح رہے کہ یہ ڈول دوسروں کو اسی وقت تک نکال سکتا ہے جب تک کہ اس ڈول کا تعلق رسی کے ذریعے کنویں کے اوپر نکالنے والے کے ہاتھ سے قائم ہو، اسی طرح عارف کے جسم کی صحبت و خدمت و تعلق اسی وقت تک مفید ہے جب تک اس جسم کا علاقہ رُوح سے قائم ہے، ورنہ بعد انتقال ہوجانے کے جب روح کا تعلق جسمِ عارف سے الگ ہوگیا تو اب جسمِ عارف سے طالبین کی تربیت اور تعلیم نہیں ہوسکتی، جیسا کہ عابدینِ قبر (قبر کی پرستش کرنے والے) نادانیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ پھر مولانا فرماتے ہیں کہ عارفین کے اجسام میں اور عوام کے اجسام میں فرقِ عظیم ہے۔ عوام کے اجسام چاہِ دنیا میں لذاتِ دنیویہ کے طالب ہیں اور عارفین کے اجسام لوگوں کو اس چاہ سے نکالنے میں مشغول ہیں۔ عوام کے اجسام کا تمام تر تعلق عالم عناصر سے ہے، اور اس عارف کے جسم کا معتدبہ تعلق حق تعالیٰ سے ہے کَمَا وَرَدَ فِی الْحَدِیْثِ: کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ، وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یَبْصُرُ بِهٖ[۵۰] اور حقیقت یہ ہے کہ عارفین کے مراتبِ قرب اور اُن کی جلالتِ شان کے لائق دنیا میں کوئی مثال نہیں ہے، یہ تمام تمثیلاتِ مذکورہ محض توضیح کی غرض سے لائی گئی ہیں، ان مثالوں سے مماثلت من کل الوجہ نہ سمجھنا چاہیے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، خصوصاً رُوحِ عارف کہ اصل عارف ہے وہ خود غیر محسوس ہے، خصوصاً جب اس میں نسبت مع اللہ کا لحاظ کیا جاوے، پس غیر اشرف میں اشرف کا مماثل اور محسوسات میں غیر محسوس کا مماثل اور متعلقاتِ بماسوی اللہ میں متعلق مع اللہ کا مماثل کہاں پایا جاسکتا ہے۔

(مستفاد من کلید مثنوی)

---

۵۰ صحیح البخاری: ۲/۹۶۲ (۶۵۴۱)، باب التواضع، المکتبة المظهرية

## عارف باللہ کی شان

عارف باللہ کی تنہا ذات لاکھوں انسانوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے، مولانا ارشاد فرماتے ہیں۔

ہاں و ہاں ایں دلق پوشانِ من اند
صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

یعنی اے لوگو! خوب غور سے سُن لو کہ یہ گدڑی پوش ہمارے خاص بندے ہیں، میرے تعلقِ خاص کی برکت سے ان کا ایک تن لاکھوں انسانوں میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے۔

صد ہزاراں مردِ پنہاں در یکے
صد کمان و تیر درجے ناوکے

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں اس کی مثال موجود ہے کہ جب آدمی کسی خاص ادا پر فریفتہ ہو جاتا ہے تو اس معشوق کی جنبش مژگاں میں اس عاشق کو سو(۱۰۰) کمان اور سو(۱۰۰) تیر معلوم ہوتے ہیں، عشق بھی عجیب چیز ہے۔

مجنوں کی طرف سے مولانا فرماتے ہیں:

## مجنوں کا احترامِ عشق

آں سگے کو باشد اندر کوئے او
من بشیراں کے دہم یک موئے او
آں سگے کو گشت در کویش مقیم
خاک پایش بہ ز شیرانِ عظیم

مجنوں کہتا ہے کہ وہ کتّا جو لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے میرے دل میں اس کی اس قدر عظمت ہے کہ میں شیروں کو اس کتّے کا ایک بال بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا، اور وہ کتّا جو

لیلیٰ کی گلی میں مقیم ہے اس کے پیر کی خاک شیرانِ عظیم سے بہتر ہے۔

نسبتِ خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگے کوئے تو شد بے ادبی

ایک عاشق کہتا ہے کہ اے محبوب! میں نے ادبِ عشق سے اپنی نسبت آپ کے کتّے کی طرف کی، لیکن پھر بھی مجھے اس انتساب سے شرمندگی ہے، کیوں کہ آپ کی گلی کے کتّے کی طرف بھی نسبت کرنا طریقِ عشق میں بے ادبی ہے۔ عشق کا راستہ بہت ادب کا راستہ ہوتا ہے۔ طُرُقُ الْعِشْقِ کُلُّھَا اَدَبٌ یعنی عشق کا ہر ایک راستہ سر تاپا ادب کا راستہ ہے۔

ایک مردار لیلیٰ کے عشق میں مجنوں نادان کا یہ حال ہو گیا تھا، یعنی کس درجہ ادب کا غلبہ ہو گیا! تو پھر عشقِ مولیٰ تو عجیب و غریب چیز ہے۔

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

مولیٰ کا عشق لیلیٰ سے کب کم ہو سکتا ہے کہ لیلیٰ فانی اور مخلوق ہے اور مولیٰ باقی اور خالق ہے پس ان کے لیے سر تاپا تابع دار ہو جانا نہایت بہتر ہے۔

اللہ کا عشق جس پر اثر کر جائے اس کا کیا حال ہو گا؟ وہ اللہ جس نے لیلیٰ کو لیلیٰ بنایا تھا اور لاکھوں کو لیلیٰ بناتا ہے اور پھر خاک میں ملا دیتا ہے، اس کی محبّت لیلیٰ کی محبّت سے کب کم ہو سکتی ہے۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

عاشق اللہ تعالیٰ کے راستے کو بہت جلد قطع کر لیتا ہے، کیوں کہ عشق کامل معرفتِ کاملہ سے پیدا ہوتا ہے۔

## معرفت سے محبّت پیدا ہونے کی ایک عجیب مثال

معرفتِ الٰہیہ کے لیے محبتِ الٰہیہ لازم ہے اور محبت موقوف ہے معرفت پر۔

میں اس کی ایک مثال سے توضیح کرتا ہوں اور یہ مثال ایسی ہے جس سے اکثر سابقہ بھی پڑتا رہتا ہے۔ کسی جگہ دو شخص گفتگو کررہے ہیں، ایک دوسرے کو پہچانتا نہیں ہے، ایک تیسرا شخص آتا ہے وہ دونوں میں تعارف کرادیتا ہے، اب یہ دونوں اس جان پہچان کے بعد یک بیک کھڑے ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے کو سینے سے لگالیتے ہیں، اور ان دونوں میں جس درجے کا تعلق ہوتا ہے اسی درجۂ محبّت کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے، اس تعارف کرانے والے کو مُعَرِّف کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور بندوں میں جان پہچان کرانے کے لیے انبیاء علیہم السّلام مُعرِف بناکر بھیجے جاتے ہیں، پھر اُن کے سچے متبعین اور نائبین سے یہ ہی کام حق تعالیٰ لیتے ہیں۔

## طریقِ زہد اور طریقِ عشق

طریقِ زہد اور طریقِ عشق یہ دو طریق وصول الیٰ اللہ کے ہیں۔ طریقِ زہد میں بہت دیر لگتی ہے اور طریقِ عشق بہت جلد مقصود تک پہنچادیتا ہے۔

ہمارے حضرت مرشد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کو یوں سمجھایا کرتے تھے کہ ایک زمین ہے جس میں کھیتی کرنا ہے اور یہ زمین یوں تو غیر مزروعہ ہے، لیکن خاردار درختوں سے پُر ہے، اب اس زمین کو قابلِ زراعت بنانے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ ایک ایک خاردار درخت کو کاٹ کاٹ کر باہر پھینک دیں، اور اس طرح کرتے کرتے عرصۂ دراز کے بعد یہ زمین ایک نہ ایک دن صاف ہوکر قابلِ کاشت ہوجاوے گی، دوسری صورت یہ ہے کہ تمام درختوں پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگادیں اور سب جل کر راکھ کا ڈھیر ہوجاویں۔

عشق آں شعلہ است کوچوں بر فروخت
ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

یعنی عشق وہ شعلہ ہے کہ جب روشن ہوجاتا ہے تو معشوق کے علاوہ تمام غیر ضروری تعلقات کو سوختہ کردیتا ہے۔

بس یہی دوسرا طریقہ طریقِ عشق ہے اور پہلا طریقہ طریقِ زہد ہے۔ قلب میں جس قدر اخلاقِ رذیلہ اور علائقِ فانیہ اپنی جڑ پکڑے ہوئے ہیں ان کو ایک ایک کرکے الگ کرنے میں ایک عمر چاہیے اور اس زمانے میں یوں ہی اوسطاً لوگوں کی عمر زیادہ سے زیادہ صرف ساٹھ یا ستّر کی ہوتی ہے اور اللہ کی محبت کی آگ تمام غیرِ حق کے تعلقات کو سوختہ کردیتی ہے، اس کو ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

صنمارہِ قلندر سزا وار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ ورسم پارسائی

صنم سے مرادِ شیخ کامل ہے، یعنی اے محبوب شیخ! اگر میرے لیے آپ مناسب سمجھیں تو طریقِ عشق سے میرا راستہ قطع کرادیجیے، کیوں کہ طریقِ زہد کا راستہ بہت لمبا ہے۔

## فرق سیر زاہد و سیر عارف

اسی کو حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

سیر زاہد ہر مہے یک روزہ را
سیر عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

کہ زاہد طریقِ زہد سے ایک ماہ میں ایک روز کی مسافت طے کرتا ہے اور عارف کی سیر ہر سانس میں تختِ شاہ تک ہوتی رہتی ہے۔

## مذاقِ قلندری کی تحقیق

حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ”رہِ قلندر“ ایک خاص اصطلاح ہے، ”قلندریہ“ ایک طبقہ اولیائے اللہ میں ہوتا ہے جو ایک خاص مذاق اور ایک مخصوص رنگِ نسبت سے مشرف ہوتا ہے، جن اولیائے اللہ کو ہر وقت حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ ایک خاص کیفیتِ استحضاری نصیب ہوجاتی ہے اور ان کے سر پر ہر وقت نسبت کا گویا ایک پہاڑ رکھا ہوتا ہے ایسے حضرات اگرچہ بظاہر تکثیرِ نوافل اور تکثیرِ

وظائف میں مشغول نظر نہیں آتے ہیں، لیکن ان کے باطن پر کسی وقت غفلت اور ذہول نہیں طاری ہوتا ہے، یہ حضرات تکثیرِ اوراد اور وظائف سے زیادہ اس امر کا اہتمام رکھتے ہیں کہ قلب ایک لمحہ کو بھی حق تعالیٰ شانہٗ سے غافل نہ ہو، اسی مذاق کا نام ''مذاقِ قلندری'' ہے۔

## حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شانِ محبّت

طریقِ عشق میں بڑی برکت ہوتی ہے، محبّت تمام تلخیوں کو آسان کردیتی ہے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب طریقِ عشق سے راستہ قطع کرنے والے تھے، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[۵۱] اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اور جو لوگ میری ذاتِ پاک پر ایمان لائے ہیں یہ اپنے اللہ کی محبت میں نہایت سرگرم ہیں۔'' اللہ تعالیٰ ان کی شدّتِ محبّت کی شہادت دے رہے ہیں اور اس شدّتِ محبت کے ثبوت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ[۵۲]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کے فیض سے ہمیں پہچان گئے ہیں اور ہماری معرفتِ کاملہ کے صدقے میں ہماری محبّتِ کاملہ سے مشرف ہوگئے ہیں اور اس قدر گہرا تعلق میری ذاتِ پاک کے ساتھ ان جانوں کو ہوگیا ہے کہ یہ میری رضا اور خوشی کے لیے اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لیے۔

سر میدان کفن بر دوش دارم

---

۵۱؎ البقرۃ:۱۶۵

۵۲؎ الفتح:۲۹

نعرۂ عشق بلند کررہے ہیں۔ شدّتِ محبّت کے دو پہلو ہوتے ہیں: ایک تو یہ کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ محبوب کی گلی کا ایک ادنیٰ کتّا بھی محبوب ہوجاتا ہے۔

## مجنوں کی حکایت

واقعہ ہے کہ ایک بار مجنوں ایک کتّے کو گود میں لے کر اس کے پیر کی خاک چوم رہا تھا، مخلوق نے کہا: اے مجنوں! یہ تو کیا کررہا ہے؟ مجنوں نے جواب دیا کہ؎

کایں طلسمِ بستۂ مولیٰ ست ایں
پاسباں کوچۂ لیلیٰ ست ایں

یعنی یہ کتّا لیلیٰ کی گلی کا چوکیدار ہے، اس کا حسین نقشہ حق تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے۔

آں سگے کو گشت در کویش مقیم
خاک پایش بہ ز شیرانِ عظیم

وہ کتّا جو لیلیٰ کی گلی میں قیام کرتا ہے اس کے پیر کی خاک بڑے بڑے شیروں سے بہتر ہے۔

آں سگے کو باشد اندر کوئے او
من بشیراں کے دہم یک موئے او

وہ کتّا جو لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے میں اس کا ایک بال شیروں کو کب دے سکتا ہوں۔

اے کہ شیراں مر سگانش را غلام
گفتن امکاں نیست خامش والسلام

محبّت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ محبوب کا دشمن مبغوض ہوجاوے، یہاں تک کہ مبغوضین کی خاص وضع اور ان کے طرز و اطوارِ خاصہ اور ان کے خصوصی شعار سے بھی نفرت ہوجاوے، یہ محبت کا ایک ذاتی خاصہ ہے۔

اور محبّت کا ایک تیسرا پہلو یہ بھی ہے جو ان دونوں پہلوؤں کی رُوح ہے، وہ

محبوب کی اطاعت اور اس کی یاد ہے اور یہ بھی محبّت کی ایک ذاتی صفت ہے، اسی کو صاحبِ قصیدۂ بردہ فرماتے ہیں۔

اَیَحْسَبُ الصَّبُّ اَنَّ الْحُبَّ مُنْکَتِمٌ
مَابَیْنَ مُنْسَجِمٍ مِّنْہُ وَمُضْطَرِمٖ

## محبّت کے دو گواہ

(ترجمہ) کیا عاشق اس بات کا گمان کرتا ہے کہ اس کی محبّت پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ دراں حالیکہ اس عاشق کی آنکھیں محبوب کی یاد میں رونے والی ہیں اور قلب حرارتِ عشق سے مشتعل ہورہاہے، ان دو گواہوں کی شہادت کے بعد اس کا عشق کب چھپ سکتا ہے۔

## حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی شدّتِ محبّت کا ایک رُخ

حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف میں اس مقام پر محبّت کی ان تینوں صفتوں کو بیان فرمایا ہے۔ ایک تو یہ کہ میری محبت کی وجہ سے میرے منکرین سے اور میری شان میں گستاخی کرنے والوں سے یہ لوگ جاں مستانی اور جانبازی کا معاملہ کرنے والے ہیں۔

حُسن جب مقتل کی جانب تیغِ برّاں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری محبت میں جان دینے کے لیے اور جان لینے کے لیے میدانِ جہاد میں اس طرح باہمت کھڑے ہوتے ہیں کہ گویا یہ ایک عمارت ہیں جس کے اندر سیسہ پگھلا کر ڈال دیا گیا ہے۔

مولانا عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بر سرِ مقطوع اگر صد خندق است
پیشِ دردِ او مزاحِ مطلق است

یعنی جو سر عشق سے مقطوع ہو اس کے سامنے اگرچہ سو خندق ہوں لیکن سر برید عشق کے درد کے سامنے یہ صدہا خندق محض ایک مزاح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عشق خونی چوں کند برزہ کماں
صد ہزاراں سر بپولے از زماں

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشق خونی جب چلّہ کمان پر چڑھالیتا ہے تو ہزاروں سر اس وقت میں ایک پیسے میں بک جاتے ہیں۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کی صفت کو حق تعالیٰ نے رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کی صفت پر مقدّم فرمایا ہے، اس میں عجیب راز ہے جس کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عشق از اوّل چرا خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

مولانا فرماتے ہیں کہ عشق کا منظر اوّل وہلہ میں بہت خونی معلوم ہوتا ہے تاکہ غیر عاشق نہ داخل ہوسکے، کیوں کہ دربارِ عشق دربارِ خاص ہے، یہاں تو صرف سراپردۂ جلال ہے، یہاں اس کا گزر کب ہوسکتا ہے جس کے دل میں نفاق اور ملال ہے۔

نماند سراپردہ الّا جلال
بدرد یقیں پردہ ہائے خیال

سوا سراپردۂ جلال کے اور کوئی پردہ باقی نہ رہا، یقین کا نور تمام پردہ ہائے خیال کو پھاڑ دیتا ہے، سراپردہ اس آخری پردہ کو کہتے ہیں جو بادشاہ کے سامنے پڑا ہوتا ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ میں چوں کہ جانبازی کا معاملہ تھا اور جانبازی ہی عشق کا خاص جھنڈا ہے، جو سلطنتِ عشق کو دوسری سلطنتوں سے ممتاز کردیتا ہے۔

من علم اکنوں بصحرا می زنم
یا سر اندازی و یا روئے صنم

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں میدان میں اب اپنی محبّت کا جھنڈا گاڑوں گا یا تو سر دے دوں گا یا محبوب کی زیارت کروں گا، یعنی عاشقین صادقین کو محبوب کے

لیے جان دے دینا آسان ہوتا ہے۔ پس اس آیت میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اوّلاً حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جانبازی کے تمام جہادی کارناموں کا ایک ایسا اجمال رکھ دیا ہے جو تمام تفصیل کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، موقعِ جہاد میں ایسے بھی مواقع حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پیش آئے ہیں کہ باپ صحابی ہے اور مقابلے میں بیٹا کافر ہے، اللہ کی محبّت کی سرگرمی کا مظاہرہ اس وقت قابلِ دید تھا، اس سرزمین کا ہر ذرّہ مست ہوگیا ہوگا کہ میرے اوپر اللہ کی محبّت میں یہ رجال اللہ یعنی اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ کارزار میں آج اپنی اس محبّت کا حق ادا کررہے ہیں۔

## ساقیٔ اَلَسْتُ کا انعام

جو اِن کو ساقیٔ اَلَسْتُ نے روزِ میثاقِ عالمِ ارواح میں پلادی تھی۔

جُرعہ مے ریخت ساقیِ اَلَسْتُ
بر سرِ ایں خاک شد ہر ذرہ مست

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ساقیِ الست نے مئے معرفت اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا ایک جُرعہ اس خاک پر ڈال دیا تھا جس کے فیض سے اس خاک کا ہر ذرّہ مست ہوگیا، عالمِ ارواح سے ہم کو ان ہی کارنامہ ہائے محبت کے لیے الگ کیا گیا ہے، کیوں کہ عالمِ ارواح میں جانبازی اور سراندازی کے آلات نہ تھے، اس عالمِ پاک میں مادّیات کا گزر نہیں ہوسکتا ہے اور یہ آلات ہاتھ، پاؤں، سر، دل، دماغ سب مادّی ہیں اور حق تعالیٰ کو اپنے بندوں کا اپنی راہ میں گرم بازاریٔ عشق کا مظاہرہ دیکھنا منظور تھا، اس لیے عالمِ ارواح سے اس عالمِ ناسوت میں ایک مدّتِ معیّنہ کے لیے آلاتِ محبّت دے کر یعنی اجسَام کا خلعت انعام فرماکر بھیج دیا ہے، جسم تو ہمارا خاکی ہے، لیکن رُوح عالمِ امر سے کٹ کر آئی ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
کز جدائی ہا شکایت می کند

یعنی بانسری کی آواز سنو کہ جس وقت وہ حکایت بیان کرتی ہے، یعنی جب وہ اپنی جدائی کا غم بیان کرتی ہے۔

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

یعنی بانسری کا نالۂ نَے بزبانِ حال یہ کہتا ہے کہ مجھ کو نیستاں یعنی میرے اصل مرکز سے مجھ کو جُدا کر دیا ہے، اسی جدائی کے غم سے آج میرے نالوں سے تمام مرد وزن نالاں ہیں، یعنی میری آواز دردناک سننے والوں پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار اصل خویش

یعنی مولانا قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں کہ ہر شخص جو اپنے اصل مرکز سے دور ہو گا تو پھر وہ اپنے زمانۂ وصل کا طلب گار ہو گا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے رُوح کو بانسری سے تشبیہ دی ہے اور یہ تشبیہ محض سمجھانے کے لیے ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ رُوح کا عالَم، عالَمِ امر ہے اور بانسری عالَمِ ناسوت کی چیز ہے، چہ نسبت خاک را با عالَمِ پاک۔ یہاں تشبیہ من کل الوجوہ نہیں ہے، بلکہ صرف اس جہت سے تشبیہ دی ہے کہ بانسری کو اس کے اصل مرکز سے کاٹ کر جدا کرتے ہیں اور اس بانسری میں رونے کی سی آواز جو نکلتی ہے اس کو نالۂ غمِ جدائی از اصل سے تشبیہ دی ہے۔ پس اسی طرح روح کو اس کے اصل مرکز سے یعنی قربِ خاص عالَمِ امر سے جدا کر کے ایفائے عہدِ الست کے لیے دنیا میں بھیجا ہے۔

اسی کو حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ناف بر ما مہرِ خود ببریدہ اند
عشقِ خود در جانِ ما کاریدہ اند

(اصل شعر میں ”بر مہر او“ اور ”عشق او“ ہے، ضرورت کے لیے ترمیم کر لی گئی ہے)

یعنی حق تعالیٰ نے پیدایش کے وقت میری ناف کو ایفائے عہدِ وفا اور محبت کی شرط پر کاٹا ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالَمِ امر سے بشرطِ ایفائے عہدِ الست جدا فرمایا ہے اور اپنی محبت کو اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ فرما کر ہماری جان میں بو دیا ہے، محبت کا بیج وہیں سے رکھ دیا

ہے، دنیا میں اس کے پھل پھول پیدا ہوں گے۔ اسی کو ہمارے خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

دل ازل سے ہے کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پُرانی وہ ابھر آئی ہے

الحمد للہ! آیت مذکورۃ الصدر پر میری ایک الہامی تقریر ہے، اگر آج میرے مرشد حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز بحیاتِ طیبہ تشریف فرما ہوتے تو اس تقریر کو سُن کر بہت خوش ہوتے اور یہ سب ان ہی کی غلامی کا صدقہ ہے، واللہ! میں کچھ نہیں ہوں، جو لوگ مجھ سے اعتقاد ظاہر کرتے ہیں تو مجھے اپنے اوپر ہنسی معلوم ہوتی ہے کہ اس خالی خولی بندے سے کیوں ایسی عقیدت رکھتے ہیں۔ درحقیقت اچھے اچھے بندے جب اٹھ جاتے ہیں تو بقولِ شخصے ''گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است''یعنی جب گیہوں نہیں ملتا ہے تو لوگ گیہوں کی بُھوسی ہی کو غنیمت سمجھنے لگتے ہیں، وہی حال میرا ہے۔

حضرت حاجی صاحب مہاجر مکّی دادا پیر قدس سرّہ کا ارشاد ہے ؎

جو تھے نوری وہ گئے افلاک پر
مثل تلچھٹ رہ گیا میں خاک پر

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا ارشاد ہے ؎

بلبلوں نے گھر کیا گلشن میں جا
بُوم ویرانے میں ٹکراتا رہا

حضرت مرشدی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نامِ پاک کی طرف جو ایک نام کا انتساب ہے آج اسی کا یہ بے چارے لحاظ کرتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ قیامت کے دن جب حق تعالیٰ مجھ سے دریافت فرمائیں گے کہ میں نے تجھ کو ایسا پیر دیا تھا جو اپنے وقت کا غوثِ زمان اور مجددِ زماں تھا اور روئے زمین پر اجلۂ آیاتِ کبریٰ میں سے ایک ممتاز فرد تھا، ہائے جن کی شان میں رمزی آٹاوی نے خوب لکھا ہے ؎

کہیں مدّت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

تو تُو نے میری اس نعمتِ عظمیٰ اور آیتِ کبریٰ کا کیا حق ادا کیا؟ تو میں اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے اس سوال سے شرمندہ ہو جاؤں گا اور یہی عرض کروں گا کہ اے اللہ! مجھ سے کچھ حق ادا نہ ہوا۔

## تقریر اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ

وہ تقریر اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے روزِ میثاق عالَمِ ارواح سے ایک معاہدہ لیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ وَاَشۡہَدَہُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی ۚۛ شَہِدۡنَا ۚۛ[۵۳]

اور جب کہ آپ کے ربّ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا، اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں، سب نے کہا: کیوں نہیں، ہم سب گواہ بنتے ہیں۔

جب حق تعالیٰ نے ارواح سے یہ سوال فرمایا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں تو اس سوال کے اندر ربوبیت کے انوار موجود تھے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک نور ہے، ان کا کلام نور ہے، اس سوال کے ساتھ ساتھ انوارِ ربوبیت ارواح پر پھیل گئے اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کیا میں تمہارا اللہ نہیں ہوں؟ ربّ فرما کر اپنی ربوبیّت کی تجلّی دکھلا دی۔ اسی سوال میں ارواح نے اپنے رب کو دیکھا اور رب کی ربوبیت کو دیکھا اور دیکھ کر کہا: بَلٰی، ''کیوں نہیں''، یعنی بے شک آپ ہمارے رب ہیں۔ نور کی شان ظاہر لنفسہٖ اور مظہر لغیرہٖ ہے یعنی نور خود ظاہر ہوتا ہے اور

---

۵۳؎ الاعراف: ۱۷۲

اپنے غیر کو بھی ظاہر کر دیتا ہے، پس حق تعالیٰ شانہٗ کی صفتِ ربوبیت کی جب ارواح پر تجلّی ہوئی تو ارواح پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تفصیلی کمال اور اپنی تفصیلی احتیاج و فقر کا انکشاف ہو گیا اور دیکھ کر اقرار کیا کہ بے شک آپ ہمارے رب ہیں۔ جس وقت اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرمایا تو اسمِ پاک ربّ کے انوار نے ارواح کو مست کر دیا۔ ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؂

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لَو شمعِ محفل کی
پتنگوں کے عوض اڑنے لگیں چنگاریاں دل کی
کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؂

جرعۂ مے ریخت ساقیِ اَلَست
بر سرِ ایں خاک شد ہر ذرّہ مست

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ساقیِ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ نے عالمِ ارواح میں اپنی محبت کی شراب کا جو جرعہ خاک پر ڈال دیا تھا اس کے فیض سے ہر ذرّہ خاک کا مست ہو گیا اور اسی دیوانگی اور محبت میں اس خاکی پتلے نے اس امانت کا بار اٹھا لیا جس کے بار سے ہفت آسمان اور زمین کانپ اٹھے تھے، فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا، مگر یہ انکار سرکشی کے سبب نہ تھا، وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا[۵۴] سے اس شبہ کو رفع فرما دیا، یعنی ڈر کے مارے انکار کیا تھا اور انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا۔

## اِطاعت کی صحیح تعریف

محبّت عجیب چیز ہے، احکامِ الٰہیہ کے بار کو محبّت نے بار نہیں سمجھا، محبت

---

۵۴؎ الاحزاب:۷۲

اطاعت کو آسان کر دیتی ہے، اور اطاعت بھی در حقیقت وہی ہے جو محبّت کے ساتھ ہو، کیوں کہ اطاعت طَوْعٌ سے ہے اور طَوْعٌ کراہت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِئۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیۡنَا طَآىِٕعِیۡنَ ﴿۱۱﴾ [۵۵]

سو اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے، دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے زمین اور آسمان مثل زندوں کے غلام ہیں اور ان کی ایک مخصوص حیات ہے، اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند
بامن و تو مُردہ باحق زندہ اند

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مٹی، ہوا، پانی، آگ سب حق تعالیٰ کے سامنے دست بستہ غلام ہیں، ہمارے تمہارے سامنے بظاہر مُردہ ہیں، مگر حق تعالیٰ کے ساتھ ہر ایک کا زندوں جیسا تعلق ہے۔

اور اس آیت میں طَوْعٌ کو کراہت کے مقابلے میں استعمال فرمانا بتاتا ہے اس امر کو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت خوشی خوشی محبّت کے ساتھ مطلوب ہے، یعنی عقلاً اور اعتقاداً کسل اور کراہت نہ ہونا چاہیے، رہا طبعی کسل اور کاہلی، یہ امور غیر اختیاریہ ہیں، جن کا بندہ مکلّف نہیں ہے۔ ہمارے مُرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسلِ طبعی مضر نہیں ہے، کسلِ اعتقادی مضر ہے۔ کسلِ طبعی کبھی صحت کی خرابی سے بھی لاحق ہو جاتی ہے، بعض لوگ نادانی سے احکامِ شرعیہ کو بار سمجھتے ہیں اور یہ شعر حیلہ سازی کے لیے پڑھتے ہیں:

---

[۵۵] حٰمٓ السجدة: ۱۱

## ایک مشہور شعر سے غلط فہمی اور اس کا جواب

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہٗ
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

تو درحقیقت اس شعر کو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف خطاب کرنا سخت گستاخی ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا[۵۶] اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہیں رکھتے ہیں۔

ہم لوگ علائقِ غیر ضروریہ سے اپنے قلب کو مقیّد کرکے ذکر اللہ سے اپنے کو غافل کردیتے ہیں، پھر یہ شکایت کرتے ہیں کہ معمولات میں سُستی اور ناغہ ہوجاتا ہے اور ہمارا دل ہمیں مخاطب کرکے کہتا ہے: او نادان! ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہٗ
باز می گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

ہمارا دل مستحق ہے اس بات کا کہ وہ ہمیں اس شعر سے خطاب کرے، اس شعر کا اصلی مصداق ہمارا نفس ہے، ہم خود ایسے اسبابِ غفلت میں اپنے کو گھیر لیتے ہیں جو ہمیں ذکر اللہ کے لیے فرصت نہیں دیتے، یہی راز ہے جو حق تعالیٰ نے وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ[۵۷] کو خشوع فی الصّلٰوۃ کی آیت کے بعد ارشاد فرمایا ہے، یعنی نماز میں خشوع ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو لوگ تمام لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

## نماز میں خشوع کی تعریف

خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی عظمت کا ایسا دھیان غالب ہوجائے جس سے بندہ دب جائے، نماز میں کھڑا ہے تو اللہ کی عظمت کے سامنے دبا ہوا کھڑا ہے، رکوع

---

۵۶؎ البقرۃ:۲۸۶
۵۷؎ المؤمنون: ۳

میں ہے عظمتِ الٰہیہ کے سامنے دبا ہوا جھکا ہوا ہے، سجدے میں ہے عظمتِ الٰہیہ کے سامنے دبا ہوا پڑا ہے، تو یہ کیفیت ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو لغو باتوں سے بچتے ہیں، اپنے تمام اعضاء کو نافرمانیوں کی گندگی سے بچاتے ہیں۔ جو خارجِ نماز میں اپنی شانِ غلامی کا حق ادا کرتا ہے وہ داخلِ نماز میں بھی غلامی کا تاج سر پر رکھتا ہے، پنجگانہ نمازوں کے درمیانی وقفات اور اوقات میں بھی بندہ غلام ہے، نماز کے بعد آزاد نہیں ہوجاتا ہے کہ اب جو جی چاہے کریں، خواہ جھوٹ بولیں یا کسی عورت پر بد نگاہی کریں یا دل کو ذکر اللہ سے غافل کرکے اسبابِ معاش میں حلال و حرام کی تمیز چھوڑ بیٹھیں۔ بندہ تو ہر وقت بندہ ہے، خارجِ نماز میں بھی بندہ ہے، غلام کی ہر سانس غلام ہوتی ہے۔

## حصولِ خشوع فی الصّلٰوۃ کا طریقہ

جو شخص خارجِ نماز میں اپنے اعضاء کی جس قدر حفاظت کرتا ہے اور گناہوں کی گندگی سے پاک رکھتا ہے اسی قدر داخلِ نماز میں اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص حضوری اور خشوع میسّر ہوتا ہے، یہی وہ بندے ہیں کہ نماز میں بھی غلامی کا تاج سروں پر ہے اور خارجِ نماز میں بھی غلامی کا تاج سروں پر ہے۔

غلامِ نرگسِ مستِ تو تاجدار انند
خراب بادۂ لعلِ تو ہوشیار انند

پیرِ ماسرّ عالَمِ مَستی
با دلِ ہوشیار میگوید

ہمارا پیر عالمِ مستی کا بھید ہوشیار دل سے بیان کرتا ہے۔

## امانتِ الٰہیہ کا بار کس نے اٹھایا؟

الغرض انسان نے روزِ میثاق اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے سوال میں جو انوار اور تجلّیات ربوبیت کے دیکھے تھے اس کی لذّت اور کیفیت نے اس امانتِ الٰہیہ کو یعنی

احکامِ شرعیہ کے بار کو اٹھانے پر آمادہ کر دیا اور خوشی خوشی بزبانِ حال ارواح نے کہا۔

رو رو اے جاں زود زنجیرے بیار

یعنی اے جان! جا اور جلد اس محبّت کی زنجیر کو ہاتھ میں لے لے۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے انوارِ ربوبیت میں میاں نے اپنے کو دکھادیا اور ارواح نے دیکھ کر کہا: بے شک آپ ہمارے ربّ ہیں، لفظِ بَلٰی نفی توڑنے کے لیے استعمال ہوتا ہے (لَانْتِقَاضِ النَّفْیِ) قَالُوْا بَلٰی کا عنوان بتاتا ہے کہ ارواح نے دیکھ کر کہا کہ کیوں نہیں! بدون دیکھے ہوئے ایسا عنوان نکل ہی نہیں سکتا ہے اور اس آیت سے متصلاً شَهِدْنَا فرمانا اس کی اور تائید کرتا ہے، قَالُوْا بَلٰی ۛ شَهِدْنَا ہم سب گواہ بنتے ہیں، یہ گواہی بتاتی ہے کہ ارواح نے انوارِ ربوبیت کو دیکھا اور دیکھ کر گواہی دی کہ ہم سب آپ کی ربوبیت کے گواہ ہیں، شَهِدْنَا سے اس تقریر کی اور بھی تائید ہو جاتی ہے، کیوں کہ شہادت تو دیکھ کر ہی معتبر ہوتی ہے، پیدا فرما کر اپنی تربیت میں رکھ کر تب فرمایا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں، تھے تو اس وقت چیونٹی جیسے، مگر بیج ہی میں تو پورا درخت ہوتا ہے، ارواح نے اپنے وجود کو اور اپنے وجود پر تربیت کے آثار کو دیکھ کر عرض کیا: بے شک آپ ہمارے ربّ ہیں، اُوپر بیتی ہوئی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔

اس تقریر کے بعد میں نے جب حضرت مرشدی قدّس سرّہ کی تفسیر بیان القرآن میں اس مقام کو دیکھا تو بے حد خوشی ہوئی، کیوں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بین القوسین جو عبارت تحریر فرمائی ہے اس میں میری تقریر کی تائید موجود ہے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ سے پہلے بین القوسین یہ عبارت تحریر فرمائی ہے "اور (ان کو سمجھ عطا فرما کر) ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے (اُس عقل خداداد سے حقیقتِ امر سمجھ کر) جواب دیا کہ کیوں نہیں! (واقعی آپ ہمارے ربّ ہیں، حق تعالیٰ نے وہاں جتنے

ملائکہ اور مخلوقات حاضر تھے سب کو گواہ کرکے سب کی طرف سے فرمایا) ہم سب اس واقعے کے گواہ بنتے ہیں۔ صاحبِ ''رُوح المعانی'' نے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے: کَاَنَّہُ الْاٰنَ فِیْ اُذُنِیْ[۵۸] کسی نے آپ سے سوال کیا تھا کہ کیا آپ کو روزِ میثاق کا وہ سوال اللہ تعالیٰ کا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ اور وہ جواب ارواح کا بَلٰی کہنا یاد ہے؟ تو آپ نے فرمایا: مجھے اس طرح یاد ہے کہ گویا میرے کان میں اس وقت بھی وہ آواز گونج رہی ہے۔'' (از تفسیر بیان القرآن)

## اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ میں ذکرِ صفتِ ربوبیت کی حکمت

حق تعالیٰ شانہٗ نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے سوال سے ارواح میں اپنی ربوبیت کی معرفت کی ایک خاص استعداد عطا فرمادی اور اس سوال سے یہ بتادیا کہ ہماری پہچان ہماری صفتِ ربوبیت سے ہوگی، ہماری شانِ ربوبیت ہماری جملہ صفات کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، پس ربوبیت کے باب سے ہماری جملہ صفات کی معرفت ہوجاوے گی۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کو معرفت میں بڑا دخل ہے، کیوں کہ سارے عالم میں ان کی ربوبیت کا کارخانہ پھیلا ہوا ہے جس کو دن رات ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، پردا، پچھوا، گرم، سرد ہوائیں، دریا، پہاڑ، رات دن کا آنا جانا، موسموں کے تغیّرات، ہر درخت، ہر ایک پھول، ہر ایک پتّی اور پتّیوں کے باریک رگ وریشے میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہمارے مشاہدات میں ہے، ہر ذرّے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور معیت کا لگاؤ ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فَذٰلِکُمُ اللہُ رَبُّکُمْ دیکھتے نہیں ہو یہ (کیا ہے؟) تمہارا اللہ تمہارے سامنے ہے جو تمہاری تربیت فرمارہا ہے اور سارے عالم کا پروردگار ہے فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ[۵۹] پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے، پھر کہاں تم پھرے جاتے ہو؟

تمام مصنوعات اور مخلوقات میں تربیت کے سارے تصرفات اللہ تعالیٰ ہی

---

۵۸؎ روح المعانی:۹/۱۰۶،الاعراف(۱۷۲)،داراحیاء التراث،بیروت

۵۹؎ یونس:۳۲

کے دستِ قدرت سے ہو رہے ہیں، اللہ کی ربوبیت اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کو بالکل سامنے کر دیتی ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ [۶۰]

اور یقین لانے والوں کے لیے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا؟

## تقدیمِ صفت شدّت علی الکفار کی حکمت

حق تعالیٰ نے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کی صفت کو مقدم فرما کر منافقین کا قلع قمع فرمادیا، کیوں کہ جان دینا منافق کا کام نہیں ہے۔

کارِ مرداں روشنی و گرمی است
کارِ دُوناں حیلہ و بے شرمی است

یعنی مَردوں کا کام روشنی و گرمی ہے اور کمینوں کا کام حیلہ سازی اور بے حیائی ہے۔ اس صفت کی تقدیم میں بڑے علوم رکھ دیے ہیں۔

عشق اوّل از چرا خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشق کا دروازہ اوّلاً خونی کیوں نظر آتا ہے تاکہ بیرونی لوگ یعنی غیر مخلصین بھاگ جائیں اور جو اپنے محبّ ِ خاص ہیں وہ داخل ہو جائیں۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں
شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

ہمارے حضرت مرشد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وعظ میں عجیب وجد کے ساتھ یہ شعر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

---

[۶۰] الذّٰریٰت: ۲۰۔۲۱

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

عاشق صادق کہتا ہے کہ اے محبوب! دشمن کو یہ نصیب نہ ہو کہ وہ تیری تیغ سے سر بریدہ ہو، ہم دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو ہمارے سروں پر خنجر آزمائی کیا کرے۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر بھی اکثر اس موقع پر پڑھتے تھے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اللہ تعالیٰ نے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ میں حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جس شدّتِ محبت کی شہادت دی ہے اس کے لیے پہلا ثبوت ان کی یہی جانبازیاں ہیں جو میدانِ کارزار میں انہوں نے کرکے دکھادیا۔

## عدمِ اعتبارِ شجاعت قبل جنگ

یوں دعویٰ کرنا محبت میں جاں دہی کا آسان ہے، لیکن کرکے دکھانا امر مشکل ہے۔

گفت پیغمبر سپہدار غیوب
لاشجاعۃ یافتیٰ قبل الحروب

(عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ)

یہ شعر حدیث لَاشُجَاعَةَ قَبْلَ الْحَرْبِ کا ترجمہ ہے، یعنی شجاعت کا اعتبار قبل موقع امتحانِ جنگ نہیں ہوتا اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے میدانِ کارزار میں دکھادیا کہ مومن باپ کی تلوار کافر بیٹے کی گردن پر اللہ کی محبت میں بے دریغ چل جاتی تھی، اولاد کی محبت اللہ کی محبت کے سامنے ان کو استقامت علی الایمان سے ہٹنے نہ دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس امر کی شہادت میں ارشاد فرماتے ہیں:

لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَہُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَہُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَہُمۡ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَ اَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ[۶۱]

حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں: جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخص سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں، گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی ہے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تنِ بیگانہ کاشنا باشد

یعنی ہزار اپنا ہو لیکن اگر خدا سے بیگانہ ہے تو اس سے کیا محبت ہو سکتی ہے، اور ایک بیگانہ ہو لیکن اللہ والا ہو تو میں اس پر قربان ہوں

اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

مہرِ پاکاں درمیانِ جاں نشاں
دل مدہ الّا بمہرِ دل خوشاں

مولانا فرماتے ہیں کہ پاک بندوں کی محبت کو جان میں پیوست کر لو اور دل ہرگز کسی کو نہ دو، مگر ان کو جن کے دل اللہ کی محبت سے اچھے ہوگئے ہیں، اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ[۶۲] وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ میں حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایسی جامع تعریف موجود ہے جو ہر صحابی کے تمام کارنامۂ محبت کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

## صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ کی شدّتِ محبّت کا دوسرا رُخ

محبتِ حق میں ان کی سرگرمی کی ایک شان تو وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی

---

[۶۱] المجادلۃ: ۲۲

[۶۲] الشعرآء: ۸۹

الْكُفَّارِ میں بیان فرمائی گئی اور دوسری شان رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ میں بیان فرمائی گئی ہے، جس طرح یہ اللہ کی خوشنودی کے لیے اللہ کے دشمنوں پر سخت تھے اسی طرح اللہ کی خوشنودی کے لیے اللہ کے دوستوں پر نرم اور رحم دل تھے، جس طرح اپنے ظاہری اور باطنی اعضاء کو پابندِ محبت کر دیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی محبّت میں لگادیا تھا اسی طرح اپنے جذبات اور کیفیات کو اللہ تعالیٰ کی بندگی سکھادی تھی، اب عداوت اور بغض اگر کسی سے ہے تو محض اللہ کے لیے ہے اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ (کسی سے محبت ہو تو خاص اللہ کے لیے ہو اور کسی سے بغض ہو تو اللہ کے لیے ہو) کے سچے مصداق بن گئے تھے۔ یہ محبّت کی دوسری ذاتی صفت ہے کہ محبوب کے دوستوں کے ساتھ محبّت ہو جائے۔

اللہ کی خوشنودی کے لیے ایمان والوں کے ساتھ ایسی اخوّت اور رحمت کا تعلق تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی تعریف میں ارشاد فرماتے ہیں:

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [٦٣]

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ (ان کی رحمت و محبت کا یہ عالم ہے کہ) جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں، اور مہاجرین کو جو کچھ مالِ غنیمت وغیرہ سے ملتا ہے اس سے یہ انصار بوجہ محبّت کے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر محبّت کرتے ہیں کہ اطعام وغیرہ میں ان کو مقدّم رکھتے ہیں، اگرچہ اُن پر فاقہ ہی ہو، یعنی بسا اوقات فاقے سے بیٹھے رہتے ہیں اور مہاجرین کو کھلا دیتے ہیں۔ (بیان القرآن)

حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی کے یہاں ایک صحابی مہمان ہوئے، کھانا کم تھا، جو کچھ تھا حاضر کر دیا، اور چراغ کو گُل کر دیا، خود بھی ساتھ بیٹھ گئے، اور یوں ہی مُنہ کو کھانے والوں کی طرح حرکت دیتے رہے، تاکہ مہمان کو یہ علم نہ ہو کہ میزبان

---

٦٣ الحشر: ٩

کھانا کم ہونے کے سبب نہیں کھا رہا ہے اور اسی مصلحت سے چراغ گُل کر دیا تھا کہ مہمان کو اس خوش حیلہ کا علم نہ ہو سکے۔

میدانِ کارزار میں تیر اور تلوار سے زخم کھائے ہوئے صحابہ العطش العطش یعنی پیاس پیاس کی آواز لگا رہے تھے، ایک شخص پانی لے کر جاتا ہے، ایک زخمی صحابی کو پانی پیش کرتا ہے، قریب سے آواز دوسرے مجروح صحابی کی آتی ہے العطش یعنی پیاس، فوراً لبِ تشنہ کو پانی سے ہٹا لیتے ہیں اور فرماتے ہیں: میرے اس بھائی کو دو جس کی آواز العطش کی آئی ہے، جب یہ پانی ان کے پاس لے جاتے ہیں تو تیسرے زخمی صحابی کی آواز آتی ہے العطش، اس آواز کو سنتے ہی خود پینے سے انکار کر دیتے ہیں اور حکم دیتے ہیں میرے اس پیاسے بھائی کو پلا دو جس نے ابھی آواز دی ہے، العطش یعنی پیاس۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر صحابی اپنی پیاس پر اپنے بھائی کی پیاس کو ترجیح دیتا رہا حتیٰ کہ سب کے سب شہید ہو گئے اور پانی پیالے میں باقی ہی رہ گیا۔ یہ موقعہ جنگ کا واقعہ ہے۔ ایک طرف شدّت علی الکفار کی موج اُٹھتی تھی، تو دوسری طرف رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ کی لہر اُٹھتی تھی۔

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شدّتِ محبّت کا تیسرا رُخ

تیسری صفت جو محبّت کی دونوں شانوں کی رُوح ہے، وہ مالک اور معبودِ حقیقی کی یاد ہے۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ اوست
اے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست

مولانا عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بڑی مبارک وہ آنکھیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں رونے والی ہیں، اللہ تعالیٰ کی یاد میں جو آنسو گرتے ہیں حق تعالیٰ کے نزدیک ان اشکِ محبت کی قدر شہیدوں کے خون کے برابر ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کہ برابر می کند شاہِ مجید
اشک را در وزن باخونِ شہید

شاہِ مجید، یعنی حق تعالیٰ اپنے محبین کے آنسوؤں کو خونِ شہید کے برابر وزن میں شمار فرماتے ہیں۔ اور وہ دل بہت مبارک ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں سوختہ ہو۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شدّتِ محبّت کی اس شان کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا

یہ ہمارے سرگرم محبت ہمارے دشمنوں پر ایسے سخت ہیں کہ یا تو جان لے لیتے ہیں یا جان دے دیتے ہیں، اور ہمارے دوستوں کے ساتھ بڑے مہربان اور رحم دل ہیں اور ہماری یاد تو ان کی اصلی غذا ہے، کبھی ہمارے سامنے ہماری محبت میں رکوع میں جھکے ہوئے ہیں اور کبھی سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ قیام کو اس لیے نہیں فرمایا کہ رکوع کی حالت قیام کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے، پس قیام کا ثبوت اس کے اندر خود مندرج ہے۔ اپنی بندگی اور غلامی کی شان کا اظہار کر رہے ہیں، رکوع کے بعد سجدے میں اپنے کو مٹا رہے ہیں۔

## انسان کی پیدائش میں وحدانیت کی دلیل

انہوں نے اپنی حقیقت کو سمجھ لیا تھا اور اللہ کی عظمت کو پہچان لیا تھا۔ اپنی حقیقت کو یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم ایک قطرۂ مَنی تھے، پھر اس پانی پر میرے اللہ نے میری کیسی صورت گری فرمائی ہے۔

کہ کردست بر آب صورت گری
دہد نطفہ را صورتے چوں پری

یعنی یہ ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک، کان اور ان کے اندر پکڑنے، چلنے، دیکھنے، سونگھنے، اور سننے کے خزانے بخشے، زبان کو گویائی بخشی، دماغ میں عقل کا خزانہ ودیعت فرمایا، ماں باپ کا ظاہری تعلق ضرور ہوا، لیکن وہ صرف اس امانتِ الٰہیہ کو جو حضرت آدم علیہ السّلام سے

منتقل ہوتی آرہی تھی رحمِ ماں میں سپرد کرنے کے لیے تھا، باپ کو صرف اتناہی دخل ہوا کہ جس نطفے میں ہمارے ذرّاتِ آفرینش کو حق تعالیٰ نے غذاؤں کے ذریعے اقصائے عالم سے سمیٹ کر جمع فرمادیا تھا اس امانت کو ماں کے شکم میں پہنچادے اور ماں باپ میں ایسی خواہشات رکھ دیں کہ ان کو اس امانت کے سپرد کرنے میں کچھ مجاہدہ نہ کرنا پڑا، بلکہ ایک خاص لطف اور لذّت کے ساتھ ان کی رحمت بے پایاں ان امانات کو اصلابِ آباء (باپوں کی پشتوں) اور بطونِ امّہات (ماؤں کے شکموں) سے نسلاً بعد نسلٍ منتقل کرتی رہتی ہے۔

اب ماں کے شکم میں جب پہنچے تو اس وقت ہم کیا تھے؟ ایک نجس پانی، جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے ماء مہین سے تعبیر فرمایا ہے (ماء مہین کا ترجمہ ذلیل پانی ہے)۔

یہی ہماری کل پونجی اور ہماری بنیاد تھی، پھر اس محسنِ حقیقی نے اس ذلیل قطرۂ منی کو آنکھ، کان، ناک، ہاتھ، پاؤں، زبان بخشے اور ان کے اندر تمام خزانے بینائی، شنوائی وغیرہ کے رکھ دیے اور ماں باپ کو اس میں کچھ بھی تو دخل نہیں ہے، ماں باپ کو تو خبر بھی نہیں ہے کہ اس نطفے کے اندر کیا بخیہ گری ہورہی تھی، بہت بڑی عبرت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے حجّت تمام فرمادی، کیوں کہ ماں اپنے پیٹ میں بچے کو لیے ہوئے چلتی پھرتی ہے۔ لیکن اس کو خبر نہیں کہ پیٹ کے اندر کیا ہورہا ہے، اس خدائی کارخانے میں ماں باپ کا ہاتھ لگنے نہیں دیا، ورنہ بعض نادان ماں باپ ہی کو اپنا خالق سمجھ بیٹھتے۔ ماں باپ کو نو مہینے تک بالکل بے خبر رکھتے ہیں، تاکہ ان کی اس بے خبری سے ہمارے بندے عبرت حاصل کرلیں کہ ماں باپ اگر خالق ہوتے تو ان کو علم بھی ہماری خلقت کا ہوتا، خالق اپنی مخلوق ہی سے جاہل اور بے خبر ہو، یہ عقلاً محال ہے۔ پس اپنے مشاہدے کے مطابق یقین کرلیں کہ ہم کو ماں باپ نے پیدا نہیں کیا ہے، ماں کے شکم میں کوئی اور ہاتھ تھا، وہی ہمارا اللہ ہے، صرف ان کا ہاتھ نہیں دکھائی دیا، باقی اس ہاتھ کی بخیہ گری جو اس قطرۂ منی پر ہوئی ہے اس کو ہم نو مہینے کے بعد عالَمِ وجود میں مشاہدہ کرلیتے ہیں۔

کیا کوئی دعویٰ کرسکتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں میرا ہاتھ تھا؟ نہ ماں دعویٰ کرسکتی ہے، نہ باپ دعویٰ کرسکتا ہے، تو دوسرا کون دعویٰ کرسکتا ہے؟ اسی کو حق تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں: وَفِيٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ [۶۴] اور خود تمہاری ذات میں ہماری نشانیاں موجود ہیں، تو کیا تم کو سجھائی نہیں دیتا؟ اسی کا نام اپنی حقیقت کو سمجھ لینا ہے۔ جس کی ابتدا ایک ناپاک قطرۂ مَنی سے ہو وہ اپنے کو بڑا سمجھے، تف ہے اس بے غیرتی پر۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے معیّتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار میں اپنی حقیقت سمجھ لی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور برتری پہچان لی، اپنا بندہ ہونا سمجھ گئے، اللہ کا معبود ہونا سمجھ گئے، اپنا سراپا محتاج ہونا اور اللہ تعالیٰ کا اپنا محسن اور پروردگار ہونا سمجھ گئے۔

## حق تعالیٰ کے احسانات کا استحضار محبت پیدا کرتا ہے

اس معرفتِ کاملہ نے ان کو محبتِ الٰہیہ میں سرگرم کردیا، احسان سے آدمی عقلاً اور طبعاً دب جاتا ہے، بشرطیکہ عقلِ سلیم اور طبیعتِ سلیمہ ہو۔ ایک گلاس پانی کسی پیاسے کو کوئی پلادیتا ہے یا کسی مسکین کو ایک وقت کا کھانا شدّتِ بھوک میں کھلادیتا ہے یا کسی ننگے کو کپڑا پہنادیتا ہے تو اس محسن کی طرف سے اس پیاسے اور بھوکے پر کیا کیفیت گزرتی ہے، دنیا میں دن رات اس کے مشاہدات موجود ہیں۔

شدّتِ پیاس میں ایک گلاس پانی، شدّتِ بھوک میں ایک وقت کا کھانا انسان کو عمر بھر کے لیے دبادیتا ہے، اب اگر یہ غریب بھوکا پیاسا بادشاہ بھی ہوجائے۔ لیکن جب کبھی اپنے محسن کو دیکھے گا تو اس احسان کو یاد کرکے اس کے سامنے دَب جائے گا اور اس محسن کے شکر میں اس پر ایک عجیب احسانی کیفیت طاری ہوجائے گی۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

ہم موجود نہ تھے، نہ ہماری طرف سے کوئی درخواست گزری تھی، مگر حق تعالیٰ نے بے مانگے ہم کو وجودِ انسانی بخشا، اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

---

[۶۴] الذّٰریٰت: ۲۱

ما نبودیم و تقاضا ما نبود
لطفِ تو ناگفتۂ ما می شنود

اللہ تعالیٰ کے احسانات کو تو ہم شمار ہی نہیں کرسکتے۔

## عدمِ قدرت برا حصائے نعمِ الٰہیہ

ارشاد فرماتے ہیں: وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا[۶۵] حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کا شمار نہیں کرسکتے ہو اور ارشاد ہوتا ہے: ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا[۶۶] اس لَکُمۡ میں جو لام ہے وہ نفع کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور مَا فِی الۡاَرۡضِ میں لفظِ مَا تمام روئے زمین کی نعمتوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس کے بعد جَمِیۡعًا سے اور تاکید فرمادی۔ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اور وہ ذاتِ پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لیے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب) خواہ کسی قسم کا فائدہ ہو، کھانے کا، پینے کا، پہننے کا، نگاہ کو تازگی بخشنے کا، نفس یا روح کو حظ دینے کا، کسی چیز کو دیکھ کر توحید کے علمِ صحیح حاصل ہوجانے کا۔

## ایک شبہ اور اس کا جواب

اور اس پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ پھر سب چیزیں حلال ہونی چاہئیں، کیوں کہ سب میں کچھ نہ کچھ تو فائدہ ہے ہی، بات یہ ہے کہ صرف کوئی سا فائدہ ہونے سے اس چیز کا قابلِ استعمال ہونا لازم نہیں آتا، کیا سمیات قاتلہ میں بھی کچھ نہ کچھ نفع نہیں ہوتا، پھر اطباء ان کے استعمال سے کیوں روکتے ہیں؟ فقط اسی واسطے کہ گو اس میں نفع ضرور ہے، مگر غالب ضرر ہے، اسی طرح محرماتِ شرعیہ کو سمجھیے کہ گو ان میں کچھ نفع بھی سہی

---

[۶۵] النحل: ۱۸

[۶۶] البقرۃ: ۲۹

ہے، مگر چوں کہ غالب ضرر تھا (جس کے لیے اللہ تعالیٰ کا جاننا کافی ہے ہمارے جاننے کی ضرورت نہیں، جس طرح وہاں طبیب کا جاننا کافی ہے، عوام کا آگاہ ہونا ضروری نہیں) اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو ممنوع الاستعمال ٹھہرا دیا۔ (بیان القرآن)

## ایک اعتراض اور اس کا حل

کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ جب تمام زمین کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفع کے لیے پیدا فرمائی ہیں تو سانپ اور بچھو اور سنکھیا کے زہر تو بجائے نفع پہنچانے کے انسان کے لیے سخت ضرر اور تکلیف کے موجب ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو ان چیزوں سے ہلاکت کی نوبت آجاتی ہے، پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے؟

اس اعتراض کو ہمارے مرشد حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر ''بیان القرآن'' میں حل فرمادیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سانپ، بچھو اور سنکھیا سے اطباء انسان کے بعض امراض کے لیے نہایت مفید دوا تیار کرتے ہیں، سنکھیا کا جب کُشتہ بنالیتے ہیں تو یہ بے مثل اور بے نظیر دوا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بچھو کا بھی کشتہ بنالیتے ہیں، جو کشتۂ عقرب کے نام سے گُردے کی پتھری میں استعمال کرتے ہیں، سانپ کے زہر سے بھی دوائیں بنتی ہیں، حضرت سلیمان علیہ السّلام کے زمانے میں اور حضرت داؤد علیہ السّلام کے زمانے میں ہر گھاس بولتی تھی کہ میں فلاں مرض کی دوا ہوں، میرے اندر فلاں خاصیّت ہے۔

## رُبوبیّتِ الٰہیہ کی تفصیل

اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کے سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے بندوں کے لیے ایک دوا تیار کرنی چاہی اور اس دوا کا نام شِفَآءٌ لِّلنَّاس[۶۷] (یعنی شہد) ہے، اور یہ دوا ایسے اجزاء سے بنے گی جن کا حاصل کرنا آسان نہیں ہے، یہ ہمارا ہی کام ہے اور کسی

---

۶۷؎ النحل: ۶۹

کے بس میں نہیں، لیکن ہم چاہیں گے تو ایک معمولی مخلوق سے کام لے لیں گے، عجیب اُن کی رحمت ہے کہ بندوں کے لیے تمام پھولوں کی اور پھلوں کی لطیف شیرینی سے دوا تیار فرمارہے ہیں، تاکہ کمزور بندے اس کے استعمال سے آرام اور نفع حاصل کریں، اور اس دوا کے لیے شہد کی مکھی کے جی میں الہام فرمایا کہ اس دوا کے اجزا تلاش کر، اور تلاش میں خواہ کتنا ہی دور تک جانا پڑے بے فکری سے جاکر حاصل کر، ہم راستے سے تجھے بھٹکنے نہ دیں گے اور اس دوا کو رکھنے کے لیے پہلے گھر بنالے اور وہ گھر بھی کیا انوکھا گھر ہے! شہد کے الگ خانے ہیں اور مکھیوں کے فضلات کے الگ خانے ہیں۔

شہد کی مکھیوں سے اللہ تعالیٰ نے وہ کام لیا جو بڑی بڑی قوّت والوں سے نہیں لیا۔ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِہَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۶۹﴾[۶۸]

آپ کے ربّ نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر (یعنی چھتّہ) بنالے اور درختوں میں بھی اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں بھی چھتّہ لگالے۔ (چناں چہ ان سب موقعوں پر وہ چھتّہ لگاتی ہے) پھر ہر قسم کے مختلف پھلوں سے جو تجھ کو مرغوب ہوں چوستی پھر، پھر چوس کر چھتّے کی طرف واپس آنے کے لیے اپنے رب کے راستوں پر چل، جو تیرے لیے باعتبار چلنے کے اور یاد رہنے کے آسان ہیں چناں چہ بڑی بڑی دور سے بے رستہ بھولے ہوئے اپنے چھتّے کو لوٹ آتی ہے، پھر جب چوس کر اپنے چھتّے کی طرف لوٹتی ہے تو اس کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے (یعنی شہد) جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کی بہت سی بیماریوں کے لیے شفا

---

[۶۸] النحل: ۶۸، ۶۹

ہے۔ اس میں بھی ان لوگوں کے لیے توحید کی اور خدا کے منعم ہونے کی بڑی دلیل ہے جو سوچتے ہیں۔ (از بیان القرآن)

شہد کی مکھیوں کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیّت کا کتنا بڑا کارخانہ الہام فرمایا ہے اور کیسا کام لیا ہے! پھولوں کی پنکھڑیوں میں سے کسی انسان کا ہاتھ اس رس کو نہیں نکال سکتا، اس کی انگلی بھی وہاں نہیں داخل ہوسکتی تھی جہاں سے اس کی باریک سوئی داخل ہوکر رس کو چوس لیتی ہے۔ اپنے بندوں کے لیے کیا کیا انتظامات فرمائے ہیں، ان مکھیوں سے میاں کی قدرت نے کیا کام لیا ہے، بس انسان سوچتا ہی رہ جائے اور اپنے اللہ کے احسان پر قربان ہو جائے۔ اور ارشاد فرماتے ہیں:

وَ اِنَّ لَكُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً ؕ نُسۡقِیۡكُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡۢ بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیۡنَ ﴿۶۶﴾[۶۹]

اور تمہارے لیے تمہارے مویشی میں غور درکار ہے۔ دیکھو ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون کا مادّہ ہے اس کے درمیان میں سے دودھ کا مادّہ کہ وہ ایک حصہ خون کا ہے جس کو بعد ہضم کے جُدا کرکے تھن کے مزاج سے اس کا رنگ بدل کر اس کو صاف اور گلے سے آسانی سے اترنے والا دودھ بنا کر ہم تم کو پینے کو دیتے ہیں۔

اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ پیٹ میں ایک طرف گوبر ہوتا ہے اور ایک طرف خون اور دونوں کے درمیان میں دودھ رہتا ہے، بلکہ پیٹ میں جو غذا ہوتی ہے، اس میں وہ اجزا جو آگے چل کر دودھ بنیں گے اور وہ اجزا جو گوبر بن جائیں گے۔ سب مخلوط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جُدا جُدا کرتے ہیں، کچھ گوبر بن کر دفع ہو جاتا ہے، اور کچھ ہضم کبدی میں اخلاط بنتے ہیں، جن میں خون بھی ہے، پھر اس خون میں وہ حصہ جو آگے چل کر دودھ بنے گا اور وہ حصہ جو دودھ نہ بنے گا، یہ دونوں مخلوط ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایک حصہ جدا کرکے پستان تک پہنچا دیتا ہے اور وہاں پہنچ کر وہ دودھ بن جاتا ہے، جیسا کہ انثیین میں خاصیت رکھی ہے کہ خون وہاں پہنچ کر مادّۂ منویّہ بن جاتا ہے۔ پس اجزائے دَمویّہ خاصّہ جو

[۶۹] النحل:۶۶

آخر میں مستحیل الی اللّبن ہوتے ہیں،یعنی جو اجزا خون کے آخر میں جاکر دودھ ہوتے ہیں وہ ایک بار تو اُن اجزا سے جدا کیے گئے جو گوبر بنتے ہیں اور دوسری بار اُن اجزا سے جُدا کیے گئے ہیں جو صرف خون رہنے والے تھے،اور دودھ نہیں بننے والے تھے۔

اور شہد کی مکھی جو ایک زہریلا جانور ہے، چناں چہ اس کے کاٹنے سے شدید درد ہوتا ہے،اس کے اندر سے شہد کا پیدا فرمانا جو تریاق اور شفا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ عجیبہ ہے۔ (از بیان القرآن)

## ظہورِ شانِ ربوبیت سے توحید پر استدلال

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمۡ مِّنۡہُ شَرَابٌ وَّ مِنۡہُ شَجَرٌ فِیۡہِ تُسِیۡمُوۡنَ ﴿۱۰﴾ یُنۡۢبِتُ لَکُمۡ بِہِ الزَّرۡعَ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ النَّخِیۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۱۱﴾

اور وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ ایسے صاحبِ قدرت ہیں جنہوں نے تمہارے واسطے آسمان سے پانی برسایا، جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور جس سے درخت پیدا ہوتے ہیں، جن میں تم اپنے مویشی کو چرنے چھوڑدیتے ہو اور اس پانی سے تمہارے فائدے کے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگاتے ہیں۔ بے شک اس مذکور میں سوچنے والوں کے لیے توحید کی دلیل موجود ہے۔

وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ۙ وَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۲﴾ [ی]

اور اُس اللہ نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر بنایا، اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں۔ بے شک اس میں عقل مند لوگوں کے لیے توحید کی چند دلیلیں موجود ہیں۔

---

ی النحل: ۱۲-۱۰

وَمَا ذَرَاَ لَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہٗ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّذَّکَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾

اور اسی طرح اُن چیزوں کو بھی مسخرِ قدرت بنایا جن کو تمہارے فائدے کے لیے اس طور پر پیدا کیا ہے کہ ان کے اقسام یعنی اجناس و انواع و اصناف مختلف ہیں (اس میں تمام حیوانات و نباتات و جمادات، بسائط و مرکّبات داخل ہوگئے) بے شک اس مذکور میں سمجھ دار لوگوں کے لیے توحید کی دلیل موجود ہے۔(از بیان القرآن)

وَ ہُوَ الَّذِیۡ سَخَّرَ الۡبَحۡرَ لِتَاۡکُلُوۡا مِنۡہُ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّ تَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡہُ حِلۡیَۃً تَلۡبَسُوۡنَہَا ۚ وَ تَرَی الۡفُلۡکَ مَوَاخِرَ فِیۡہِ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ وَلَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ وَ اَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ وَ اَنۡہٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿ۙ۱۵﴾ وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجۡمِ ہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنۡ یَّخۡلُقُ کَمَنۡ لَّا یَخۡلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۸﴾[اے]

اور وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے دریا کو بھی مسخرِ قدرت بنایا، تاکہ تم اس میں سے تازہ تازہ گوشت یعنی مچھلی نکال نکال کر کھاؤ اور تاکہ اس میں سے موتیوں کا گہنا نکالو، جس کو تم مرد و عورت سب پہنتے ہو اور اے مخاطب! اس دریا کا ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ تو کشتیوں کو خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی ہوں، جیسے جہاز تو ان کو دیکھتا ہے کہ اس دریا میں اس کا پانی چیرتی ہوئی چلی جارہی ہیں اور نیز اس لیے دریا کو مسخرِ قدرت بنایا تاکہ تم اس میں مالِ تجارت لے کر سفر کرو اور اس کے ذریعے سے خدا کی روزی تلاش کرو اور تاکہ ان سب فائدوں کو دیکھ کر اس کا شکر ادا کرو اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ دیے، تاکہ وہ زمین تم کو لے کر ڈگمگانے اور ہلنے نہ لگے، اور اس نے چھوٹی چھوٹی نہریں اور رستے بنائے تاکہ ان رستوں کے ذریعے سے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکو اور ان راستوں کی پہچان کے

---

اے النحل:۱۸-۱۴

لیے بہت سی نشانیاں بنائیں، جیسے پہاڑ، درخت وغیرہ جن سے راستہ پہچانا جاتا ہے، ورنہ اگر تمام زمین کی سطح یکساں حالت پر ہوتی تو راستہ ہرگز نہ پہچانا جاتا، اور ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں، چناں چہ ظاہر و معلوم ہے۔ سو جب اللہ تعالیٰ کا خالقِ اشیائے مذکورہ ہونا اور اس میں اس کا منفرد ہونا ثابت ہوچکا تو کیا جو پیدا کرتا ہو یعنی اللہ تعالیٰ وہ اس جیسا ہوجاوے گا جو پیدا نہیں کرسکتا، کہ تم دونوں کو معبود سمجھنے لگے، تو اس میں اللہ تعالیٰ کی اہانت ہے کہ اس کو بتوں کے برابر کردیا۔ پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اوپر دلائلِ توحید میں اپنی نعمتیں بتلائی ہیں اُن پر کیا حصر ہے، وہ تو اس کثرت سے ہیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کو گننے لگو تو کبھی نہ گن سکو گے۔ مگر مشرکین شکر اور قدر نہیں کرتے اور یہ جرم اتنا عظیم تھا کہ نہ معاف کرانے سے معاف ہوتا، اور نہ اس جرم پر اصرار کے باوجود یہ نعمتیں ملتیں، لیکن واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے اور بڑی رحمت والے ہیں کہ کوئی شرک سے توبہ کرے تو مغفرت ہوجاتی ہے۔ اور نہ کرے جب بھی تمام نعمتیں حیات تک منقطع نہیں ہوتیں۔ اور یہاں دنیا کی نعمتوں کے فائض ہونے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کافروں کو کبھی سزا نہ ہوگی۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾[۲۷]

کیوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے پوشیدہ اور ظاہری احوال سب جانتے ہیں، پس ان کے موافق سزا دیں گے، یہ تو حق تعالیٰ کے خالق اور منعم ہونے کا بیان تھا، اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں، اور اوپر قاعدہ کلیہ گزر چکا ہے کہ غیر خالق اور خالق مساوی نہیں ہوسکتے ہیں۔ پس خالق کے علاوہ

---

۲۷ے النحل: ۱۹-۲۲

دوسرے یہ معبودین کیسے مستحقِ عبادت ہوسکتے ہیں اور یہ معبودین مردہ اور بے جان ہیں (خواہ دواماً جیسے بت یا فی الحال جیسے جو مرچکے، اور یا فی الحال جو مریں گے مثلاً فرشتے اور جنّ اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام وغیرہم) زندہ رہنے والے نہیں ہیں۔ پس خالق تو کیا ہوتے۔ اور ان معبودین کو اتنی بھی خبر نہیں کہ قیامت میں مُردے کب اٹھائے جائیں گے؟ (یعنی بعض کو علم نہیں اور بعض کو بالتعیین معلوم نہیں اور معبود کے لیے علم تو محیط چاہیے، خصوصاً بعث بعد الموت کا کہ اس پر جزا ہوگی عبادت اور عدم عبادت کی۔ تو اس کا علم تو معبود کے لیے بہت ہی مناسب ہوا، پس خدا کے برابر تو علم میں کیا ہوں گے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ) تمہارا معبود برحق ایک ہی ہے۔ تو اس ایضاحِ حق پر بھی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اسی لیے ان کو ڈر نہیں کہ توحید قبول کریں، معلوم ہوا کہ ان کے دل ہی ایسے ناقابل ہیں کہ معقول بات کے منکر ہورہے ہیں اور معلوم ہوا کہ وہ قبولِ حق سے تکبّر کرتے ہیں۔" (بیان القرآن)

## ایک اشکال اور اس کا حل

اب کوئی یہ اشکال پیش کرسکتا ہے کہ مشرکین اور کفار جب قبولِ حق سے تکبّر کرتے ہیں تو ان دشمنوں کے اوپر دنیا ہی میں ان کی زندگی کو حق تعالیٰ تلخ فرمادیتے اور تنگیٔ معیشت اور تکلیف دہ امراض میں مبتلا فرمادیتے، حالاں کہ حال اس کے برعکس ہے۔ چناں چہ کفار اکثر بڑے بڑے عیش وراحت کے سامان میں چین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تو اس اشکال کو ہمارے حضرت مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب مثال سے حل فرمایا ہے۔ فرمایا کہ جج جب قتل کے ملزم کو پھانسی کی سزا سنادیتا ہے تو بطور مراحمِ خسروانہ سپاہیوں کو حکم کرتا ہے کہ اس ملزم کی جو خواہش ہو اس کو پوری کردو۔ خوب مٹھائیاں اور پوریاں کھلادو، بال بچوں کو دیکھنا چاہے تو دکھادو، تو کیا جج کی اس عنایت کو کوئی دوسرا شخص دیکھ کر اس راحت وعیش کی تمنا کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس یہی حال کفار ومشرکین کا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے علم میں ان کے لیے چوں کہ ابد الآباد تک کے لیے جہنّم کی سزا کو تجویز کرلیا ہے اس لیے چند دن کے لیے متاعِ قلیل کو ان کے

سپرد فرمادیا ہے۔ اسی کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ [۷۳]

اللہ تعالیٰ کافروں کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم تھوڑے دن اور کھالو اور چند روزہ حیاتِ دنیویہ کو برت لو، عن قریب کم بختی آنے والی ہے۔ تم بے شک مجرم ہو۔ اس روز حق کے جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کافروں کو ایک گھونٹ پانی نہ دیتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الدُّنْيَا جِيْفَةٌ وَّطَالِبُوْهَا كِلَابٌ [۷۴]

'دنیا ایک مردار چیز ہے اور اس کے چاہنے والے کتّے ہیں۔

اور حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو کافروں کے مکانات سب سونے چاندی کے بنادیتے۔ لیکن ہمارے بندے فتنے میں مبتلا ہو جاتے، یعنی سب کے سب کافر ہو جاتے۔ واضح رہے کہ نافرمان بندے باوجود سامانِ عیش و راحت کے تلخ زندگی میں رہتے ہیں۔

از بروں چوں گورِ کافر پُر حلل
واندروں قہرِ خدائے عزّ و جل

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باہر سے کافر کی قبر پر خوب پھولوں کے ہار ہیں اور بینڈ باجے ہیں اور اندر قبر کے خدائے عزّ و جل کا قہر ہو رہا ہے۔ دنیا میں بھی نافرمانوں کا یہی حال ہے کہ ان کے قلوب ہزاروں عیش کے ہوتے ہوئے بھی بے چین اور پریشان رہتے ہیں، کیوں کہ قلب کی راحت کا مدار اللہ تعالیٰ کی یاد پر ہے۔ غافل قلب کو اطمینان میسّر نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگ اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ جب دل کو فلاں فلاں کاموں سے اطمینان ہو جائے تو ذکر شروع کریں، پھر جب وہ کام پورے

---

۷۳؎ المرسلٰت: ۴۶-۴۷

۷۴؎ کشف الخفاء ومزیل الإلباس: ۱/۴۶۴، حرف الدال المهملة، دار الکتب العلمیة، بیروت

ہو جاتے ہیں تو دوسرے کام پیش آجاتے ہیں۔ اسی طرح ساری زندگی انتظارِ اطمینان میں بے ذکر کے گزر جاتی ہے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ذکر کے لیے جمعیتِ خاطر کا انتظار نہ چاہیے، جس حال میں ہو بس ذکر کی پابندی شروع کر دو، ذکر ہی سے اطمینان بھی میسّر ہو گا، اطمینان خود موقوف ہے ذکر پر، ذکر کے لیے اطمینان کا کہاں سے انتظار کرتے ہو۔

## ایک حکایت

ایک واقعہ یاد آیا۔ حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ میں فرمایا تھا کہ ایک شخص کو حضرت خضر علیہ السّلام سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ اتفاق سے کہیں ملاقات ہو گئی، تو اس شخص نے دعا کی درخواست کی۔ حضرت خضر علیہ السّلام نے فرمایا: بھائی! کس بات کی دعا کریں؟ عرض کیا کہ اطمینانِ قلب میسّر ہونے کی دعا کر دیں۔ فرمایا: جس شخص کو تم بڑے چین اور اطمینان میں پاتے ہو اس جیسا تمہیں ہو جانے کی دعا کر دوں اور تم کو اس کے لیے چھ ماہ کی مہلت دیتا ہوں، اتنی مدت میں تم تلاش کر لو کہ کون آدمی بڑے عیش و راحت سے اپنی زندگی گزارتا ہے۔

چھ مہینے تک یہ شخص تلاش کرتا رہا۔ بالآخر ایک جوہری پر اس کی نظرِ انتخاب پڑی۔ وہ جوہری بڑے درجے کا رئیس تھا۔ اس کے نوکر چاکر، مال و دولت اور عالی شان مکان کو دیکھ کر اس کو حرص ہوئی کہ اس جیسا بننے کی دعا کراؤں گا، لیکن دل میں خیال گزرا کہ ذرا اس سے معلوم بھی کر لیں کہ بھائی! تمہاری زندگی کیسی گزرتی ہے؟ چناں چہ اس شخص نے جوہری سے دریافت کیا اور اس سے اپنا سب قصّہ بھی کہہ سنایا۔ اس جوہری نے رو کر کہا کہ بھائی! خدا کے لیے مجھ جیسا ہونے کی دعامت کرانا، بڑی تلخ زندگی ہے میری، بڑا غم زدہ ہے میرا حال۔ پھر اس جوہری نے اپنا سب قصّہ سنایا کہ میری ایک حسین بیوی تھی، جس پر میں عاشق تھا، ایک بار وہ قضائے الٰہی سے بیمار ہوئی، تو اس نے کہا کہ تمہارا عشق سب زبانی ہے، میرے مرنے کے بعد تم دوسری شادی کر لو گے۔ بس غلبۂ محبت میں مجھے ایسا جوش آیا کہ میں نے اپنا عضوِ مخصوص ہی کاٹ دیا، تاکہ

عشق کا اس کو یقین ہو جائے اور میں نامرد ہو گیا۔ مشیت ایزدی کہ وہ اچھی ہو گئی، اب میں نامرد ہوں اور اس نے میرے نوکروں سے بُرا تعلق قائم کر رکھا ہے۔ مجھے اس امر کی اطلاع ہر وقت خودکشی کے لیے آمادہ کرتی ہے۔ ایک ایک لمحہ میری زندگی کا مشکل سے کٹتا ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

راہِ لذت از دروں داں و ز بروں
ابلہی داں جُستنِ قصر و حصوں
آں یکے در کنجِ مسجد مست و شاد
واں یکے در باغ ترش و بے مراد

مولانا فرماتے ہیں کہ لذّت کا راستہ داخل سے جان، نہ کہ خارج سے۔

## اطمینان اور لذت کا مدار اسبابِ خارجیہ پر نہیں ہے

یعنی لذت کا مدار اسبابِ خارجیہ پر نہیں ہے، بلکہ اس کا مدار قلب پر ہے۔ اس میں چین ہوتا ہے تو اسبابِ ظاہرہ اگرچہ خلافِ طبع ہی کیوں نہ ہوں اطمینان میسر رہتا ہے، اور اطمینانِ قلب بدون ذکر اللہ کے میسر نہیں ہوتا، کیوں کہ دل کے خالق نے اس کی غذا صرف اپنی یاد رکھی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ﴿۲۸﴾[۷۵]

خوب غور سے سن لو کہ دلوں کو اطمینان صرف میری ہی یاد سے میسر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص گوشۂ مسجد میں مست اور شاد ہے اور بظاہر مسجد میں کوئی سامانِ عیش موجود نہیں اور ایک شخص باغ میں ترش رو اور نامراد و غمگین بیٹھا ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ پہلے شخص کے قلب میں کوئی خوشی کا خیال ہے اور دوسرے شخص کے قلب میں کسی غم کا خیال ہے۔ بڑے بڑے سلاطین کو افکارِ سلطنت سے نیند نہیں آتی، اس

---

۷۵؎ الرعد:۲۸

مقصد کے لیے تنخواہ دار قصّہ گو رکھتے ہیں، تاکہ قصّوں سے خیالات یکسو ہوں اور نیند آجائے، اور ایک بوریا نشین اللہ والا چین اور اطمینان کے ساتھ پاکیزہ زندگی گزارتا ہے، کیوں کہ اللہ والا صرف اللہ کی محبت کا لذیذ غم اپنے دل میں رکھتا ہے اور زبانِ حال سے یہ کہتا ہے ؎

فکرِ ایں و آں نے جب مجھ کو پریشاں کر دیا
میں نے سَر نذرِ جنونِ فتنہ ساماں کر دیا
اب تو میں ہوں اور شغلِ یادِ دوست
سارے جھگڑوں سے فراغت ہوگئی

(خواجہ مجذوبؔ)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو شخص ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ اختیار کرتا ہے اس کو ہم ایک ستھری زندگی عطا فرماتے ہیں۔

## حیاتِ طیّبہ کی تعریف

ستھری زندگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پلاؤ قورمہ کھانے کو ملتا رہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ میری مرضی کے مطابق زندگی گزرتی ہے اور میری یاد سے اس کا دل چین میں رہتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اسبابِ تکلیف ہی کے کیوں نہ ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نے جب اپنے ساتھی سے قید خانے میں یاری چاہی تھی کہ جب تم بادشاہ کے روبرو جاؤ تو میرا بھی ذکر کرنا، تاکہ مجھے بھی اس حبس سے خلاصی مل جائے، اسی کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَقَالَ لِلَّذِیۡ ظَنَّ اَنَّہٗ نَاجٍ مِّنۡہُمَا اذۡکُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّکَ [۷۶]

اور جس شخص پر رہائی کا گمان تھا اس سے یوسف علیہ السّلام نے فرمایا کہ اپنے آقا کے

---

۷۶ یوسف:۴۲

سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا، لیکن شیطان نے اس کو اس بات کی نقل سے بُھلا دیا اور آپ سات برس تک قید میں رہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کے درجات کو اسی طرح بلند فرماتے ہیں۔ چناں چہ حضرت آدم علیہ السّلام خلیفۃ اللہ فی الارض علمِ الٰہی میں تو پہلے ہی سے تھے، لیکن وہ خلافت ملے گی کب، جب رلائیں گے تب، رلا کر سر پر خلافت کا تاج رکھا، صاحبِ سبحۃ المرجان نے اپنی کتاب ''سبحۃ المرجان'' میں تحریر کیا ہے:

## حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری

کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی لغزش پر اس قدر روئے ہیں کہ آپ کے آنسوؤں سے چھوٹے چھوٹے چشمے پیدا ہوگئے اور اسی پانی سے حق تعالیٰ نے خوشبودار پھول پیدا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ندامت اور گریہ وزاری سے آپ کی عبدیت کو پختہ فرما کر اس درجے پر پہنچا دیا جس درجۂ عبدیت پر کہ تاجِ خلافت عطا ہونا علمِ الٰہی میں تجویز ہوا تھا۔

## قصّۂ حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السّلام نے اس قیدی سے اپنی خلاصی کے متعلق جو بات کہی تھی اس پر حق تعالیٰ نے آپ کو ادب سکھلایا کہ یہ استعانت اگرچہ ناجائز نہیں، لیکن آپ کے شایانِ شان نہ تھی۔ آپ کی شانِ نبوّت کا مقتضٰی یہ تھا کہ فاضل کو چھوڑ کر افضل کو اختیار فرماتے، یعنی صرف مجھ سے درخواست کرتے، چناں چہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس شانِ عتاب کو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے بایں انداز بیان فرماتے ہیں ؎

کہ چہ تقصیر آمد از خورشید داد
تا تو چوں خفاش افتی در سواد

کون سی کمی ہوئی تھی خورشید عطا کی طرف سے جس سے تم خفاش کی طرح ظلمتِ شب میں پڑ جاؤ۔

ہیں چہ تقصیر آمد از بحر و سحاب
تا تو یاری خواہی از ریگ و سراب

”ہاں کون سی کمی تھی بحر و سحاب کی طرف سے جس سے تم ریگ اور سراب سے یاری چاہنے لگو۔“

عام اگر خفاش طبعند و مجاز
یوسفا داری تو آخر چشم باز

”عوام اگرچہ خفاش طبع اور مجاز پرست ہیں، مگر اے یوسف! آخر تم تو چشم کشادہ رکھتے تھے۔“

گر خفاشے رفت در کور و کبود
باز سُلطاں دیدہ را بارے چہ بود

”اگر کوئی خفاش کوری و کبودی میں چلا گیا تو تعجب نہیں، مگر اس باز کو جو سلطان کو دیکھے ہوئے ہو کو آخر کیا ہو گیا۔“

پس ادب کردش بدیں جرم اوستاد
کہ مساز از چوب بوسیدہ عماد

”پس اس لغزش پر اُن کو مصلحِ حقیقی نے تادیب فرمائی کہ آئندہ کو چوب بوسیدہ سے ستون مت بنانا۔“

لیک یوسف را بخود مشغول کرد
تا نیاید در دلش زاں حبس درد

”لیکن چوں کہ اس حالت میں بھی یوسف علیہ السّلام مقبول و محبوب تھے، اس لیے عین اس عتاب میں یہ عنایت بھی فرمائی کہ یوسف علٰی نبیّنا وعلیہ السّلام کو اپنے میں مشغول فرمالیا، یعنی تجلیاتِ خاصہ میں مستغرق فرمادیا کہ ان کے دل میں اُس حبس سے کلفت نہ پیدا ہو۔“

آں چنانش انس و مستی داد حق
کہ نہ زنداں یادش آمد نہ غسق

”یعنی ان کو حق تعالیٰ نے ایسا اُنس اور سُکر عطا فرمایا کہ ان کو نہ زنداں کا خیال، نہ تاریکی کا جو زنداں میں تھی۔“

## قصہ حضرت ایوب علیہ السلام

حق تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السّلام کو جب طویل بیماری میں مبتلا فرمایا تو جسم میں جو کیڑے پڑ گئے تھے ان کی محبت آپ کے دل میں ایسی ڈال دی کہ اولاد کی طرح کیڑوں کو چاہتے تھے۔ ان کی محبّت اس درجہ تھی کہ اگر کوئی کیڑا جسم سے باہر نکلتا تو آپ اس کو پکڑ کر اپنے جسم میں رکھ لیتے۔ اسی کو حضرت عارف باللہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دادہ من ایوب را مہرِ پدر
بہر مہمانئ کرماں بے ضرر

یعنی میں نے ایوب علیہ السّلام کے قلب میں کیڑوں کی مہمانی کے لیے باپ کی سی محبّت دی تھی، یعنی اولاد کی طرح سے کیڑوں پر اُن کو شفقت عطا فرمائی۔ پھر جب حضرت ایوب علیہ السّلام کے ابتلا اور امتحان کا زمانہ ختم ہوا تو آپ فرمایا کرتے تھے: نعمتِ صحت پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں، لیکن حق تعالیٰ کی اُس مزاج پُرسی کی لذّت یاد آتی ہے جو صبح و شام دریافت حال فرمانے کے لیے ارشاد فرماتے تھے کہ اے ایّوب! کیسا مزاج ہے؟ صبح کی ہم کلامی شام تک ایک خاص حالتِ سُکر میں رکھتی تھی اور شام کی ہم کلامی صبح تک اسی کیف میں مستغرق رکھتی تھی، اب وہ لذّت میاں کی ہم کلامی اور مزاج پُرسی کی نہ رہی۔ اکبر الٰہ آبادی نے خوب کہا ہے کہ۔

عیادت کو آئے شفا ہو گئی
علالت ہماری دوا ہو گئی

تماشائے مقتل کو آئے جو وہ
تڑپنے کی لذّت سوا ہوگئی

## قصّہ حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ ابو الحسن خرقانی کی بیوی بڑی تند مزاج تھیں۔ شیخ کی زندگی کو اپنی بد خلقیوں سے تلخ کر رکھا تھا۔ ایک بار ایک مرید حضرت شیخ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے، شیخ جنگل تشریف لے جاچکے تھے، مرید نے دروازے پر آواز دی، شیخ کی اہلیہ نے کہا کہ کیوں آئے ہو؟ مرید نے بصد احترام حضرت شیخ کا نام لیا اور عرض کیا کہ زیارت کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ بیوی نے شیخ کا نام سنتے ہی سینکڑوں شکایتیں شیخ کی بیان کرکے کہا کہ احمق ہوئے ہو، کیوں عمر ضایع کرنے کے لیے اتنا طویل سفر کیا؟ مجھ سے زیادہ شیخ کی حقیقت سے کون آگاہ ہوسکتا ہے؟ مرید بہت آزردہ خاطر ہوا، اور روتا ہوا جنگل کی طرف سے گزرا، دیکھتا ہے کہ وہ مظہر عشق اور محبوبِ حق شیر پر بیٹھے ہوئے لکڑی کا ایک گٹھّا بھی شیر پر لادے ہوئے اور سانپ کا کوڑا ہاتھ میں لیے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت شیخ نے مرید کی افسردگی سے سمجھ لیا کہ یہ بے چارہ گھر میں کا تنگ کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: کچھ غم نہ کرو، حق تعالیٰ نے بیوی ہی کی بدمزاجی پر صبر سے مجھے یہ درجہ عطا فرمایا ہے۔

گر نہ صبرم می کشیدے بارِ زن
کے کشیدے شیر نر بیگارِ من

”اگر بیوی کا بار میرا صبر نہ کھینچتا تو یہ شیر نر کب میری بیگار اٹھاتا۔“

## قصّہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جب غدر کے زمانے میں عرب ہجرت کرگئے، تو وہاں آپ کا کوئی اس وقت شناسا نہ تھا۔ چالیس روز تک فاقے ہوتے رہے، یہاں تک کہ فرض نماز کھڑے ہوکر ادا کرنے کی

طاقت نہ باقی رہی۔ ایک روز سجدے میں رو کر عرض کیا کہ اے اللہ! یہ امداد اللہ آپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے در پر سوال نہیں کر سکتا۔ اسی رات آپ نے خواب میں ایک ہاتفِ غیبی سے سنا کہ یہ خزانے کی کنجی لے لو۔ آپ نے عرض کیا کہ میں خزانہ نہیں چاہتا ہوں، بس یہ چاہتا ہوں کہ صرف اللہ کا محتاج رہوں، کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ اس کے بعد پھر آپ کو کبھی فاقے کی تکلیف نہ ہوئی، اور فتوحاتِ غیبیہ کھل گئیں اور کچھ دن بعد تو جوق در جوق طالبین آنے لگے اورآپ شیخ العرب و العجم ہو گئے۔ لیکن حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانۂ تنگی اور فاقہ زدگی میں حق تعالیٰ کی طرف سے جو انوار اور فیوض اور نفحاتِ کرم قلب پر وارد ہوتے تھے اس لطف کو اب دل ترستا ہے۔

## اللہ والوں کا اپنی گدڑی میں اطمینان

اللہ والے اپنے پیوندی لباس اور بوریا نشینی میں جس چین اور محبتِ الٰہیہ کی لذّت میں رہتے ہیں اگر سلاطین کو ان کی اس باطنی لذّت کی خبر ہو جائے تو تلواریں لے کر چڑھائی کر دیں۔ لیکن یہ نعمت تلواروں سے نہیں ملتی ہے، یہ نعمت تو کسی اللہ والے کی جوتی سیدھی کرنے ہی سے ملتی ہے، اور وہ اللہ والا اپنی اس شکستہ حالی میں بزبانِ حال یہ کہتا ہے کہ ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم
مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

اگرچہ ہم قلاش اور دیوانے ہیں لیکن دنیائے مردار کے طالب نہیں ہیں، اس ساقیٔ ازل اور اس پیمانے کے مست ہیں جس نے روزِ ازل اپنے دستِ کرم سے ہمیں پلایا تھا۔

## انسان کے خمیر میں حق تعالیٰ کی محبّت

جرعۂ می ریخت ساقیِ الست
بر سرِ ایں خاک شد ہر ذرّہ مست

اس ساقیٔ ازل نے ایک جرعۂ محبّت ارواح پر ڈالا تھا آج ہر ذرّہ اس خاک کا مست اور سرشار ہے، یعنی اس خاکی انسان میں حق تعالیٰ کی محبّت وہیں سے رکھ دی گئی تھی، لیکن وہ علائقِ فانیہ اور رذائلِ نفسانیہ سے دبی ہوتی ہے، جو لوگ کسی اہلِ دل سے، یعنی اللہ والے سے اپنی اصلاحِ نفس کی فکر میں لگ جاتے ہیں اور اللہ اللہ کرنے لگتے ہیں ان کی وہ چنگاری دبی ہوئی روشن ہونے لگتی ہے اور محبّت کا جو بیج ارواح میں حق تعالیٰ نے **اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ** فرماکر بودیا تھا وہ نشوو نما پانے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ معرفت اور محبّتِ الٰہیہ کے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں تک اس بندۂ عارف کو پہنچانا علمِ الٰہی میں تجویز ہوتا ہے۔

معرفت اور محبّت کا پھل مجاہدے پر موقوف ہے ؎

برسائیں گے جب خونِ دل اور خونِ جگر ہم
دیکھیں گے تب ہی نخلِ محبّت میں ثمر ہم

کامیابی تو کام سے ہوگی
نہ کہ حُسنِ کلام سے ہوگی

ذکر کے التزام سے ہوگی
فکر کے اہتمام سے ہوگی

(خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا[۶۶]

فرماتے ہیں کہ ”جو بندے ہماری راہ میں کوششیں کرتے ہیں ہم ان کے لیے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو اپنی محبت سے نوازا ہے ان سے پوچھو کہ ان کی محبت میں کیا

---

۶۶؎ العنکبوت:۶۹

لطف ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِہٖ خَبِیۡرًا [۸۷] مرشدی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا عجیب ترجمہ فرمایا ہے: ”رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔“ سبحان اللہ! قابلِ وجد ترجمہ فرمایا ہے۔

پیر ما سرِّ عالم مستی
با دلِ ہوشیار می گوید

ہمارا پیر عالمِ مستی کا بھید ہوشیار قلب سے بیان کرتا ہے۔

کہ بچشمانِ دل مبیں جز دوست
ہر چہ بینی بدانکہ مظہرِ اوست

دل کی آنکھوں سے بجز دوست کے کچھ مت دیکھ، اور دوست کے علاوہ تمام مخلوقات کو دوست کا مظہر سمجھ۔

## لیلیٰ کی محبّت میں مجنوں کی نادانی

مجنوں نادان تھا جو لیلیٰ کی محبّت میں الجھ کر محبوبِ حقیقی سے دور رہا، کیوں کہ مخلوقات کا حُسن عکس اور پَرتو ہے اور قاعدۂ کلیہ ہے کہ جو شخص عکس کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ اصل سے محروم ہوجاتا ہے۔ کسی باخبر سے اس کو پالا نہ پڑا تھا، ورنہ وہ اسے آگاہ کرتا کہ او نادان! لیلیٰ کو کس نے لیلیٰ بنایا تھا، اور وہ عارف باللہ مشقِ نامِ لیلیٰ کو مشقِ نامِ مولیٰ سے تبدیل کردیتا۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؎

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہرِ او اَولیٰ بود

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کا عشق، عشقِ لیلیٰ سے کیوں کر کم ہوسکتا ہے جب کہ وہ خالقِ لیلیٰ ہیں۔ پس مولیٰ کی محبّت میں گیند ہوجانا ہی اولیٰ ہے،

---

۸۷؎ الفرقان: ۵۹

یعنی گیند کو جس طرف چاہتے ہیں قدم کی ضرب سے حرکت دیتے رہتے ہیں، اسی طرح حق تعالیٰ کے ہاتھ میں اپنے کو سپرد کرو۔

عشق را با حیّ و باقیوم دار
عشق بامردہ نباشد پائیدار

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشقِ حقیقی زندہ اور حقیقی سنبھالنے والے سے یعنی حق تعالیٰ سے کرنا چاہیے اور جو ایک دن مرنے والے ہیں ان کی محبت پائیدار نہیں ہے۔

از شرابِ قہر چوں مستی دہد
نیستہا را صورتِ ہستی دہد

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت میں اہلِ دنیا جو سرمست نظر آتے ہیں یہ مستی شرابِ قہر کی مستی ہے، ایک دن خدا کا عذاب اس مستی کو ختم کرنے والا ہے، پھر دارالجزا میں پہنچ کر ندامت اور پچھتانے سے کچھ بھی نتیجہ مرتب نہ ہوگا۔ چناں چہ کفار عذابِ آخرت کا مشاہدہ کرکے تمنا کریں گے کہ کاش! ہم مٹی ہو جاتے:

وَيَقُولُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿٤٠﴾[79]

اور کافر قیامت کے دن کہے گا کاش کہ میں مٹی ہو جاتا۔

اور اللہ والوں کو اپنے پروردگار کی محبّت میں جو لذّت ملی ہے اس لذّت کے سامنے انہوں نے دنیا سے رخ پھیر لیا، کیوں کہ اللہ کی محبت اور معرفت کے نور میں دنیا کی حقیقت ان پر منکشف ہوگئی۔ ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے۔

رنگ رلیوں پہ زمانے کے نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

دنیا کی ہر لذّت فانی ہے اور ایک خواب و افسانہ ہے۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

---

۷۹؎ النبا: ۴۰

جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

اَلَا یَا سَاکِنَ الْقَصْرِ الْمُعَلّٰی
سَتُدْفَنُ عَنْ قَرِیْبٍ فِی التُّرَابْ
قَلِیْلٌ عُمْرُنَا فِیْ دَارِ دُنْیَا
فَمَرْ جِعُنَا اِلٰی بَیْتِ التُّرَابْ

اے اونچے اونچے محلوں کے ساکنین! عن قریب تم لوگ مٹی میں دفن کیے جاؤ گے۔ ہماری عمر دنیا کے اس گھر میں بہت قلیل ہے، عن قریب مٹی کے گھر کی طرف یعنی قبر کی طرف ہماری واپسی ہے۔

## اللہ والے دنیا میں کس طرح رہتے ہیں؟

اللہ والے بھی دنیائے بے ثبات کو برتتے ہیں، مگر اس سے دل نہیں لگاتے۔ ضرورت پوری کرنا اور بات ہے، جی لگانا اور بات ہے، دونوں باتوں میں فرق ہے۔ پاخانے میں آدمی رفعِ ضرورت کے لیے بیٹھتا ہے مگر پاخانہ میں دل نہیں لگاتا ہے۔ دنیا اس وقت مذموم ہے جب اللہ تعالیٰ سے غفلت میں مبتلا کردے۔ جس طرح سے کشتی کے لیے پانی اس وقت ہلاکت کا سبب ہے جب کشتی کے اندر داخل ہو جائے اور کشتی کے باہر کشتی کے لیے مفید اور معین ہے، بلکہ ضروری ہے، اسی طرح بقدرِ ضرورت دنیا ضروری ہے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”ضرورت کی تعریف کم لوگ سمجھتے ہیں، اکثر غیر ضروری کاموں کو بھی ضروری سمجھا جاتا ہے“، پھر فرمایا کہ ”وہ کام ہے کہ جس کے نہ کرنے سے ضرر ہو۔“

سبحان اللہ! ضرورت کا مفہوم حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خوب حل فرمایا۔ البتہ

وہ بندے مستثنیٰ ہیں جن پر جذب طاری ہو گیا اور وہ غلبۂ حال میں دنیا کو لات مار کر بالکل اللہ کے ہو گئے۔

تابِ زنجیر ندارد دلِ دیوانۂ ما

ہمارا دیوانہ دل اب زنجیر کی قید برداشت نہیں کر سکتا۔

اللہ کی محبّت میں ایسے دیوانے ہوگئے کہ اپنا وطن اور ملک اور سلطنت سب کچھ اُن پر سر دھو گیا۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

اے جانِ جہاں حور نہ اچھی نہ پری خوب
ہے میری نگاہوں میں تری جلوہ گری خوب

## جذب کی تعریف

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰهُ يَجْتَبِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾[۸۰]

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دیتے ہیں اسی کھینچ لینے کا نام جذب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہورِ نبوّت سے قبل غارِ حرا تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن عبادت میں مصروف رہتے، ارشاد فرماتے ہیں: حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلَاءُ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب ظہورِ نبوّت کا زمانہ قریب ہوا تو مجھے خلوت محبوب کرادی گئی۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ پر جب اللہ تعالیٰ کی محبّت نے اثر کیا تو تخت و تاج کو خیر باد کہہ کر نیشاپور کے جنگل میں دس برس تک مصروفِ عبادت رہے۔

دنیا سے دل اچاٹ ہو جانا اللہ کی طرف راستے کا اوّل قدم ہے۔

جس کو حق تعالیٰ اپنا بنانا چاہتے ہیں تو اس پر دنیائے فانی اور اس کی لذّتِ فانیہ

---

۸۰ الشوریٰ:۱۳

کی صحیح حقیقت منکشف فرمادیتے ہیں، جس کے اثر سے اس کا دل دنیا سے متوحش ہو جاتا ہے، اسی کا نام زہد ہے۔

## زُہد کا مفہوم

زہد کا مفہوم دنیا سے بے رغبت ہو جانا ہے۔ ہمارے حضرت مرشد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ زہد اس راہ کا اوّل قدم ہے۔

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند
از ہمہ کارِ جہاں بیکار ماند

جس کو حق تعالیٰ نے اپنے لیے چن لیا وہ دنیا کے سارے کاموں سے بے کار ہو گیا، یعنی اس کا دل بجز یادِ حق کے کسی چیز سے اُنس نہیں پکڑتا۔

## قصہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ

چناں چہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ پر جب عشقِ حقیقی نے اثر کیا تو سلطنتِ بلخ سے دل اچاٹ ہو گیا اور اس جذب کی صورت یہ ہوئی تھی کہ ایک رات بالا خانے میں سو رہے تھے، حق تعالیٰ نے چند فرشتوں کو انسان کی صورت میں ان کے پاس بھیجا، حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کے آنے کی آہٹ پا کر دل میں سوچنے لگے کہ محلِّ شاہی میں رات کے وقت کسی انسان کی ایسی ہمت اور جرأت نہیں ہو سکتی ہے، یہ شاید جن ہیں، دریافت فرمایا: آپ لوگ کیسے تشریف لائے ہیں؟ اُن وارِدینِ کرام نے فرمایا کہ ہم لوگ اپنے اونٹوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اونٹ بالا خانے پر کیسے جست کر کے آسکتا ہے؟ پس ان واردینِ غیب نے فرمایا کہ بے شک اونٹ بالا خانے پر نہیں آسکتا، لیکن تو تختِ شاہی پر پھر خدا کی تلاش کیوں کرتا ہے۔

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے
راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”اصلی فکر وہ ہے جو راستہ کھول دے اور راستہ اصلی وہ ہے جو شہنشاہِ حقیقی تک پہنچادے۔“

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے سے یہ واردینِ غیب یہ کہہ کر اسی وقت نظر سے غائب ہوگئے اور ادھر حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر ایک چوٹ لگ گئی اور اللہ کی محبّت میں سلطنت، تخت، تاج سب کچھ تج دیا۔

شاہی و شہزادگی در باختہ
از پئے او در غریبی ساختہ

شاہی اور شہزادگی سب کچھ چھوڑ دیا اور اللہ کے لیے غربت کے ساتھ موافقت کرلی۔

بندگیٔ او چناں درخورد شُد
کہ شہی اندر دلِ او سَرد شُد

اللہ کی غلامی میں ان کو ایسا لطف آیا کہ شاہی اُن کے دل میں سَرد ہوگئی۔

بندگیٔ او بہ از سلطانی است
کہ اَنَا خَیرٌ دمِ شیطانی است

اللہ تعالیٰ کی بندگی سلطانی سے بہتر ہے، کیوں کہ اَنَا خَیرٌ کہنا شیطانی مقولہ ہے۔

کشتنی بہ از ہزاراں زندگی
سلطنتہا مردۂ ایں بندگی

اپنے اللہ پر جو ہمارا محبوبِ حقیقی ہے جان کو قربان کردینا ہزاروں زندگیوں سے بہتر ہے۔

جان دی دی ہوئی ان ہی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہزاروں سلطنتیں ان کی غلامی پر قربان ہیں۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

"مجاہدے میں حق تعالیٰ آدھی جان لیتے ہیں اور اس کے عوض میں سو جان عطا فرماتے ہیں، اور ایسی ایسی نعمتیں عطا فرماتے ہیں کہ جو تیرے گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔"

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنت چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کیا قدر فرمائی، پہلے صرف ایک محدود سلطنت کے مالک تھے اب خشکی اور تری پر حکومت نصیب ہوگئی۔

گدائے میکدہ ام لیک وقتِ مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم برستارہ کنم

ایک روز ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ دریا کے کنارے گدڑی سی رہے تھے کہ اچانک سلطنتِ بلخ کا ایک وزیر اس راہ سے گزرا۔ وزیر نے بادشاہ کو اسی غربت میں گدڑی سیتے ہوئے جب دیکھا تو دل میں سوچا کہ انہوں نے ملک ہفت اقلیم ضایع کرکے گدڑی سینا شروع کردیا ہے، ایسی سلطنت پر اس گدائی کو ترجیح دی ہے، نہ معلوم یہ کون سی عقل مندی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وزیر کے اس خیالِ باطل کو حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ پر منکشف فرمایا، پس حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سوئی دریا میں پھینک دی اور حکم دیا کہ اے مچھلیو! میری سوئی لاؤ، اس حکم کو سننا تھا کہ سو ہزار مچھلیاں سونے کی ایک ایک سوئی اپنے اپنے لبوں میں دبائے ہوئے دریا کے کنارے حاضر ہوکر عرض کرنے لگیں کہ حضرت! سوئی حاضر ہے۔

اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں ماہیے اللّٰہئے
سوزنِ زیرِ لبِ ہر ماہیے

سر بر آوردند از دریائے حق
کہ بگیر اے شیخ سوزنہائے حق

سینکڑوں ہزاروں مچھلیاں اللہ والی سونے کی سوئی اپنے اپنے لبوں سے دبائے ہوئے

دریائے حق سے اپنے سروں کو ظاہر کرکے عرض کرنے لگیں کہ اے شیخ! اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی سوئیاں لے لے۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ اے اللہ! میں اپنی سوئی چاہتا ہوں، بس ایک مچھلی وہ خاص سوئی جس کو شیخ نے دریا میں پھینکا تھا لے کر حاضر ہوئی۔ اس وقت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اس وزیر سے فرمایا کہ ''ملکِ دل بہ یا چنیں ملکِ حقیر۔'' دل کی سلطنت بہتر ہے یا ملکِ حقیر۔ وزیر کا اتنا سننا تھا کہ وزیر نے ایک آہ کھینچی اور کہا: افسوس کہ مچھلیاں تو اس اللہ والے کو پہچانتی ہیں اور میں اس شیخ اور قطبِ زماں سے بے خبر ہوں، میں انسان ہو کر بد بخت ہوں اور یہ مچھلیاں اس دولتِ معرفت کے سبب مجھ سے سعید ہیں۔ پس وزیر نے اس شاہِ دین شیخِ بلخ کے سامنے سراپا ادب بن کر سلام کیا اور روتا ہوا دولت عشقِ حقیقی سے کامیاب واپس ہوا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر ایک نصیحت فرماتے ہیں۔

پس تو اے ناشستہ رُو در چیستی
در نزاع و در حسد با کیستی
بادمِ شیرے تو بازی می کنی
بر ملائک ترکتازی می کنی
اولیاء را ہست قدرت از الٰہ
تیر جَستہ باز گرداند ز راہ

پس اے بے دُھلا ہوا چہرہ رکھنے والے! یعنی نامعقول اور نالائق تو کس گمان میں ہے، یہ حسد اور جنگ کن مقدس اور پاکیزہ نفوس سے کرتا ہے؟ شیرانِ طریقِ حق سے تو مقابلہ کرتا ہے، فرشتوں سے دوڑ میں سبقت کرتا ہے، یعنی اللہ والوں سے بدگمانی اور حسد نہ کرنا چاہیے، کیوں کہ اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور کرامت کے ایسی طاقت عطا ہوتی ہے کہ تیر جستہ کو واپس کر لیتے ہیں۔

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست
دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست

پیر کا ہاتھ طالبین غائبین سے کوتاہ نہیں ہے، اُس کا ہاتھ گویا کہ اللہ کا ہاتھ ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بیعت فرمارہے تھے تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ[۸۱] اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو حق تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرمایا، جو کس قدر جلالتِ شانِ رسالت اور حرمتِ معاہدہ پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قاز ایک چڑیا ہے جو انڈے دے کر اڑ جاتی ہے اور کوسوں دور رہ کر توجّہ سے انڈوں کو حرارت پہنچاتی ہے اور اس حرارت سے بچّہ نکل آتا ہے، جب ادنیٰ مخلوق کی توجّہ میں یہ اثر حق تعالیٰ نے رکھا ہے تو اولیاء اللہ میں ایسے اثرات کے متعلق کیا تعجب ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہیچ قومے را خدا رُسوا نہ کرد
تا دلے صاحب دلے نامد بدرد

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو رُسوا نہیں فرماتے ہیں جب تک کہ وہ قوم کسی صاحبِ دل کو اذیت نہیں پہنچاتی ہے۔ ملائکہ سے سبقت کرنے کو اس لیے فرمایا کہ خواص اولیاء اللہ فرشتوں کے خواص سے افضل اور اشرف ہوتے ہیں اور عوام مؤمنین فرشتوں کے عوام سے افضل ہوتے ہیں، یہ تحقیق ہمارے مرشد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

## اللہ والوں کی مخالفت اور ایذا رسانی کا انجام

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ والوں سے بدگمانی کبھی نہ کرنا

---

۸۱؎ الفتح: ۱۰

چاہیے اور نہ اُن کے ساتھ کوئی تکلیف دہ معاملہ کرنا چاہیے۔ اللہ والوں کو تکلیف دینے والا آدمی بہت جلد مبتلائے قہر ہو جاتا ہے اور حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے استدلال فرماتے تھے کہ ایک بار حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اس امر کے متعلق اختلاف ہوا کہ آپ کو دوا پلائی جائے یا نہیں۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عالمِ نزع طاری تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا پینے سے انکار فرما دیا تھا اور پھر غشی طاری ہو گئی تھی۔ بعض اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ اجتہاد کیا کہ یہ انکار ایسا ہی ہے جیسا کہ مرض کی شدّت میں ہر انسان غیر ارادی طور پر غفلت اور بے ہوشی میں دوا پینے سے انکار کر دیتا ہے اور بعض اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ اجتہاد کیا کہ نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم فرمایا ہے اسی کی تعمیل ہونی چاہیے، عام طبائع پر آپ کو قیاس کرنا مناسب نہیں ہے۔ الغرض غلبۂ محبّت اور خیر خواہی میں دوا پلا دینے کی رائے پر عمل کیا گیا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو فوراً بلاؤ جنہوں نے ہمیں دوا پلائی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فوراً وہی دوا ان لوگوں کو پلاؤ، ورنہ اندیشہ ہے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کسی سزا میں مبتلا فرما دیں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کو بہ نیت خیر خواہی بھی اگر کسی نے تکلیف پہنچا دی تو اس کے لیے بھی یہ خطرناک صورت ہے اور ارشاد فرمایا کہ ایک بار امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص بے تمیز اور بے ادب حاضر ہوا اور اس نے آپ کے حلم اور تحمل کا امتحان کرنے کے لیے یہ سوال کیا کہ آپ اپنی والدہ کا جو ایسی صورت کی ہیں، میرے ساتھ نکاح کر دیں، آپ نے فرمایا: اچھا میں اندر جا کر والدہ سے دریافت کر کے جواب دیتا ہوں۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور جب باہر آئے تو وہ شخص مرا ہوا پڑا تھا۔ فوراً اللہ تعالیٰ نے اس پر قہر نازل فرمایا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہاتھی کو چھیڑنا مگر ہاتھی کے بچّے کو نہ

چھیڑنا، کیوں کہ ہاتھی اپنی ذاتی تکلیف تو برداشت کر سکتا ہے لیکن بچے کی تکلیف کا تحمل نہیں کر سکتا اور اس پر ایک واقعہ بیان فرمایا کہ

## ایک عجیب حکایت

ایک بارات جنگل میں پڑی تھی۔ بارات والوں میں سے ایک شخص جنگل میں گیا، دیکھتا ہے کہ ہاتھی کا ایک بچّہ سو رہا ہے، بس اس نے تلوار سے اس کو قتل کر دیا اور خود بارات والوں کے درمیان جا کر سو رہا۔ ہاتھی نے جب اپنے مقتول بچے کی لاش دیکھی تو اس کا غضب جوش میں آگیا اور قاتل کی تلاش میں بارات والوں کے پاس پہنچا اور ہر شخص کے جسم کو سونگھتا ہوا قاتل کے پاس پہنچا اور قاتل کو سونگھ کر اس کی گردن میں سونڈ لپیٹ کر کھینچا اور اس کے بدن کو چیر کر پھینک دیا۔

اس حکایت سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اللہ والے اہل اللہ ہیں، یہ اللہ کے اہل و عیال ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک حلیم ہے، لاکھوں کفر اور شرک کے باوجود ان کی رحمتِ عامہ کفار اور مشرکین کو رزق پہنچاتی ہے، لیکن جب ان کے اولیاء کو کوئی اذیت پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غضب فوراً جوش میں آجاتا ہے اور اس کو فوراً رُسوا فرما دیتے ہیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے:

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ[۸۲]

جو میرے ولی سے عداوت رکھے میں اس کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”بے ادب تنہا خود کو تباہ نہیں کرتا ہے بلکہ

---

۸۲؎ صحیح البخاری ۲/۹۶۳، (۶۵۴۱) باب التواضع، المکتبۃ المظہریۃ

سارے عالم میں تباہی کی آگ لگادیتا ہے“۔

از خدا جوئیم توفیق ادب

بے ادب محروم گشت از لطفِ رب

ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں، کیوں کہ بے ادب لطفِ رب سے محروم ہو گیا۔

## بد گمانی اور اعتراض کا منشا قلّتِ عشق ہے

اکثر بد گمانی اور اعتراض کا منشا تکبّر ہوا کرتا ہے۔ ہمارے حضرت مرشد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اعتراض قلّتِ عشق سے ناشی ہے، یعنی محبت کی کمی سے اعتراض پیدا ہوتا ہے، اور عاشق کی شان یہ ہوتی ہے۔

نینگیختن علت از کارِ تو

زباں تازہ کردن با قرارِ تو

عاشقِ صادق کہتا ہے کہ اے محبوبِ حقیقی! ”ہمیں تیرے کام کی علت سے کچھ مطلب نہیں ہے، ہمیں تو آپ کے نام کی رٹ سے اپنی زبان تازہ کرنی ہے۔“ محبت اطاعت سکھاتی ہے، کیوں کہ محبت سے عقلِ خام پختہ ہو جاتی ہے۔

## عقل اور عشق

عقلِ ناقص تکبّر سکھاتی ہے اور چون وچرا میں مبتلا کر کے شیطان کی طرح راندۂ درگاہ کرتی ہے۔ حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شیطان سالکِ محض تھا، مجذوب نہ تھا۔ نری عقل کا راستہ خطرناک ہوتا ہے۔ قصور شیطان سے بھی ہوا اور حضرت آدم علیہ السّلام سے بھی ہوا، لیکن شیطان نے چون وچرا اور اعتراض کا سلسلہ شروع کیا کہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا فرمایا اور آدم علیہ السّلام کو مٹی سے اور دوسرا مقدمہ اس کے دل میں مخفی تھا، یعنی آگ افضل ہے مٹی سے، پس فاضل سے مفضول کے لیے ایسا ادب

کیوں تجویز کیا گیا؟ اس نالائق کو یہ نہ سوجھی کہ امرِ الٰہی کا ادب کیا ہے، بندے کا کام بندگی اور سرافگندگی ہے، نہ کہ سرکشی اور روگردانی ہے۔ حضرت آدم علیہ السّلام نے اپنے قصور کی کوئی تاویل تک نہ کی، مثلاً شیطان نے مجھے دھوکا دیا یا میں آپ کے حکم کو بھول گیا۔ بس عتاب ہونا تھا کہ ندامت سے گڑگڑائے اور فوراً عرض کیا کہ اے ہمارے رب! ہم سے قصور ہوگیا، اگر آپ ہمیں نہ بخشیں گے اور ہمارے اوپر رحم نہ فرمائیں گے تو ہم بڑے ٹوٹے میں پڑجائیں گے۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبدیت اور محبّت نیک بخت لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔

داند آں کو نیک بخت و محرم است
زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

عقلِ ناقص کا ظہور ابلیس سے ہوا اور عقلِ کامل یعنی عقل مع المحبت کا ظہور حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا۔

رَبَّنَا اِنَّا ظَلَمْنَا گفت و آہ
یعنی آمد ظلمت و گم گشت راہ

حضرت آدم علیہ السّلام نے رَبَّنَا ظَلَمْنَا عرض کیا اور آہ کھینچی کہ ظلمت آئی اور راستہ گم ہوا۔

پھر حق تعالیٰ نے آپ کی ندامت یعنی توبہ قبول فرمائی اور آپ کو تاجِ خلافت سے نوازا اور ابلیس لعین ہمیشہ کے لیے مردود ہوا۔

اور جو اللہ کے خاص بندے ہیں وہ اپنے باپ آدم علیہ السّلام کے طریقے پر اب بھی کاربند ہیں، یعنی ہر خطا پر ندامت کے آنسو لے کر بارگاہِ صمدیت میں حاضر ہوجاتے ہیں۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں۔

آنکہ فرزندانِ خاصِ آدم اند
نفحۂ اِنَّا ظَلَمْنَا میدمند

وہ لوگ جو فرزندانِ خاص حضرت آدم علیہ السّلام کے ہیں وہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا سے اپنی

خطاؤں کا تدارک کرتے رہتے ہیں۔ محبت سب ادب سکھا دیتی ہے۔ عاشق کی شان ہی اور ہوتی ہے۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

عاشقی کیا ہے، کہہ دو کہ محبوب کا غلام ہو جانا۔

ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے

سرِ زاہد نہیں یہ سر سرِ سودائی ہے

اور محبت سے بندہ کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے، اس راہ کے اندر محبت والا بہت جلد بن جاتا ہے۔

## محبّت کے ثمرات

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جسمِ خاک از عشق بر افلاک شد

کوہ در رقص آمد و چالاک شد

اللہ اللہ عِشق کا فَیض و کرم

خاک کا افلاک پر جائے قدم

(از مرتب)

عشقِ حقیقی کی برکت سے جسمِ خاکی نے ماورائے افلاک کی سیر کی اور کوہِ طور وجد میں آ گیا اور بے جان شے یعنی از قسمِ جمادات ہونے کے باوجود ہوشیار ہو گیا۔

اور اس ہوشیاری کی تفصیل کو دوسرے مقام پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں۔

بر برونِ کہہ چو زد نورِ صمد

پارہ شد تا در درونش ہم زند

طور پہاڑ کی ظاہر سطح پر جب نورِ صمد نے تجلّی فرمائی تو وہ پارہ پارہ ہو گیا، تا کہ اس کے باطن میں بھی نور داخل ہو جائے۔

گُرسنہ چوں بر کفش زد قرصِ ناں
واشگافد از ہوس چشم و دہاں

جیسے گرسنہ یعنی بھوکے کے ہاتھ پر جب قرصِ نان یعنی روٹی لگتی ہے تو وہ ہوس سے آنکھ اور منہ بھی پھاڑ دیتا ہے۔

یہی حالت طور کی ہو گئی کہ گویا منہ پھاڑ دیا کہ غذائے نور جس طرح اس کے ہاتھ یعنی ظاہر پر رکھی گئی ہے اسی طرح اس کے منہ یعنی باطن میں بھی پہنچادی جائے۔

صد ہزاراں پارہ گشتن از ز دیں
از میانِ چرخ بر خیز اے زمیں

پس جس طرح طور نے حصولِ نور فی الباطن کے لیے اپنے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، یعنی فنائے صورت کو گوارا کر لیا، تو بھی اپنے جسم کی پروانہ کر اور اس نورِ حقیقی کو حاصل کرنے کے لیے اس کو فنا کر دے۔ پس اے زمین! آسمان کے بیچ سے اٹھ جا، تا کہ نورِ آسمان مثلاً نورِ آفتاب سایہ سوز ہو جائے یعنی خلا میں نور ہی نور رہ جائے۔

تا کہ نور چَرخ گرددسَایہ سوز
شب زسایہ تست اے باغیٔ روز

اہلِ ہیئت کی تحقیق ہے کہ شب کی حقیقت سایہ ہے زمین کا، آفتاب جس وقت ہمارے اعتبار سے زمین کی دوسری طرف ہوتا ہے تو زمین کا سایہ جوّ میں پڑتا ہے وہ شب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح مثلاً زمین کے اٹھ جانے سے ہر وقت جوّ میں نور ہی نور رہا کرے اسی طرح اگر جسم فنا ہو جاوے تو روح پر نورِ حق متجلّی رہا کرے۔ پس جب فنا کی یہ خاصیّت ہے تو اس میں پس و پیش کیوں کیا جاوے۔ (کلیدِ مثنوی صفحہ: ۵۴۶) فنائے جسم سے مراد اپنی مرضیات اور خواہشات کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کر دینا ہے، جو عادتاً موقوف ہے کسی اللہ والے کی صحبت میں باقاعدہ تزکیہ اور اصلاحِ نفس کرانے پر۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خانۂ پر نقش و تصویر و خیال
ویں صور چوں پردہ بر گنجِ وصال
قصر چیزے نیست ویراں کن بدن
گنج در ویرانی است اے میرِ من
ایں نمی بینی کہ در بزمِ شراب
مست آنگہ خوش شود کو شد خراب

یہ خانۂ پُر نقش اور یہ خیالات و تصویرات یہ سب کے سب گنجِ وصال پر مثل حجاب کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں یہ تمہاری خواہشاتِ نفسانیہ وصول الی اللہ کے لیے مثل حجاب کے ہیں۔

بندوں کا عشقِ ناتمام ہوتا نہیں ہے آہ تام
نفس کی مرضیات کا جب تک کہ خوں ہوتا نہیں

## فنائے نفس کے موانع اور ان کے ازالے کی تدبیر

مگر ان خواہشاتِ نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کرنے کی ہمت اس لیے نہیں ہوتی کہ یہ خواہشات کا گھر نقش و نگار سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے اور آدمی سوچتا ہے کہ اگر اس پُر نقش گھر کو ویران کردیں گے تو یہ نقش و نگار سب مٹ جائیں گے، لیکن در حقیقت یہ خیال غلط ہے، واقع میں یہ ویرانی نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی گھر کے اندر بنیاد کے نیچے خزانہ مدفون ہے، جو بدون نکالے ہوئے حاصل نہ ہو اور پھر اس خزانے سے پہلے سے بھی اچھا گھر بنادیا جائے تو اس ویرانی کو کون مضر کہے گا۔

اسی طرح جب کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرکے جن بُرے اخلاق ومقتضیاتِ مذمومہ کو زائل کروگے اس سے اچھے اخلاق وملکات میسّر ہوں گے، جس سے آخرت میں تو خیر وابقی ملے گا ہی، باقی دنیا میں بھی ایسی حیاتِ طیّبہ میسر ہوگی جس پر

سلاطین بھی غبطہ کریں گے۔ اس لیے یہ ویرانی سبب زیادہ آبادی کا ہوگئی، اس سے تو ویرانی مذکورہ کا مضر نہ ہونا بلکہ انفع ہونا ثابت ہوا۔ پس خواہشاتِ نفسانیہ کے قصر کی حفاظت کوئی چیز نہیں، اس کو ویران کردے، کیوں کہ اے میرے امیر! خزانہ ویرانی ہی میں ملتا ہے، یعنی ان خواہشاتِ مذمومہ شہوت و غضب کو جب مجاہدے سے مغلوب کروگے تو نفس صفاتِ حمیدہ سے متصف ہوکر موردِ تجلّیات بن جائے گا اور تعلق مع اللہ کی دولت باطن میں میسّر ہوجائے گی۔

تیسرے شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ بزمِ شراب میں مست اس وقت خوش ہوتا ہے جب وہ باعتبار حواسِ بدنیہ کے خراب اور ویران ہوجائے، یعنی اس کے حواس معطل ہوجاویں۔ مراد اس سے کامل نشہ ہے۔

## غلبۂ مستیٔ حق اور اس کا ثمرہ

اسی طرح جب تیرے اندر مستیٔ حق ان ادراکات کے خاص افعال اور آثار پر کہ توجہ الیٰ غیر الحق و انہماک فی اللذّات ہے غالب ہوجاوے، جب فرحِ حقیقی حاصل ہوگی اور اس وقت بزبانِ حال یہ کہوگے ؎

بادہ در جوشش گدائے جوشِ ماست
چرخ در گردش اسیر ہوشِ ماست
بادہ از ما مست شد نے ما ازو
قالب از ما ہست شد نے ما ازو

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادہ اپنی مستی میں ہماری مستی کا گدا ہے اور فلک اپنی گردش میں ہمارے ہوش کا قیدی ہے۔

اسی کو ہمارے خواجہ صاحب نے فرمایا ہے ؎

عجب کیا گر مجھے عالم بایں وسعت بھی زنداں تھا
میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا

دوسرے شعر میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”بادہ مجھ سے مست ہے نہ کہ میں اس سے مست ہوں، قالب کا وجود میرے سبب سے ہے نہ کہ میرا وجود اس کے سبب سے۔“ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو صرف مرتبۂ روح میں لاکر قطع نظر اس جسدِ عنصری کے یہ اشعار کہے ہیں اور یہ امر ظاہر ہے کہ اگر روح کا علاقہ اس جسدِ خاکی سے منقطع ہو جاوے تو پھر شراب کا نشہ اسی وقت کافور ہو جاوے اور روح میں عشقِ حق سے جو مستی ہے اس کو ہر وقت تازگی ہے کبھی زوال نہیں، خواہ جسدِ عنصری کا تعلق باقی رہے یا منقطع ہو جاوے، اسی کو فرماتے ہیں۔

جامہ پوشاں را نظر بر گاذر است
رُوحِ عُریاں را تجلّی زیور است

جامہ پوشوں کی نظر دھوبی پر رہتی ہے اور روحِ عریاں کا زیور تجلّیٔ حق ہے۔

رنگِ صدق و رنگِ تقویٰ ویقیں
تا ابد باقی بود بر عابدیں

صدق اور تقویٰ اور یقین کا رنگ عابدین کی روحوں پر تا ابد باقی رہتا ہے۔

زیں سبب ہنگامہا شد کل ہدر
باشد ایں ہنگامہ ہر دم گرم تر

اسی سبب سے جسمِ خاکی کے ہنگامے یعنی دنیا کے علائق اور لذّاتِ فانیہ سب ایک دن فنا ہو جائیں گے اور روح کے اندر جو تعلق مع اللہ کی مستی ہوتی ہے اس کا ہنگامہ ہر دم گرم رہتا ہے۔

خود قوی تر می شود خمرے کہن
خاصہ آں خمرے کہ باشد مِن لَّدُنْ

شراب میں جس قدر کہنگی بڑھتی جاتی ہے اس کا نشہ تیز ہو جاتا ہے، خصوصاً وہ شراب جو کہ اس ساقیٔ ازل نے پلائی ہو۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

جن کے دل اللہ کے عشق سے زندہ ہوگئے وہ کبھی نہیں مرتے ہیں۔ اس جسمِ خاکی سے تعلق منقطع ہونے کے باوجود روح کے اندر جو عشق مع الحق ہوتا ہے اس کی حیاتِ دوامی صفحۂ تاریخِ عالم پر مثل نقشِ غیر فانی کے ہوتی ہے۔

## دنیا کی بے ثباتی پر ایک عجیب تمثیل

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک قلعہ ہے اور زمانۂ امن میں اس قلعے کے اندر بہت سی نہریں لذّات اور خواہشات کی باہر سے آتی ہوں، تو زمانۂ امن میں اہلِ قلعہ ان نہروں سے لذّات حاصل کر کے مست و شاداں ہوں گے، لیکن جب دشمن کی فوج اس قلعے کا محاصرہ کر کے نہروں کے راستوں کو باہر سے بند کر دے اس وقت ایک قطرہ پانی کے لیے اہلِ قلعہ ترس جائیں گے۔

اگر عاقبت اندیشی سے اہلِ قلعہ نے زمانۂ امن میں ایک کھاری چشمہ بھی قلعے کے اندر کھود لیا ہوتا تو اس وقت ہلاکت سے بچ جاتے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

آں زماں یک چاہ شورے از دروں
بہ ز صد جیحونِ شیریں از بروں

اس وقت میں یہ چشمۂ شور جو قلعے کے اندر ہوتا سینکڑوں اُن جیحون شیرین جیسے دریا سے بہتر ہوتا جن کا تعلق قلعے کے باہر سے ہے۔

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تمثیل کے بعد انسان کے جسم کو ایک قلعے سے تشبیہ دی ہے اور آنکھ، ناک، کان، زبان وغیرہ سے دیکھنے، سونگھنے، سننے اور چکھنے کے ذریعے جو لذتیں باطن تک محسوس ہوتی ہیں ان کو نہروں سے تشبیہ دی ہے، جو اس قلعے کے باہر سے اندر داخل ہو رہی تھیں اور دشمن کی جس فوج نے قلعے کا محاصرہ کر کے بیرونی نہروں کا راستہ کاٹ دیا تھا وہ موت ہے۔

پس انسان کا یہ جسم جو بمشابہ ایک قلعے کے ہے، زمانۂ امن میں یعنی موت سے قبل آنکھ، ناک، کان اور زبان کے ذریعے ہر وقت خواہشاتِ نفسانیہ کے مطابق فانی لذتوں سے انتفاع میں مست اور بے فکر ہے، جب موت آنکھ، ناک، کان اور زبان کے ذریعے آنے والی لذتوں کے راستوں کو کاٹ دے گی تو اس وقت اُس کی روح سخت اضطراب میں مبتلا ہوگی، کیوں کہ اس نے زندگی میں اپنے وطن کے اندر کوئی چشمہ تعلق مع اللہ کا نہیں قائم کیا تھا کہ جس سے روح کو اس وقت اُنس اور سکون حاصل ہوتا۔ اگر طاعات میں اس نے کچھ بھی کوشش کی ہوتی تو آج وہ کوشش بیہودہ بھی جو کہ بوجۂ نقصانِ عبدیت مثل چشمۂ شور کے ہے، اس وقت میں ان سینکڑوں جیحونِ شیریں یعنی لذّاتِ فانیہ سے جو بذریعۂ حواسِ خمسہ اندر داخل ہو رہی تھیں بہتر ہوتی۔

کوشش بیہودہ بہ از خفتگی
دوست دارد دوست ایں آشفتگی

اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

قاطع الاسباب لشکر ہائے مرگ
ہمچوں وے آید بقطعِ شاخ و برگ

ایک دن موت کے سپاہی تمام اسبابِ لذت کو قطع کرنے والے ہیں اور مثل دیو کے شاخ اور برگ کو قطع کر کے بہارِ ہستی کو خزاں سے بدلنے والے ہیں۔

خوب بیان فرمایا ہے ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے۔

رنگ رلیوں پہ زمانے کے نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

## دنیا کا گھر دھوکے کا گھر کیوں ہے؟

زاں لقب شد خاک را دار الغرور
کو کشد پار اسپس یوم العبور

اسی سبب سے حق تعالیٰ نے اس عالمِ خاک کا لقب دارالغرور فرمایا ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾[۸۳]

اور دنیاوی زندگانی محض ایک دھوکے کا سامان ہے۔

اور سورۂ لقمان میں ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۫ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ[۸۴]

یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، سو تم کو دنیاوی زندگانی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ تم کو دھوکے باز شیطان اللہ سے دھوکے میں ڈال دے۔

اسی کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس عالمِ خاک کا لقب اسی لیے دارالغرور فرمایا ہے کہ شیطان جو ہر وقت خواہشاتِ نفسانیہ میں تم کو بھلاوے دے رہا تھا وہ انتقال کے وقت تمہاری یاری اور اعانت سے مدد کا ہاتھ کھینچ لے گا اور مرنے سے پہلے ہر وقت تیرے آگے پیچھے تیری مدد کے لیے بڑے بڑے وعدے کیا کرتا تھا۔

## موت کے وقت انسان کی بے کسی

الغرض موت کے وقت ہر قسم کی دنیاوی بہار ختم ہو جاتی ہے بجز اس بہار کے جس نے روح میں حق تعالیٰ کی یاد اور اطاعت سے بہارِ لازوال پیدا کر لی تھی۔ موت کے وقت جہاں میں کسی بہار سے مدد نہیں مل سکتی، کیوں کہ موت کے وقت حسین سے حسین عورت سامنے کھڑی ہے لیکن آنکھیں دیکھنے سے مجبور ہیں، ناک پر گلاب کا پھول رکھا ہوا ہے مگر خوشبو سونگھنے سے مجبور ہے، محبوب ترین دوست کان میں باتیں کر رہا ہے لیکن کان اب سننے سے مجبور ہے، پلاؤ قورمے کا لقمہ زبان پر رکھا ہوا ہے لیکن زبان اس کی لذت حاصل کرنے سے مجبور ہے، حسین ترین بیوی آکر گلے سے لگ جائے لیکن جسم احساسِ لذت سے قاصر ہے۔ اکبر الٰہ آبادی کا یہ شعر ہے ؎

---

۸۳؎ اٰل عمرٰن: ۱۸۵

۸۴؎ فاطر: ۵

قضا کے سامنے بے کار ہوتے ہیں حواس اکبرؔ
کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں

## موت کے وقت کس بہار سے سکون ملتا ہے؟

اب اس وقت دنیا کی کوئی بہار کار آمد نہیں ہو سکتی بجز ایک بہار کے جو روح کے اندر طاعات اور عبادات سے حاصل ہوتی ہے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

در جہاں نبود مدد شاں از بہار
جز مگر در جان بہارِ روئے یار

موت کے وقت جہاں میں مرنے والے کے لیے کوئی بہار نہیں بجز اس بہار کے کہ جان میں محبوبِ حقیقی کا تعلق نصیب ہو۔

اسی کو حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے نفس اگر بدیدۂ تحقیق بنگری
درویشی اختیار کُنی بر تونگری

اے نفس! اگر تو تحقیقی نظر سے کام لے تو امیری پر درویشی کو ترجیح دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا کی تمام لذات اور بہاروں کی صحیح حقیقت منکشف تھی، اس لیے امت کو تعلیم فرماتے ہیں۔

## حدیث کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ کی تقریر

کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ[۸۵]

اس حدیثِ پاک کے اندر پورا سلوک از ابتدا تا انتہا موجود ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے شانوں کو ہلا کر ارشاد فرماتے ہیں:

---

۸۵ سنن ابن ماجۃ:۲/۳۳۹(۴۱۱۴)، باب مثل الدنیا، المکتبۃ الرحمانیۃ

یا ابن عمر! اے چودہ پیوند لگانے والے باپ کے بیٹے! باپ کی پاکیزہ زندگی کے نقشِ قدم کو مت بھولنا، تمہارا ایک زمانہ آنے والا ہے یعنی جب باپ تمہارا خلیفۃ المؤمنین ہو گا اور طرح طرح کے ہدایا و تحائف آئیں گے اس وقت مزاجِ عبدیت سنبھالنا مشکل ہو گا، پس ابھی سے میری نصیحت سن لو اور اس کو یاد رکھو! کُنْ فِی الدُّنْیَا کَأَنَّکَ غَرِیْبٌ دنیا میں تم ایسے رہنا جیسے کہ کوئی مسافر ہوتا ہے۔

مسافر کی شان کیا ہوتی ہے، ''سبکسار مردم سبکتر روند''، ہلکا پھلکا مسافر خوب سفر کرتا ہے۔ سفر میں عاقل آدمی بہت مختصر اسباب رکھتا ہے، حتیٰ کہ سلاطین بھی جب سفر کرتے ہیں تو شاہی محل اور شاہی محل کے تمام اسبابِ راحت و آرایش کو چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ دنیا میں ہر بندہ آخرت کا مسافر ہے خواہ مومن ہو یا کافر ہو۔ ہر ایک ہر سانس میں اس راستے کو قطع کرتے کرتے ایک دن موت کے پُل سے گزر کر دارِ آخرت میں قدم رکھ دیتا ہے، اور وہی اس کا اصلی وطن ہو گا، اور وطن کی راحت موقوف ہے پردیس کی کمائی پر۔ ہر انسان اپنے عقائد اور اعمال کے مطابق آخرت میں دو صفوں کے اندر تقسیم کر دیا جائے گا:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿۱۴﴾[۸۶]

''نیکوں کی صف جنت میں اور بُروں کی صف جہنّم میں ٹھکانا پالے گی۔''

## طریقِ عشق

اسی کُنْ فِی الدُّنْیَا کَأَنَّکَ غَرِیْبٌ میں طریقِ عشق کی بھی تعلیم ہے، کیوں کہ محبّت تمام تکلّفات اور آرایش کو چھڑا دیتی ہے، اور مقامِ عشق ان لوگوں کا حصہ ہوتا ہے جو محض ذاتِ حق سے محبّت رکھتے ہیں اور بندگی اس لیے کرتے ہیں کہ میاں خوش ہو جائیں۔

---

۸۶؎ الانفطار: ۱۳، ۱۴

## واقعۂ حضرت ابنِ فارض رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابنِ فارض رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں، ان کو وصال کے وقت جب جنّت دکھائی گئی تو انہوں نے یہ شعر پڑھا ؂

لَوْ کَانَ مَنْزِلَتِیْ فِی الْحُبِّ عِنْدَکُمْ
مَا قَدْ رَأَیْتُ فَقَدْ ضَیَّعْتُ أَیَّامِیْ

اے اللہ! اگر میری محبت کا صلہ آپ کے نزدیک یہی جنّت ہے تو میں نے ایام اپنی زندگی کے ضایع کردیے۔

یعنی میں نے تو آپ کے لیے سب کچھ کیا تھا نہ کہ جنّت کے لیے، پس ایک تجلّیٔ خاص حق تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئی اور روح نکل گئی۔ یہ بڑے حوصلے کے لوگ ہوتے ہیں، چھوٹوں کا منہ نہیں ہے ؂

نازرا رُوئے بباید ہمچو ورد

یعنی ناز کے لیے گلاب کا سا چہرہ ہونا چاہیے۔

یہ ایک خاص طبقہ ہے اولیاء کا جن پر محبّت کا حال غالب ہوجاتا ہے، اور یہ حال راسخ ہو کر محبت کا مقام بن جاتا ہے۔

بنگر ایشاں را کہ مجنوں گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلش کشتہ اند

دیکھو ان عشاق کو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مجنوں ہوگئے ہیں اور پروانے کے مانند تجلّیاتِ قرب سے کشتہ ہو رہے ہیں۔

وصل کا ترجمہ قرب سے اس لیے کیا ہے کہ ؂

وصل او را محال می گویند
قربِ او را وصال می گویند

ان کے وصل کو محال کہتے ہیں، پس ان کے قرب ہی کو وصال سے تعبیر کرتے ہیں۔

ہمارے خواجہ مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کامیابی تو کام سے ہوگی
نہ کہ حُسنِ کلام سے ہوگی

اسی کو حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

دست از طلب ندارم تا کامِ من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جان زتن بر آید

یعنی ہاتھ طلب سے نہ روکوں گا یہاں تک کہ میں کامیاب ہو جاؤں، یا تو تن محبوبِ حقیقی تک پہنچ جائے یا جان تن سے نکل جائے۔

## ایک بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ تھے جو اللہ تعالیٰ سے محبّت مانگا کرتے تھے، بس کہیں جارہے تھے کہ اچانک قبولیت کا وقت آگیا، اور محبّت عطا ہوگئی، بس وہیں کھڑے رہ گئے، ہوش جاتا رہا۔

بس ایک بجلی سی پہلے کوندی پھر اس کے آگے خبر نہیں ہے
مگر جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

اور بزبانِ حال فرمایا ؎

یارب چہ چشمہ ایست محبّت کہ من ازاں
یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

فرمایا کہ اے میرے رب! محبّت کا چشمہ بھی کیسا چشمہ ہے کہ پیا تو تھا ایک قطرہ اور دریا کا دریا آنسوؤں کا بہہ رہا ہے۔

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے دریغا اشکِ من دریا بُدے
تا نثارِ دلبرِ زیبا شدے

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے کاش! میرے آنسو دریا ہوجاتے، یہاں تک کہ وہ بہتے ہوئے محبوبِ حقیقی کے پاس پہنچ جاتے اور پہنچ کر محبوب پر قربان ہوجاتے۔

ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہوگئی خشک چشمِ تر بہہ گیا ہو کے خونِ جگر
رونے سے دل مِرا مگر ہائے ابھی بھرا نہیں

## ایک عجیب واقعہ

ایک واقعہ یاد آیا۔ جونپور میں ایک طرحی مشاعرہ تھا، ایک لڑکے نے ایسی گرہ لگائی کہ اس کو نظر لگ گئی اور چند دن میں انتقال کرگیا، مصرعۂ طرح یہ تھا ؎

کوئی نہیں جو یار کی لادے خبر مجھے

اس پر اس لڑکے نے یہ مصرعہ لگایا ؎

اے سَیلِ اشک تو ہی بہادے اُدھر مجھے

## محبت کا اثر

محبت اللہ کی جب اثر کرجاتی ہے تو اس کیفیت کو نہ پوچھیے۔ عاشقینِ صادقین میں جو اخلاص ہوتا ہے اس اخلاص کو دوسرے نہیں پہنچ سکتے ہیں یَدۡعُوۡنَ رَبَّھُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَ الۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡھَہٗ [۸۷] ان کی شان ہوتی ہے، یعنی اپنے رب کو صبح شام کثرت سے یاد کرتے ہیں، صرف اپنے اللہ کی خوشنودی کے لیے۔

یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡھَہٗ کا مطلب یہ ہے کہ یہ طالبِ ذاتِ حق ہیں، اور ان کی شان

---

۸۷؎ الکھف: ۲۸

یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا ہے۔ ہر وقت ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ میاں کس بات سے خوش ہوں گے۔ ایک دُھن لگی ہے کہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا کیسے حاصل ہو جائے۔

اس مقصد کے لیے کبھی میدانِ کارزار میں کھڑے ہیں، کبھی اپنے بھائیوں کے ساتھ رحمت کا سلوک کر رہے ہیں، کبھی اپنے اللہ کی یاد میں کھڑے ہیں، کبھی رکوع میں جھکے ہیں، کبھی سجدے میں پڑے ہیں اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ تَرٰىہُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا ہر صحابی سچّا عاشق تھا اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ اللہ تعالیٰ نے اُن کی شدّتِ محبّت بیان فرما کر تعلیم فرمادی کہ ایمانِ کامل جب ہی ہوتا ہے جب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت میں سرگرمی اور شدّت پیدا ہو جائے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے طریقِ عشق سے راستہ طے کیا تھا۔ گھر سے بے گھر ہونا، جان اور مال کا قربان کرنا، ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے خوف ہو جانا بدون شدّتِ محبّت کے ممکن نہیں ہے اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہجرت کر کے، جانی اور مالی جہاد کر کے خاندان اور کنبہ کی ملامت سے بے خوف ہو کر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت میں جو سرگرمیاں دکھائیں وہ ان کی شدّتِ محبّت ہی کے پھل پھول تھے، اور محبت جب شدّت پکڑ لیتی ہے تو اسی کا نام عشق ہے۔ حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اٰمَنَّا معنیٰ میں عشقنا کے ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر عشقنا کیوں نہیں فرمایا؟ تو بات یہ ہے کہ لفظ عشق چوں کہ شعرائے عرب میں نفسانی محبّت کے لیے مستعمل ہوتا تھا اس لیے حق تعالیٰ نے اس کو شدتِ محبت سے تبدیل فرما کر اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ فرمادیا، اخلاص کا مقام بدون شدّتِ محبّت کے حاصل نہیں ہوتا ہے۔ عشق ہی ایسی چیز ہے جو غیر محبوب سے بے گانہ کر دیتی ہے۔ عشق سارے باطنی امراض مثلاً ریا، کینہ، عُجب، حسد، بغض وغیرہ کو جَلا دیتا ہے۔ اسی کو حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جُملہ علتہائے مَا

مبارک ہو اے عشق! کہ تو بہت اچھی بیماری ہے، تو ایسی بیماری ہے کہ ہماری جملہ علتوں کی دوا ہے۔

## دوائے نخوت وناموس

اے دوائے نخوت وناموسِ مَا
اے تو افلاطون وجالینوسِ مَا

مولانا فرماتے ہیں کہ اے عشق! تو ہماری تمام نخوت اور جاہ ناموس کی دوا ہے اور اے عشق! ہمارے لیے تو ہی افلاطون اور جالینوس ہے۔

بے غرض نبود بگردش در جہاں
غیر جسم و غیر جانِ عاشقاں

بے غرض جہاں میں کسی کا کام نہیں ہے بجز عاشقوں کے جسم اور جان کے کہ ان کے سامنے بجز رضائے محبوب کے کوئی اور غرض نہیں ہوتی۔

## ترکِ معشوقی اور اختیارِ عاشقی

ترک کن معشوقی و کن عاشقی
اے گماں بردہ کہ خوب و فائقی

جب عشق میں یہ کرامت موجود ہے تو مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ اے وہ شخص! کہ تو اپنے پر گمان اچھے ہونے کا اور فائق ہونے کا رکھتا ہے۔ (حالاں کہ غلام کی اچھائی اور بُرائی کا فیصلہ اس کے مالک کے فیصلے پر منحصر ہے اور مالک کے فیصلے کا یقینی علم مرنے سے پہلے ناممکن ہے، پس اے گمان غیر مفید میں مبتلا شخص) تو گمانِ معشوقیت کو اپنے دل سے نکال دے اور عاشقی اختیار کرلے کہ اس کا ثمرہ یقینی ہے۔

# پیاس کی طلب پانی کی طلب سے مقدم ہے

تشنگاں گر آب جویند از جہاں
آب ہم جوید بعَالم تشنگاں

پیاسے اگر پانی کو طلب کرتے ہیں جہاں سے تو پانی بھی عالم میں پیاسوں کو ڈھونڈتا ہے پس تمہاری طرف سے حق تعالیٰ طلب دیکھ کر تمہیں اپنی طرف جذب فرمالیں گے۔

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے
عاقبت بینی ازاں درہم سرے

پیغمبر علیہ السّلام نے فرمایا کہ جب تم کسی دروازے کو کھٹکھٹاؤ گے تو انجام کار کوئی سر اس دروازے سے ضرور نکلے گا۔

آگے دوسری مثال ارشاد فرماتے ہیں۔

چوں ز چاہے می کنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آب خاک

اگر کسی کنویں سے ہر روز تم مٹی نکالتے رہو گے تو ایک نہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ تمہارے ہاتھ اس آبِ پاک تک پہنچ جائیں گے۔

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آبت از بالا و پست

پانی کم ڈھونڈو، پہلے پیاس یعنی سچی طلب دل میں پیدا کرو، تاکہ پیاس کے بعد جو پانی پیو تو وہ پانی سر سے پیر تک جوش میں آجائے۔

گر تو طالب نیستی تو ہم بیَا
تا طلب یابی ازیں یارِ وفا

اگر تم میں پیاس موجود نہیں تو تم مایوس نہ ہو، کسی اللہ والے کے پاس آجاؤ تاکہ اس یارِ وفا سے تم کو طلب اور پیاس بھی عطا ہو جائے۔

الغرض حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے شانوں کو ہلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **یَا ابْنَ عُمَرَ! کُنْ فِی الدُّنْیَا کَأَنَّکَ غَرِیْبٌ** دنیا میں مسافر کی طرح سے رہو، تو گھر کے اندر ہے اور مسافر کی طرح ہے۔ مسافر کسی سے میل جول نہیں رکھتا ہے، کوئی اس سے فضول گفتگو کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں بے وطن ہوں، مسافر ہوں، میں آپ کی ان باتوں میں کیا مدد کر سکتا ہوں، میرے سامنے میرے سفر کے حقوق ہیں۔ مسافر تعلقاتِ غیر ضروریہ سے اپنے کو بچاتا ہے تاکہ سفر میں خلل نہ پیدا ہو۔

غیر ضروری اسباب اور تکلّفات میں جو وقت صَرف کیا جاتا ہے جس طرح وہ محبّت کی شان کے خلاف ہے اسی طرح بے ضرورت میل جول اور یار باشی میں وقت ضایع کرنا بھی شانِ محبت کے خلاف ہے۔ محبِ صادق کی شان تو یہ ہوتی ہے ؂

که بفراغِ دل زمانے نظرے بماہ رُوئے

ازاں بہ کہ چترِ شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے

فراغِ قلب سے ایک نظر اُس ماہ رُو کو دیکھ لینے کا زمانہ بہتر ہے اس سے کہ شاہی تاج سر پر ہو اور سلطنت کا شور و غل ہو۔

پس از سی سال ایں معنٰی محقق شد بخاقانی

کہ یک دم باخدا بودن بہ از ملکِ سلیمانی

## قصّۂ یکے از بادشاہانِ عرب کہ عشقِ حقیقی اورا از خطۂ عرب بیروں کرد

عرب میں ایک بادشاہ امرأ القیس نامی گزرے ہیں اور اسی نام کا ایک شاعر بھی گزرا ہے، جس کا زمانہ سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲۴ سال پہلے ہوا ہے، مگر یہ دوسرے امرأ القیس ہیں، جن کا واقعہ مولانا نے ''مثنوی شریف'' میں بیان فرمایا ہے۔ یہ پہلے سلطنت اور حکومت کے حریص تھے اور بہت صاحبِ کمال، حسین و جمیل بادشاہ تھے۔ جب عشقِ حقیقی نے ان پر اپنا اثر کیا تو عشق نے اُن کو خطۂ عرب سے باہر کر دیا، کیوں کہ محبت تمام لذات کو اَلَم سے بدل دیتی ہے۔ صاحبِ قصیدۂ بردہ فرماتے ہیں ؂

نَعَمۡ سَرٰی طَیۡفُ مَنۡ اَھۡوٰی فَاَرَّقَنِیۡ
وَالۡحُبُّ یَعۡتَرِضُ اللَّذَاتِ بِالۡاَلَمِ

فرماتے ہیں کہ رات مجھے اپنے محبوب کا خیال آیا، پس اس نے مجھے تمام رات بیدار رکھا، اور محبت کا خاصہ ہی یہی ہے کہ لذات کو درد اور الم سے بدل دیتی ہے۔

چناں چہ اس بادشاہِ عرب کے متعلق مولانا فرماتے ہیں؎

چوں کہ زد عشقِ حقیقی بر دلش
سرد شد ملک و عیال و منزلش

جب حقیقی عشق نے اس کے دل پر اثر کیا تو اس پر ملک اور عیال اور گھر سرد ہو گیا۔

میاں کی یاد میں جو لطف روح کو نصیب ہوا اس کے سامنے سلطنت کی لذت ہیچ معلوم ہوئی اور بزبانِ حال کہا کہ؎

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

نیم شب دلقے بپوشید و برفت
از میانِ مملکت بگریخت تفت

آدھی رات کو ایک گدڑی اوڑھی اور نکل گیا، اپنی سلطنت سے جلد بھاگ گیا، اپنی سلطنت سے نکل گئے اور مسافر ہو گئے۔

تمام سامانِ راحت و عیش کو محبتِ حق نے تلخ کر دیا، چلتے چلتے ایک دوسری سلطنت میں پہنچے جس کا نام تبوک تھا، اور وہاں اینٹیں بنانے لگے اور اکثر چہرے پر نقاب ڈالے رہتے تھے تاکہ شاہی چہرے دیکھ کر ملک کے مخبرین کو تشویش نہ ہو۔

یہ محبت ہے کہ بادشاہِ وقت سے اینٹیں بنوا رہی ہے، مگر یہ غلامی ہزاروں شاہیوں سے بہتر ہے؎

بندگی او بہ از سلطانی است
کہ اَنَا خَیۡرٌ دم شیطانی است

اللہ کی بندگی سلطانی سے بہتر ہے، اپنے کو اچھا سمجھنا شیطانی سانس ہے۔

عشق را نازم کہ یوسفؑ را ببازار آورد
ہمچوں صنعا زاہدے را زیرِ زُنار آورد

کچھ ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں نے بادشاہِ تبوک سے کہا کہ بادشاہوں میں سے ایک بادشاہِ عرب امرأالقیس یہاں فقیری کی حالت میں آیا ہے اور وہ شکارِ عشق ہو گیا ہے اور اینٹیں بناتا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ اٹھا اور امرأالقیس کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے بادشاہِ خوبرو! تو یوسفِ وقت ہے۔ تیرے پاس دو ملک کامل ہیں، ایک تو تُو ایک سلطنت کا مالک ہے، دوسرے تیرے پاس جمال بھی ہے، ہماری خوش نصیبی ہوگی کہ آپ ہمارے پاس رہیں۔

پیش ماباش کہ بختِ ما بود
جانِ ما از وصلِ تو صد جاں شود

(عارف رومیؒ)

تو ایسا عالی ہمت ہے کہ تیری ہمت میں بہت سے ملک متروک ہیں۔ الغرض دیر تک ایسی گفتگو کی کہ امرأالقیس شاہِ تبوک کے یہاں رہنے کے لیے تیار ہو جائے اور وہ خاموش سنتا رہا، اچانک اس نے اپنا نقاب کھولا اور بادشاہِ تبوک کے کان میں نہ جانے کیا عشق اور درد کی بات کہہ دی کہ اپنی طرح فوراً اس کو بھی سرگرداں اور دیوانہ کر دیا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

عشق محض دیکھنے ہی سے نہیں پیدا ہوتا، بسا اوقات یہ دولت دوسروں سے سن کر بھی ہاتھ لگ جاتی ہے۔

اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا[۵۸] کا یہی راز ہے۔ رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو جو اُن کی گلی میں چلا ہوا ہے۔

---

۵۸ الفرقان:۵۹

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است

افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

میں اپنی ان آنکھوں پر ناز کرتا ہوں کہ انہوں نے آپ کا جمال دیکھا ہے اور اپنے پاؤں پر گرتا ہوں کہ آپ کی گلی میں پہنچے ہوئے ہیں۔

وہ باخبر جب اس محبوبِ حقیقی کی تعریف زبانِ عشق سے کرے گا تو اس کا حال تم کو بھی صاحبِ حال بنادے گا۔

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت

اک خانہ بخانہ ہے اک سینہ بہ سینہ ہے

الغرض وہ دونوں بادشاہ اللہ کی محبّت میں دیوانے ہو کر وہاں سے بہت دور چلے گئے۔ اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشق نے یہ گناہ ایک ہی بار نہیں کیا۔ ان دونوں بادشاہوں کے علاوہ بہت سے بے شمار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جن کو عشقِ حقیقی نے ملک اور خاندان سے جدا کر دیا ہے۔

آنکہ ترا شناخت جاں را چہ کند

فرزند و عیال و خانما را چہ کند

## بیانِ عشق

از محبت شاہ بندہ می شود

وز محبّت مُردہ زندہ می شود

از محبت تلخ ہا شیریں شود

وز محبت مسہا زریں شود

محبت سے شاہ بندہ ہو جاتا ہے اور محبت سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ محبت سے ساری تلخیاں شیریں ہو جاتی ہیں اور محبت سے تانبا سونا ہو جاتا ہے۔

گر بہ بینی یک نفس حُسنِ ودود
اندر آتش افگنی جَانِ ودود

اگر تو محبوبِ حقیقی کا حسن اپنے قلب میں ایک لمحے کو بھی مشاہدہ کرلے تو اپنی محبوب جان کو آگ میں ڈال دے۔

گر بہ بینی کرّ و فرّ و قرب را
جیفہ بینی بعد ازیں ایں شُرب را

اگر تو حق تعالیٰ کے قرب کی شان وشوکت دیکھ لے تو دنیا کی تمام لذتیں تجھ کو مردار معلوم ہوں۔

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند
از ہمہ کارِ جہاں بیکار مَاند

حق تعالیٰ جس کو اپنی طرف جذب فرمالیتے ہیں وہ سارے جہاں کے کام سے بے کار ہوجاتا ہے۔

یعنی سارے جہاں کے کام اس کی نگاہ میں بے کار معلوم ہوتے ہیں اور اس کا مذاق یہ ہوجاتا ہے۔

خوش تر از ہر دو جہاں آنجا بود
کہ مرا با تو سر و سودا بود

دونوں جہاں میں سب سے اچھا وہ مقام ہے جہاں آپ ہوں اور ہماری اور آپ کی راز ونیاز اور محبت کی باتیں ہوا کریں۔

قیمتِ خود ہردو عالم گفتیٔ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اے محبوب! آپ نے اپنی قیمت دونوں جہاں بتائی ہے، یہ قیمت تو آپ کی ذاتِ پاک کے سامنے کچھ بھی نہیں، نرخ اور بالا فرمایئے کہ ابھی ارزانی ہے۔

کشتنے بہ از ہزاراں زندگی
سلطنت ہا مردۂ ایں بندگی

آپ کی محبت میں ایک دفعہ قتل ہونا ہزاروں زندگیوں سے بہتر ہے اور بہت سی سلطنتیں آپ کی اس غلامی پر قربان ہیں۔

ملکِ دنیا تن پرستاں را حلال
مَاغلامِ عشقِ ملکِ لا زوال

دنیا کا ملک تن پرستوں کے لیے مبارک ہو اور ہمیں عشق کا مُلکِ لازوال مبارک ہو۔

آدمَا معنٰی دل بندم بجو
ترکِ قشر و صورتِ گندم بگو

(بطور حکایت عن الحق کے خطاب ہے) ''اے آدم! یعنی بنی نوع آدم، میرے معنیٰ دل بندے کو طلب کرو، پوست اور صورتِ گندم کو ترک کرو۔'' یعنی مخلوقات کی طرف توجہ کرنا کہ مشابہ ہے اکلِ شجرہ کے ترک کرکے توجہ الی الحق اختیار کرو۔

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے درجے کے عاشق اور عارف باللہ ہیں، مگر فرماتے ہیں۔

من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست
شرحِ آں یارے کہ او را یار نیست

جب کہ میری ایک رگ بھی ہوشیار نہیں ہے تو میں اس دوست کی کیا شرح کروں جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

## تذکرہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے آدمی اپنی صدی کے گزرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی معرفت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔ ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ محمد خوارزم شاہ کے حقیقی

نواسے تھے۔ چھ سال کی عمر میں جب اپنے والد صاحب کے ساتھ بابا فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنی مثنوی "اسرار نامہ" تبرکاً ہدیہ دی اور آپ کے والد صاحب سے فرمایا کہ یہ لڑکا ایک دن غلغلہ بلند کرے گا۔ چند سال بعد مولانا نے تکمیلِ علوم کے لیے شام کا سفر فرمایا اور پھر سات سال دمشق میں تحصیلِ علوم و فنون کرتے رہے۔ تمام مذاہب سے واقف تھے۔ علمِ کلام، علمِ فقہ اور اخلاقیات میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ فلسفہ و حکمت و تصوف میں اُس وقت ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ پھر درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔

## مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا

اُدھر حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے ایسا بندہ عطا فرمایئے جو میری آتشِ محبّت اور صحبت کا متحمل ہوسکے اور اس آتشِ عشقِ حقیقی کی امانت اس کے سپرد کردوں۔

## دعائے منظوم حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ

اے خدا ملتا کوئی بندہ مجھے
جو صحیح معنوں میں ہو لائق ترے

اے خدا جو آگ میرے دل میں ہے
جو تڑپ اس نیم جاں بسمل میں ہے

میری نسبت میں جو سوزِ عشق ہے
دل میں گویا کوہِ طورِ عشق ہے

عشقِ حق سے اس کا سینہ پُر کروں
اور صدف کو اُس کے میں پُر دُر کروں

میری آتش کا تحمل جو کرے
کوئی بندہ مجھ کو اب ایسا ملے

چناں چہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور الہام ہوا کہ رُوم جاؤ۔

پس اچانک غیب سے آئی صدا
شمس تبریزی تو فوراً رُوم جا

اسی وقت چل کھڑے ہوئے، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ پر جس وقت حضرت تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی نظر پڑی تو آپ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، جس کو مولانا نے اپنی ایک غزل میں اس انداز سے بیان فرمایا ہے۔

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم
ازیں مے ہمچوں من بسیار شد مست
ازیں مے جرعۂ پاکاں چشیدند
جنید و شبلیؔ و عطارؔ شد مست
چو بر من شمسؔ تبریزی نظر کرد
تو مُلاّ بر سرِ بازار شد مست

۱) میں اکیلا ہی اس محبّتِ حق کے میخانے کا مست نہیں ہوں، بلکہ اس مَے سے مجھ جیسے بہت سے مست ہیں۔

۲) اس شرابِ محبّتِ حق کا جرعۂ پاک پاک بندوں نے نوش کیا ہے۔ چناں چہ حضرت جنید و شبلی و عطار رحمۃ اللہ علیہم سب کے سب مست ہوگئے۔

۳) جب مجھ پر حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے نظر ڈالی تو یہ مُلاّ رُومی بر سرِ بازار مست ہوگئے۔

اور حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آپ سلوک کے منازل طے کرنے میں مشغول ہوگئے اور درس و تدریس اور وعظ و پند کے اشغال چھوڑ دیے۔

## مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں اپنے پیر کی محبت

اپنے پیر سے دم بھر کی جدائی کا تحمل نہ پاتے تھے۔ عجیب والہانہ تعلق حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے پیدا ہوگیا۔ کہاں تو بادشاہ کے نواسے تھے، عمامہ و جبے کے ساتھ پالکی پر چلتے تھے اور سینکڑوں شاگرد آپ کی جوتی سیدھی کیا کرتے تھے اور اب پیر کی محبّت میں پیر کے پیچھے پیچھے، پیر کا سب سامان بستر، گدڑی، چکی، پیالہ، لوٹا اور غلہ وغیرہ سر پر رکھے ہوئے پھرنے لگے۔

شیخ کا بستر لیے سر پر چلے
عشق کی ذلّت سے سودا کر چلے

(از مرتّب)

ایں چنیں شیخ گدائے کُو بہ کُو
عشق آمد لَاۤاُبَالِیْ فَاتَّقُوْا

مولانا نے اسی غلامی کو بڑے فخر سے اس شعر میں بیان فرمایا ہے۔

مولوی ہر گز نشد مولائے رُوم
تا غلامِ شمس تبریزی نشد

مثنوی شریف میں جہاں جہاں حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا یا پیر کا لفظ آگیا ہے مولانا پر ایک حالت طاری ہوگئی ہے اور صفحات در صفحات اشعار پیر کی محبّت میں فرما گئے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں۔

پیر باشد نردبانِ آسماں
تیر پرّاں از کہ گردد از کماں

پیر آسمان تک رسائی کے لیے بمنزلہ سیڑھی کے ہے، تیر کا تیز رفتاری سے اڑنا کمان ہی کے فیض پر منحصر ہے۔

من نجویم زیں سپس راہِ اثیر
پیر جویم پیر جویم پیر پیر

میں آسمان کا راستہ نہ ڈھونڈوں گا مگر پیر ڈھونڈوں گا پیر ڈھونڈوں گا پیر پیر، یعنی پیر ہی کے ذریعے راستہ حاصل ہو گا۔

پیر کی محبت میں یہ شعر ایک خاص والہانہ کیفیت کا اظہار کرتا ہے۔ ایک مقام پر کسی قصّے کے اندر صرف شہر تبریز کا نام آگیا، وہاں بھی مولانا پر پیر کے شہر کے نام سے ایک حالت طاری ہوگئی اور کئی شعر تبریز شہر کی تعریف میں فرما گئے۔ فرماتے ہیں؂

اُبْرُکِیْ یَا نَاقَتِیْ طَابَ الْاُمُوْرُ
اِنَّ تَبْرِیْزًا مُنَاجَاتُ الصُّدُوْرِ

بیٹھ جا اے میری ناقہ! سب کام اچھے ہوگئے، بے شک تبریز دلوں کی گفتگو کی جگہ ہے۔

اِسْرَحِیْ یَانَاقَتِیْ حَوْلَ الرِّیَاضِ
اِنَّ تَبْرِیْزًا لَّنَا نِعْمَ الْمَفَاضُ

چرتی رہ اے میری ناقہ! باغوں کے گرد، بے شک ہمارے لیے تبریز خوب محلِ فیض ہے۔

ساربانا بار بکشا ز اشتراں
شہر تبریز است کوئے دلستاں

اے ساربان! اسباب اونٹوں پر سے کھول دے، یہ شہر تبریز ہے اور محبوب کا مقام ہے۔

فرِّ فردوسی است ایں فالیز را
شعشعہ عرشی است ایں تبریز را

فردوس کی سی رونق ہے اس چمن کے لیے، عرش کی سی روشنی ہے اس تبریز کے لیے۔

ہر زمانے فوج رُوح انگیز جاں
از فرازِ عرش بر تبریزیاں

ہر وقت خوشبو راحت انگیز رُوح کی فوقِ عرش سے تبریزیوں پر وارد ہو رہی ہے۔

ایک مقام پر فرماتے ہیں ؎

شمس تبریزی کو نورِ مطلق است
آفتاب است و ز انوارِ حق است

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرا پیر شمس تبریزی کہ وہ مطلق نور ہے، یعنی اس کی ظلماتِ نفسانیہ توارد تجلیاتِ الٰہیہ سے فنا ہو گئی ہیں اور میرا پیر طالبین کے قلوب کے لیے افاضۂ نور میں مثل آفتاب کے ہے اور اس آفتابِ تبریزی میں جو نور ہے وہ انوارِ حق سے مستفید ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر کی صحبت میں رہ کر اپنی نسبت میں تمام اس آگ کو جذب کر لیا جس کے متعلق حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! مجھے ایسا بندہ دیجیے جو میری صحبت کا متحمل ہو سکے، اور پھر علوم اور معارف کا آپ کے سینے میں ایسا جوش ہوا کہ آپ نے ایک مثنوی لکھی، جس میں اٹھائیس ہزار آٹھ اشعار ہیں اور ہر شعر الہامی ہے، یعنی وارداتِ غیبیہ ہیں، جس کو مولانا خود بیان فرماتے ہیں ؎

قافیہ اندیشم و دلدارِ مَن
گویدم مندیش جُز دیدارِ من

جب میں قافیہ سوچنے لگتا ہوں تو میرا محبوب مجھ سے کہتا ہے: مت سوچ بجز میرے دیدار کے۔ یعنی تم صرف میری طرف متوجہ رہو، قوافی ہم الہام فرمائیں گے، قافیہ اندیشی میں مشغول نہ ہو۔

## مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ سے کیا فیض ہوا؟

پیر کے ہاتھوں سے جو نعمت ملی
مثنوی ہے صد تشکر سے بھری

شمس تبریزی نے نسبت آتشیں
سینۂ رُومی میں بھر دی بالیقیں
کیا مِلا رُومی کو تبریزی سے آہ
اس کو پوچھا چاہیے رومی سے آہ
لیک میں کہتا ہوں کہ اے دوستو
مثنوی میں اس کو خود تم دیکھ لو

کبھی کبھی مثنوی شریف میں تاخیر ہوئی ہے تو اس کی وجہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں ۔

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد
مہلتے بایست تا خوں شیر شد

''ایک مدت مثنوی شریف میں تاخیر ہوگئی، کیوں کہ اگر مسلسل ماں کے پستان سے دودھ نکلتا رہے تو بجائے دودھ کے خون آنے لگے۔ پس اتنی مہلت ضروری ہے کہ جتنا دودھ نکل چکا ہے، اس کے عوض میں دوسرا خون دودھ بن جائے۔''

## حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبلیغی کام کرنے والوں کے لیے مشورہ

ہمارے مرشد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ تبلیغ و ارشاد کا کام انجام دے رہے ہیں ان کو چاہیے کہ کچھ وقت خلوت مع اللہ کا اپنے معمولات کے لیے بھی مقرر کرلیں۔ دوسروں کی نفع رسانی کے ساتھ ساتھ اپنی نگرانی اور اپنی ترقی سے بے فکر نہ ہوں۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ تلقّی موقوف ہے تخلّی پر، یعنی خلوت مع اللہ ہی کی برکت سے مضامین القا ہوتے ہیں اور اس کے برعکس مسلسل نفع رسانی کا انجام اس کنویں جیسا ہے کہ جس سے ہر وقت پانی نکالا جاوے اور سرچشمہ سے پانی جمع ہونے کا وقفہ نہ دیا جائے، تو پھر اس کنویں سے بجائے پانی کے کیچڑ نکلنے لگتا ہے۔ اسی طرح

معمولات کی پابندی نہ کرنے والے کی باتیں ظلمت آمیز ہو کر غیر مفید ہو جاتی ہیں۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دیوان بھی ہے جس میں پچاس ہزار اشعار موجود ہیں، بعض لوگ غلطی سے اس کو حضرت تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان سمجھتے ہیں، کیوں کہ اکثر مقطع میں شمسُ الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے۔

## مثنوی شریف کے متعلق حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تین کتاب اللیلی قرآن شریف، بخاری شریف، مثنوی شریف۔

حضرت ملّا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت جامع تعریف بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

من چہ گویم وصفِ آں عالی جناب
نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ جو اہل اللہ کی تعریف میں بے خود اور مست ہو جاتے ہیں اس کی ایک خاص وجہ ہے، وہ یہ کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی روحِ پاک حضرت تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کے فیضِ عظیم سے سالہا سال کے مجاہدات سے طے ہونے والے مقامات پر یک لخت فائز ہو گئی تھی، جس کے سبب اہل اللہ کی عظمت اور رفعتِ مرتبت کا ان پر بہت اثر تھا اور اسی کا جگہ جگہ مثنوی شریف میں ظہور ہوا ہے۔

## مثنوی شریف سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو مثنوی شریف سے بڑا شغف تھا۔ آپ کے ہاں مثنوی شریف کا درس بڑے اہتمام سے ہوتا تھا، جس میں بڑے بڑے علماء ہند اور بیرونِ ہند کے شریک ہوتے تھے اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ

نے بھی حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مثنوی پڑھی ہے۔

## خواب میں مثنوی شریف کے متعلق حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

مجھ سے خواب میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مثنوی شریف دیکھا کرو اور فرمایا کہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو کچھ ملا حدیث شریف اور مثنوی شریف کے درس وتدریس سے ملا۔

ہمارے حضرتِ والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہر وعظ میں مثنوی شریف کی حکایتیں اور اس کے اکثر اشعار ملتے ہیں۔

مثنوی شریف چھ دفتروں میں ہے۔ دفترِ ششم کے آخر میں مولانا نے ایک حکایت شروع کی تھی کہ درمیانِ حکایت میں الہام کا سلسلۂ غیبی مشیتِ حق سے بند ہوگیا جس کو مولانا نے اسی آخری شعر میں بیان فرما کر سلسلۂ مثنوی کو ختم فرمادیا۔

## مثنوی شریف کے الہامی ہونے پر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر سے اشارہ

مثنوی شریف کے الہامی ہونے پر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر سے اشارہ ملتا ہے۔

چوں فتاد از روزنِ دل آفتاب
ختم شد واللہ اعلم بالصواب

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دل میں جس دریچۂ باطنی سے وارداتِ غیبیہ علوم اور معارف کے آرہے تھے اب بحکمتِ خداوندی وہ آفتاب افقِ استتار میں غروب ہوگیا، یعنی اب بجائے تجلّی کے استتار ہوگیا، جیسا کہ عارفین کو دونوں حالتیں پیش آتی ہیں اور بعض مصالح اس میں تجلّی سے بھی زیادہ ہوا کرتی ہیں، پس جب روزنِ قلب کی محاذات سے آفتابِ فیض زیرِ افق جاگرا تو کتابِ ہٰذا ختم ہوگئی۔ ”ختم شد واللہ اعلم بالصواب۔“

اور اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ صواب اور مصلحت اور حکمت کس وقت کس چیز میں کیا ہے۔ پس جب وہی جانتے ہیں اور حکمت کے موافق کرتے بھی ہیں اور اس

وقت انہوں نے ایسا کیا، پس یقیناً اسی میں حکمت ہے، اس لیے میں بھی اتباع اس حال کا کر کے بتکلف کلام کرنا نہیں چاہتا اور مثنوی کو ختم کیے دیتا ہوں۔ (کلیدِ مثنوی، دفترِ ششم)

حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر فائدے کے تحت ایک تنبیہ تحریر فرمائی ہے، وہ یہ کہ عارف کو بحکمِ وقت کلام کرنا چاہیے، جب طبیعت اپنی اور سامعین کی حاضر ہو اور علوم و معارف کی آمد ہو اور اس میں اعتدال ہو کہ نہ بیان میں تکلف ہو اور نہ اتنا غلبہ ہو کہ ضبط سے خارج ہونے کا اندیشہ ہو، اس وقت افادۂ خلق میں مشغول ہو، اور اسی وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر یہ شعر وارد ہوا ؂

گر بگوید بگو بگوئی و بجوش
ور بگوید مگو مگوئی و خموش

## مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی پیشین گوئی

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد ایک نور جان آئے گا جو اس مثنوی کا تکملہ کرے گا، جو ان دو شعروں میں مذکور ہے ؂

ہست باقی شرحِ ایں لیکن دروں
بستہ شد دیگر نمی آید بروں
باقی ایں گفتہ آید بے زباں
در دلِ آں کس کہ دارد نورِ جاں

چناں چہ اس نورِ جاں کا مصداق حق تعالیٰ نے مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی قدس سرّہٗ کو بنایا اور انہوں نے مثنوی کی تکمیل فرمائی، یعنی مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روح پر مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کا فیض مشاہدہ کیا۔ چناں چہ فرماتے ہیں ؂

آمدی در من مرا بردی تمام
اے تو شیر حق مرا خوردی تمام

مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے جلال الدین رومی! آپ نے میری روح پر اپنے انوار کا ایسا تسلط فرمادیا کہ میرا وجود کالعدم ہوگیا۔ اے کہ تو گویا شیرِ حق ہے، جس نے میری ہستی کو فنا کردیا ہے۔یعنی دفترِ سادس مثنوی کی تکمیل کی پیشین گوئی کے مطابق میرے قلب پر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی روحِ پاک مضامین اور معارف کو القا کررہی ہے۔ پس یہ کلام بھی اگرچہ میری زبان سے نکلے گا لیکن وہ در حقیقت مولانا ہی کا کلام ہو گا،یعنی بمصداق ؎

گرچہ قرآن از لبِ پیغمبر است
ہر کہ گوید حق نگفت او کافر است

مفتی الٰہی بخش صاحب بارھویں صدی کے آدمی ہیں اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ساتویں صدی کے ہیں۔ مفتی الٰہی بخش صاحب نے ظاہری علوم کی تکمیل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کی تھی۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا جب دنیا سے انتقال کا زمانہ قریب آیا تو قونیہ میں بڑے زور کا زلزلہ آیا اور چالیس دن تک اس کے جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زمین بھوکی ہے، لقمۂ تر چاہتی ہے۔ چند ہی روز کے بعد مولانا علیل ہوئے، ۲ سنہ ۶۷۲ھ جمادی الثانی بروز یک شنبہ بوقتِ غروبِ آفتاب ہمیشہ کے لیے یہ آفتابِ علم وفضل غروب ہوگیا۔

## آفتابِ معرفت مولائے روم کا وقتِ غروب

### یعنی تذکرۂ وفات

رات کو سامان کیا گیا اور صبح کو جنازہ اٹھا۔ بادشاہ سے لے کر فقیر وغریب تک سب ہمراہ تھے۔ لوگوں نے تابوت توڑ کر تبرّکاً تقسیم کرلیا۔ اس قدر ازدحام اور ہجوم تھا کہ صبح کا جنازہ شام کو قبرستان پہنچ سکا۔ شیخ صدرالدین شاگرد حضرت شیخ محی الدین اکبر رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے مریدین کے ہمراہ تھے۔ شیخ صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ جب

جنازے کی نمازِ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ پھر قاضی سراج الدین نے نماز جنازہ پڑھائی۔ کل ۶۸ سال کی عمر پائی تھی۔ پورا نام محمد جلال الدین مولانائے رومی رحمۃ اللہ علیہ ہے اور قونیہ میں مدفون ہیں۔

## امت پر مثنوی شریف کا احسان

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی بہت با فیض کتاب ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آج تک امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً تمام اہلِ علم اولیائے اللہ نے مثنوی شریف کے علوم اور معارف سے فیض اٹھایا ہے۔

ہمارے حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ بعض کے مذاق کے لیے مثنوی شریف مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ بمنزلۂ ذکر اللہ ہے، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف کی عجیب جامع شرح لکھی ہے، جس کا نام ''کلیدِ مثنوی'' ہے۔

الغرض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی محبّتِ کاملہ کا طریقہ ارشاد فرمایا ہے، یعنی جب مسافرانہ زندگی گزارو گے تو تکلّفات میں وقت ضایع نہ ہو گا اور محبوبِ حقیقی کی یاد میں بفراغِ قلب مشغولی کا موقع ہاتھ آجائے گا اور سچے محب کی شان یہی ہوتی ہے کہ آرایش اور تکلّفات میں اس کا جی نہیں لگتا۔

نَعَمْ سَرٰی طَیْفُ مَنْ اَھْوٰی فَاَرَّقَنِیْ
وَالْحُبُّ یَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْاَلَمِ

صاحبِ قصیدۂ بردہ فرماتے ہیں کہ ''ہاں رات محبوب کا خیال آیا، پس خیالِ محبوب نے مجھ سے میری نیند کو جدا کر دیا، اور بات تو یہی ہے کہ محبت جب آتی ہے تو تمام لذتوں کو تلخ کر دیتی ہے۔''

تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے
یہی بس محبّت کا انعام ہے

دلِ مضطرب کا یہ پیغام ہے
ترے بن سکوں ہے نہ آرام ہے

(مولانا محمد احمد صاحب)

اللہ کی محبت تکلّفات میں مشغول ہونے سے روک دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک ہے: اَلْبَذَاذَۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ[۵۹] ”سادگی ایمانِ کامل کی نشانی ہے۔“

## سادگی ایمان کی علامت ہے

تو اس حدیث پاک کا بھی مفہوم یہی ہے کہ ایمان کامل جب ہی ہوتا ہے جب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّتِ کاملہ دل میں پیدا ہو جائے اور جب محبّتِ کاملہ ہوگی تو غیر محبوب کی مشغولی سے وحشت ہوگی۔

ایک ان سے کیا محبت ہوگئی
ساری دنیا ہی سے نفرت ہوگئی

بڑھ گیا ان سے تعلّق اور بھی
دشمنیٔ خلق رحمت ہوگئی

(خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

سادہ زندگی طبعاً محبوب معلوم ہوگی، عشق تکلّفات کے ساتھ جمع ہی نہیں ہو سکتا۔

## حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد

اس وقت ایک عجیب بات یاد پڑی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی عالم کو بہت مزین لباس میں دیکھتا ہوں تو دل میں وسوسہ آتا ہے کہ یہ شخص خالی خولی ہے، باطنی نعمت جس کے پاس ہوتی ہے وہ ظاہری نقش و نگار سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

---

۵۹ سنن ابن ماجۃ: ۲/۲۴۰ (۴۱۱۸)، باب من لا یؤبہ لہ، المکتبۃ الرحمانیۃ

اور فرمایا کہ ایک بار مولانا عیسیٰ صاحب مرحوم نے مجھ سے کہا کہ حضرت! زینت میں کیا حرج ہے اور یہ حدیث پڑھی:

اِنَّ اللّٰہَ جَمِیۡلٌ وَّیُحِبُّ الۡجَمَالَ

اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔

تو میں نے کہا کہ مولوی صاحب! جب حقیقت منکشف ہوگی تو اس حدیث سے استدلال دھرا رہ جاوے گا اور صحیح مفہوم اس حدیث کا سمجھ میں آجائے گا۔ چناں چہ چند دن تھانہ بھون رہنے کے بعد غریبوں کی سی وضع ہوگئی، اور گھڑی اچکن سب بھول گئے۔

دنیا جب مسافر خانہ ہے تو یہاں زندگی بھی مسافرانہ ہی گزارنا چاہیے، مسافرانہ زندگی کے لیے کیا خوب کہا ؎

مسافر در سرائے میہماں یک شب نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند

ایک جھونپڑی والے کی بھی صبح دوپہر شام ہوتی ہے اور محل والے کی بھی صبح دوپہر شام ہوتی ہے، یہ دن اور رات سب کے کٹ جاتے ہیں، فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ کسی کے دن رات فرماں برداری کے ساتھ گزرتے ہیں، کسی کے نافرمانی سے گزرتے ہیں۔

## موت کا استحضار

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سہ دری میں حضرت کے خاص حجرے کے سامنے ایک تختی پر یہ دو شعر بخطِ جلی لکھے ہوئے تھے ؎

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

آخرت سے غفلت کی اصلی جڑ دنیا کی محبّت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

## حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ

دنیا کی محبت تمام معاصی کی جڑ ہے۔

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دنیا کی محبت سے سخت پرہیز کا حکم فرمایا ہے اور مسافرانہ زندگی کے بعد أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ فرمایا ہے۔ یہاں اَوْ معنٰی میں بَلْ کے ہے، بَلْ ترقی کے لیے آتا ہے، یعنی كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ میں جو تعلیم دی گئی تھی کہ دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو کہ گویا تم ایک مسافر ہو، تو یہ ابتدائی درجہ ہے، جب اس درجے کا رسوخ ہو جائے تو اور ترقی کرو، اور اس طرح رہو کہ جیسے کوئی عابر ہوتا ہے، یعنی عبور کرنے والا۔ مسافر تو کہیں کسی وقت ٹھہر کر آرام بھی کر لیتا ہے اور عابر عبور کے درجے میں کہیں ٹھہرتا بھی نہیں ہے۔ وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُوْرِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”اور اپنے نفس کو اہلِ قبور میں سے شمار کرو۔“ یعنی جس طرح مُردہ دنیا سے بے تعلق رہتا ہے اسی طرح تم زندگی میں اپنے دل کو تمام فانی تعلقات سے خالی کرو اور دل میں صرف ایک ذاتِ پاک کا تعلق رکھو، یعنی دنیا میں تمام تعلقات پر اللہ کی محبت کو غالب کر لو۔

## ایک اعتراض اور اس کا جواب

اب کوئی اعتراض کر سکتا ہے کہ دنیا کی محبت نہ ہوگی تو دنیا حاصل کیسے ہوگی اور مسلمان دوسری قوموں کے مقابلے میں روز بروز گھٹتا چلا جاوے گا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو دنیا کمانا ہے اور ایک دنیا کی محبت ہے۔ کسبِ دنیا جائز ہے حُبِّ دنیا جائز نہیں۔ کشتی پانی کی محتاج ضرور ہے لیکن اسی وقت تک یہ پانی کشتی کے لیے معین اور مفید ہے جب تک کہ پانی کشتی کے اندر نہ داخل ہو، کشتی کے اندر پانی کا داخل ہو جانا کشتی کی ہلاکت اور تباہی کا سبب ہے۔

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است
آب اندر زیرِ کشتی پشتی است

پانی کشتی کے اندر کشتی کی ہلاکت کا سبب ہے اور پانی کشتی کے نیچے کشتی کی روانی کا ذریعہ ہے۔

دنیا حاصل کرنے سے کون منع کرتا ہے، البتہ دنیا کو دل میں رکھنے سے منع کیا جاتا ہے، کیوں کہ قلب کو حق تعالیٰ نے اپنی یاد کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ دل کی غذا صرف ذکر اللہ ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ

خوب سُن لو کہ دلوں کو چین اور اطمینان صرف اللہ تعالیٰ ہی کی یاد سے میسّر ہوتا ہے۔

پس قلب ایک شاہی محل ہے جس میں صرف شہنشاہِ حقیقی سکونت کر سکتا ہے، دل کوئی بھٹیار خانہ نہیں ہے کہ جس کو چاہو ٹھہرالو، اگر ٹھہراؤ گے تو اللہ کے نزدیک ظالم اور گستاخ سمجھے جاؤ گے۔

## دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب تک دنیا کی محبت نہ ہوگی تو ہم دوسری قوموں کی طرح حصولِ دنیا میں رات دن سرگرمی اور مشقت نہیں کرسکتے ہیں، کیوں کہ جب دل دنیا سے اچاٹ ہوگا تو ظاہر ہے کہ دنیا کمانے میں ہم یقیناً دوسری قوموں سے پیچھے رہ جائیں گے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال محض نادانی ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے سلطنت کرکے دکھادی ہے۔ سلطنت، فوج اور لشکر کے ساتھ یہ اللہ کے ولی تھے اور جس طرح اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کے متعلق اپنی رضا کا اظہار فرمایا اسی طرح ان حضرات کی اتباع کرنے والوں کے متعلق بھی اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے یہ حضرات بھی ہمارے مخدوم اور متبوع بن گئے۔

وَ السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ وَ الۡاَنۡصَارِ وَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُمۡ

بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ ؕ[۹۰]

اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدّم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔

بس ہم کو حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے۔ مسلمان تخت و تاج اور سلطنت کے ساتھ دیندار بن سکتا ہے اور اگر نہ چاہے تو تنگ دستی اور فاقے کے ساتھ بددین ہو سکتا ہے، نہ غریبی کے ساتھ دیندار ہونا ضروری ہے نہ امیری کے ساتھ بے دین ہونا ضروری ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام پیغمبر تھے اور بادشاہ بھی تھے، البتہ کچھ بندے مستثنٰی ہوتے ہیں جن پر اللہ کی محبت کا حال غالب ہو گیا اور انہوں نے دنیا کو لات مار دی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ایک جماعت ایسی موجود تھی جو بال بچے دار نہ تھی، انہوں نے اپنی زندگی کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔

## تذکرۂ اصحابِ صفہ

ان حضرات کو اصحابِ صفہ کہا جاتا ہے۔ یہ ایسے محبوب بندے تھے کہ حق تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ان کا عجیب خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ ۫ یَحۡسَبُہُمُ الۡجَاہِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعۡرِفُہُمۡ بِسِیۡمٰہُمۡ ۚ لَا یَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ؕ[۹۱]

صدقات اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو مقیّد ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں، یعنی دین کی خدمت میں مقید اور مشغول رہنے سے وہ لوگ طلبِ معاش کے لیے کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا عادتاً امکان نہیں رکھتے اور ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے ان کے سوال

۹۰ التوبۃ:۱۰۰

۹۱ البقرۃ:۲۷۳

سے بچنے کے سبب سے، البتہ ان کے طرز اور ہیئت سے پہچان سکتے ہو، کیوں کہ فقر اور فاقے سے چہرے اور بدن میں ایک گونہ اضمحلال ضرور آجاتا ہے، اور یوں وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے جس سے ان کو کوئی حاجت مند سمجھے، یعنی مانگتے ہی نہیں، کیوں کہ اکثر جو لوگ مانگتے ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں۔(ترجمہ و تفسیر از بیان القرآن)

لفظ اُحۡصِرُوۡا بتارہا ہے کہ یہ کشتگانِ محبت ہیں۔ منجانب اللہ ان کے اوپر دین کی محبت کا ایسا حال غالب کردیا گیا ہے کہ اسی میں گھرے ہوئے ہیں۔ بس ہر وقت دین ہی کا مشغلہ محبوب ہے اور اسی غلبۂ حال کے سبب کسبِ معاش کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؂

غیرِ آں زنجیر زلفِ دلبرم
گر دو صد زنجیر آری بردرم

بجز اس محبوبِ حقیقی کی زنجیرِ محبت کے اگر دو سو زنجیر تُو لائے گا تو میں توڑ دوں گا۔

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم
مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

ہم اگر قلاش اور دیوانے ہیں تو ہمیں اس کی پرواہی کیا، کیوں کہ ہم مست اس ساقیٔ ازل کے اور اس پیمانۂ ازل کے ہیں۔

یعنی اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ کی آواز مجھے ہر وقت اپنی طرف جذب کررہی ہے۔

آزمودم عقلِ دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

میں عقلِ دور اندیش کو بہت آزما چکا ہوں، اس کے بعد میں نے اب اپنے کو دیوانہ بنالیا۔

عاشقم من بر فنِ دیوانگی
سیرم از فرہنگ و از فرزانگی

میں دیوانگی کے فن پر عاشق ہوں اور عقل کی باتوں سے سیر ہوچکا ہوں۔

زیں خرد جاہل ہمی باید شدن
دست در دیوانگی باید زدن

اس عقل سے جاہل ہونا بہتر ہے جو مانعِ عشق ہو، ہاتھ میں دیوانگی کی نعمت حاصل کرنی چاہیے۔

یہ حضرات اصحابِ صُفّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم متوکل علی اللہ تھے۔ کسی سے بھیک مانگتے نہ پھرتے تھے۔ ایسی بے نیازی کی شان ان سے ٹپکتی تھی کہ جاہل لوگ ان کو مال دار سمجھتے تھے۔ ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے روزی عطا فرماتے ہیں جہاں سے ان کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ خدا پر بھروسہ کرکے دین کی خدمت میں لگے ہوئے تھے، ان کے چہروں پر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے انوار نمایاں تھے اور اپنے چہروں کے نور سے پہچانے پڑتے تھے۔

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی
نیک بیں باشی اگر اہلِ دلی

جس کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

مردِ حقّانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

## انسان کی سب سے بڑی ترقی

انسان کی سب سے بڑی ترقی یہ ہی ہے کہ اس کے لحاتِ زندگی مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع ہوں، ورنہ جس دن روح نکلنے لگے گی اس دن دماغ کی ساری سائنس سائیں سائیں کرنے لگے گی اور کچھ کام نہ دے گی۔ جس طرح اس قلعے کی مثال گزر چکی ہے کہ جس کے اندر کوئی چشمہ نہ ہو، اور اہلِ قلعہ ان بیرونی نہروں سے جو قلعے کے اندر آتی ہوں بہت مطمئن ہوں، لیکن جب دشمن کی فوج ان بیرونی نہروں کا راستہ کاٹ دے گی تو اہلِ قلعہ پانی کے بغیر تڑپ تڑپ کر مرجائیں گے، کیوں کہ قلعے کے اندر

ایک کھاری چشمہ بھی موجود نہ تھا۔

یہی حال اُن مادی ترقیات کا ہے جن کا تمام تر تعلق صرف جسمانی اعضا سے ہے، رُوح سے نہیں ہے۔ آنکھ، ناک، کان، زبان سے دیکھنے، سونگھنے، سننے اور چکھنے کا لطف حاصل کررہے ہیں اور روح کی ترقی سے بے فکر ہیں۔ پس موت کا لشکر جس وقت آنکھ، ناک، کان، زبان وغیرہ کی نہروں کو کاٹ دے گا، یعنی احساسِ لذت کے یہ سب دروازے بند ہوجائیں گے تو اس وقت اس شخص کو سخت اضطراب اور ندامت پیدا ہوگی کہ اب کیا ہوگا، ساری عمر تو مادّی ترقی میں گنوائی اور روح کے لیے کوئی سرمایہ نہ جمع کیا، جن اعضا کے ذریعے دنیا کی لذتوں کے احساس سے ہم مسرور رہتے تھے، آج سارے کے سارے معطل اور بے حس ہوگئے۔ پس حسرت کرے گا اور نادم ہوگا کہ کاش! اپنے وطن میں آج کوئی سرمایہ ہوتا تو کام آتا۔ قلعے کے اندر ایک کھاری چشمہ بھی کھود لیا ہوتا تو وہ کام دیتا اور ہلاکت وتباہی سے بچ رہتے۔ جو عاقل آدمی ہوتا ہے وہ پہلے ہی سے اپنے انجام پر نظر رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ دنیا اور دنیا کی تمام راحتیں ایک دن ختم ہونے والی ہیں، اس لیے بقدرِ ضرورت دنیا سے کام لیتا ہے اور یہ عاقل مثل اس مسافر کے ہے جو دانہ گھاس کھلا کر اپنے گھوڑے سے کام لیتا ہے، یعنی جسم کو ایک سواری سمجھ کر اس سے سفر طے کرتا ہے۔ چناں چہ اپنے اعضا سے وہ اعمال کرتا ہے جو مرنے کے بعد آخرت کی زندگی کے لیے کام آنے والے ہیں، اور صرف مادی ترقی والا ہر وقت گھوڑے کی مالش اور اس کی زیب وزینت میں مشغول ہوکر سفر سے غافل رہتا ہے، بالآخر موت کے وقت یہ سواری بھی چھین لی گئی، کیوں کہ جسم کی یہ سواری چندروزہ امانتِ خداوندی تھی۔ پس مقصود سے محروم اور گھاٹے میں رہا، کیوں کہ سواری کو مقصود سمجھ بیٹھا تھا، حالاں کہ سواری ذریعۂ مقصود تھی، منزلِ مقصود تو رضائے الٰہی تھی جس سے یہ محروم رہا۔ اس وقت آنکھ کھل جاوے گی کہ اصلی ترقی کس کا نام ہے، لیکن اب اس تنزلی کا تدارک ممکن نہیں ہے۔

”اب پچھتائے کا ہُوَت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت“

# عاقل کی تعریف

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اہلِ دنیا اہلِ دین کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔ میں ان سے سوال کرتا ہوں اچھا عقل کی تعریف کیا ہے؟ عقل کہتے کس کو ہیں؟ اہلِ دنیا بھی عاقل اسی کو کہتے ہیں جو عاقبت اندیش اور انجام بیں ہو، کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نہایت بے وقوف ہے کہ اپنے کام کے انجام پر نگاہ نہیں رکھتا۔

پس جب عقل کی یہ تعریف یعنی انجام بینی سب کو تسلیم ہے، تو اب خود فیصلہ کرلیں کہ انجام پر کس کی نظر زیادہ ہے؟ اہلِ دین تو مرنے کے بعد کے انجام پر بھی نظر رکھتے ہیں، پس ان کا سب سے زیادہ عاقل ہونا عقلاً بھی ثابت ہو گیا کہ مادّی ترقیّات یعنی سائنس کی تمام تر ایجادات کا تعلق صرف جسمانی آرایش اور راحت سے ہے، اگر ان نعمتوں پر شکر کرتے کہ خداوند تعالیٰ نے کیسی کیسی راحتوں کا انتظام ہمارے لیے فرمادیا ہے تو یہی دنیا دین بن جاتی۔ آخر ان ایجادات اور مصنوعات کے لیے ہمارے اندر عقل کہاں سے آئی ہے؟ ایک دن وہ تھا کہ ہم ماں کے شکم میں ایک بے جان نجس پانی کی شکل میں تھے، پھر اس خلّاقِ عالم نے کس طرح اس پانی کو لوتھڑا بنایا، پھر اس میں ہڈیاں بنائیں، اور پھر اس پر گوشت چڑھایا۔ ماں کے پیٹ میں یہ سب کام ہو رہا ہے، مگر ماں بے خبر ہے کہ وہ نطفہ کب لوتھڑا بنا، کب اس میں ہڈیاں بنیں، کب ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا گیا اور کب آنکھ، ناک، کان بنائے گئے اور کب ان کے اندر دیکھنے اور سونگھنے وسننے کے خزانے رکھے گئے۔ ماں باپ کی یہی بے خبری خود دلیل ہے کہ ماں باپ خالق نہیں ہیں۔ بھلا کیا وہ خالق ہو سکتا ہے جو اپنی مخلوق ہی سے بے خبر اور جاہل ہو؟ ماں باپ کو اتنی بھی خبر نہیں ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ ہے یا بچی؟ کتنی بڑی نشانی وحدانیت کی خود انسان کی پیدایش میں موجود ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۷﴾ [۹۲]

---

[۹۲] یٰس: ۷۷

کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا ہے، سو وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا۔

آب و گل پر یہ تری بخیہ گری
فہم سے باہر ہے یہ صنعت گری
ماں تھی تیری صنعتوں سے بے خبر
بن رہا تھا پیٹ میں اس کے بشر
ہاتھ کس کا کام کرتا ہے وہاں
جز ترے دستِ کرم اے شاہِ جاں
کارنامے دستِ قدرت کے ترے
نو مہینے بعد ظاہر ہو گئے
آج وہ اک نطفۂ بے جان سا
لے کے نکلا خلعت انسان کا
آفریں بر دستِ قدرت قاہرہ
خیرہ شد زاں کُلُّ عینٍ ناظِرہ

## مثنوی شریف کی ایک حکایت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایاز نام کا ایک بہت غریب شخص تھا۔ محمود بادشاہ نے اس کے اخلاقِ عالیہ کے سبب اس کو اپنا محبوب اور مقرب بنالیا تھا، لیکن ایاز جس دن شاہ محمود کے یہاں حاضر ہوا تھا تو اس دن اس کے پاس صرف ایک پرانی گدڑی تھی اور ایک بوسیدہ پوستین تھا، جس کو ایاز نے ایک حجرے میں مقفّل کر دیا تھا اور ہر روز تنہا اس حجرے میں داخل ہوتا اور اپنی گدڑی کو دیکھتا اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے یہ کہتا کہ اے ایاز! ایک وہ دن تھا کہ اسی بوسیدہ گدڑی میں تو یہاں آیا تھا

اور آج تو مقرب بادشاہ ہے۔ دیکھ اپنی حقیقت کو مت بھولنا، نظر عنایت شاہ کی تجھ پر بہت ہے، ناز اور تکبّر میں مبتلا نہ ہونا، بلکہ یہ شکر کا مقام ہے کہ یہی گدڑی پہننے والا آج مقرب اور محبوبِ سلطان ہے، جس سے آج تمام وزراء و حکمران لرزتے ہیں، رفتہ رفتہ یہ خبر عام ہوئی، سارے اراکینِ سلطنت کو پہلے ہی سے ایاز کے ساتھ حسد تھا کہ ایک معمولی غریب آدمی آج ہم سب سے سبقت لے گیا اور اس سے بڑھ کر شاہ محمود کا کوئی مقرب اور محبوب نہیں ہے۔ حاسدین میں یہ چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ ایاز تنہا حجرے میں جا کر کیا کرتا ہے اور حجرے کو ہر وقت مقفّل کیوں رکھتا ہے؟ ہو نہ ہو یہ خفیہ خفیہ شاہی خزانے سے چرا چرا کر دولت جمع کر رہا ہے۔ پس سلطان کو اس کی اس حرکت کی خبر کرنی چاہیے تاکہ یہ تقرب ایاز کا عتابِ شاہی سے بدل جائے۔

پس سبھوں نے باہمی مشورے کے بعد سلطان محمود کو خبر دی کہ حضور! ایاز گندم نما جَو فروش ہے۔ یہ آپ کا عاشقِ صادق نہیں ہے، یہ منافق ہے۔ خزانۂ شاہی سے اپنے خاص حجرے میں سیم وزر جمع کر رہا ہے۔

سلطان محمود کو ایاز کے متعلق ایسی حرکت کا گمان تک بھی نہ ہوا، لیکن اراکین پر حجت تمام کرنے کے لیے اور ایاز کا مقامِ محبت اور اس کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے حکم نافذ کر دیا کہ آدھی رات کو ایاز کے حجرے کی تلاشی لی جائے۔ اراکینِ سلطنت بڑے خوش ہوئے کہ آج رات میں ایاز کی قلعی کھل جاوے گی اور اس کا تقرب ختم ہو جاوے گا۔

چناں چہ نیم شب کو اس کے حجرے کا تالا توڑا گیا اور حکّامِ سلطنت نے حجرے کے اندر تلاشی لی، لیکن بجز ایک پرانی گدڑی اور ایک بوسیدہ پوستین کے حجرے میں کچھ نہ تھا اور حاسدین نے حجرے کی زمین بھی اس شبہے سے کھودی کہ شاید زمین میں دفینہ ہو اور گدڑی کو دھوکا دینے کے لیے ٹانگ رکھا ہو۔ بالآخر تلاشی لینے والے حکّام تہی دست و نامراد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باصد شرمندگی معذرت اور معافی طلب کرنے لگے۔

محمود پر اس وقت ایاز کی محبت کا ایک حال غالب ہو گیا اور ایاز سے پوچھا کہ اے ایاز! اس قدر اہتمام سے اس گدڑی اور پوستین بوسیدہ کو حجرے میں کیوں مقفل کر رکھا ہے؟ ایاز نے عرض کیا کہ حضور! میں ہر روز اپنی اس گدڑی اور پوستین بوسیدہ کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتا ہوں اور نفس سے کہتا ہوں کہ اے ایاز! تیری یہ تمام نعمتیں، عزت و شوکت سب عطائے شاہ محمود ہے، ورنہ اے ایاز! تیری حقیقت ایک دن یہ ہی گدڑی اور بوسیدہ پوستین تھی۔

## عجیب عبرت

اس واقعے سے مولانا بطورِ عبرت و نصیحت کے فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تمہاری حقیقت بھی ایک دن منی کا ایک نجس اور ذلیل قطرہ تھی، پھر جس ذاتِ پاک نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اور اپنی عطائے کامل سے اس ذلیل قطرۂ منی کو انسانیت اور آدمیت کی خلعت بخشی ہے آج اسی ذاتِ پاک کے مقابلے میں خدائی کا دعویٰ کرتے ہو۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کردست بر آب صورت گری

کس ذاتِ پاک نے پانی جیسی پتلی اور بے جان منی پر صورت گری فرمائی ہے کہ اس کو پری جیسی صورت یعنی انسانیت کا پیکر عطا فرمایا ہے۔

اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

چارقت نطفہ است و خونت پوستیں
باقی اے خواجہ عطائے اوست بیں

مولانا فرماتے ہیں کہ ایاز کی طرح ایک دن تجھ پر بھی ابتداءً وہ دن بیتے ہوئے ہیں کہ تیری گدڑی باپ کا ایک قطرۂ نجس پانی کا یعنی نطفہ تھا اور تیری پوستینِ بوسیدہ ماں کا خونِ حیض تھا، باقی تو آج جس احسن تقویم کے ساتھ موجود نظر آتا ہے یہ سارے ظاہری و باطنی اعضا اور ان کی انمول قوتیں سب عطائے خداوندی ہیں۔

اس واقعے سے کیسی عبرت کی بات حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے۔ یہ سارے علوم و فنون کس کام کے جب انسان اپنی حقیقت کو بھی نہ جان سکے اور اپنے پیدا کرنے والے کو نہ پہچان سکے۔

صد ہزاراں فضل دارد از عُلوم
جانِ خود را می نداندایں ظلوم
جانِ جملہ علمہا این است و ایں
کہ بدانی من کیَم در یومِ دیں

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سینکڑوں علوم و فنون اس نے حاصل کیے لیکن یہ ظالم خود اپنی جان سے بے خبر رہا، تمام علوم کی روح صرف یہ ہے کہ آدمی یہ جان لے کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری کیا قیمت ہو گی۔

اگر انسان اپنی پیدایش میں غور کرتا رہے اور اپنی ابتدائی گدڑی اور پوستین پر نظر رہے تو ناز اور تکبّر پاس نہیں آسکتا، اور اپنے اللہ کو پہچان لے گا، یعنی جب سوچے گا کہ ہم ایک حقیر شئے سے پیدا کیے گئے ہیں تو اپنے ناز اور تکبّر سے شرما جاوے گا۔

وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ [۹۳]

اور خود تمہاری ذات میں میری نشانیاں موجود ہیں، سو کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔ اپنے وجود کو لیے ہوئے ہر وقت چلتے پھرتے ہو، آخر تم کہاں سے سنتے ہو؟ یہ تمام کارخانے کس کے بنائے ہوئے ہیں؟

## وحدانیت کی بڑی دلیل خود انسان کا وجود ہے

حق تعالیٰ کی بہت بڑی دلیلِ وحدانیت خود انسان کا یہ مجسمّہ ہے جس کو لیے ہوئے ہر وقت چلتا پھرتا ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

۹۳؎ الذّٰریٰت:۲۱

یَخۡلُقُکُمۡ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِکُمۡ خَلۡقًا مِّنۡۢ بَعۡدِ خَلۡقٍ فِیۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ لَہُ الۡمُلۡکُ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ فَاَنّٰی تُصۡرَفُوۡنَ ﴿۶﴾[۹۴]

وہ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر اور دوسری کیفیت کے بعد تیسری کیفیت پر بناتا ہے۔ اوّل نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغہ الخ۔ اور یہ بنانا تین تاریکیوں میں ہوتا ہے: ایک تاریکی شکم کی، دوسری رحم کی، تیسری اس جِھلّی کی جس میں بچہ لپٹا رہتا ہے۔ پس خلق مختلف الکیفیت کمالِ قدرت کی دلیل ہے اور ظلماتِ ثلاثہ میں پیدا کرنا کمالِ علم کی دلیل ہے۔ یہ ہے اللہ، تمہارا رب جس کی صفات تم نے ابھی سنیں، اسی کی سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، سو ان دلائل کے بعد بھی تم کہاں پھرے چلے جارہے ہو؟ (تفسیر بیان القرآن)

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو خود ایک کتابِ مبین ہے، یعنی تو اپنے اندر اللہ کی پہچان کا ایک دفتر لیے ہوئے ہے۔

شکر از نَے میوہ از چوب آوری
و از منی مردہ بتِ خوب آوری
اے مبدّل کردہ خاکے را بہ زر
خاکِ دیگر را نمودہ بوالبشر

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی قدرتِ کاملہ نَے سے شکر کو اور درختوں کی شاخوں سے میوہ کو پیدا کرتی ہے اور منی جیسی حقیر، ارذل، بے جان شے سے عجیب اشرف مخلوق یعنی انسان پیدا کرتی ہے، اور آپ اپنے عجیب تصرّف سے جس خاک کو چاہتے ہیں سونا بنادیتے ہیں اور جس خاک کو چاہتے ہیں بشر بنادیتے ہیں۔

---

[۹۴] الزمر: ۶

# انسان کے اندر تصرّفاتِ الٰہیہ

انسان جو غذا کھاتا ہے حلق سے نیچے اتارنے تک تو اس کے اختیار کو دخل ہوتا ہے، پھر جب غذا معدے میں داخل ہوگئی تو اب اس غذا میں کیا کیا تصرّفات اور تبدیلیاں ہوتی ہیں، انسان کو ان تبدیلیوں کی مطلق خبر نہیں ہوتی کہ ہمارے اندر پھر کیا ہوتا ہے۔ اب حق تعالیٰ کی قدرت پر غور کیجیے کہ اسی غذا سے جسم کے تمام اعضا کے مزاج کے مطابق ہر ایک کو الگ الگ غذا پہنچاتے ہیں، یعنی لطیف اعضا کے لیے لطیف اجزائے غذائیہ کو اور کثیف اعضا کے لیے کثیف اجزائے غذائیہ کو علیحدہ علیحدہ پہنچا دیتے ہیں۔ حکم ہوتا ہے کہ فلاں فلاں غذا کے ذرّات! تم آنکھوں کی بینائی بن جاؤ، فلاں فلاں غذا کے ذرّات! تم کانوں کی شنوائی بن جاؤ، فلاں فلاں ذرّات! تم دماغ میں عقل اور فہم بن جاؤ، فلاں فلاں ذرّات! تم پیشاب اور پاخانہ بن کر نکل جاؤ۔

ہر وقت حق تعالیٰ کی ربوبیت کام کر رہی ہے۔ ہر سانس میں ان کی ربوبیت کا تعلق ہے۔ جب ہم بولتے ہیں تو ان ہی کی ربوبیت سے بولتے ہیں۔ جب چلتے ہیں تو ان ہی کی ربوبیت سے چلتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں تو ان ہی کی ربوبیت سے دیکھتے ہیں۔

اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ میں جو سبق پڑھایا تھا اسی کا ہر وقت تکرار ہو رہا ہے۔ اگر ایک لمحے کو ان کی ربوبیت کا تعلق منقطع ہو جائے تو اسی وقت ہم ہلاک ہو جائیں اور ہمارے عناصر بکھر جائیں۔ یہ ربوبیت ایسی بدیہی یعنی کھلی ہوئی وحدانیت کی دلیل ہے جس کو ہر وقت ہم اپنے اندر دیکھ رہے ہیں۔ جب ہم سوتے ہیں تو ان ہی کی ربوبیت ہم کو سلاتی ہے اور جب جاگتے ہیں تو ان ہی کی ربوبیت ہم کو جگاتی ہے۔ جب روح نکال لیتے ہیں تو پھر ہم سائنس کے ذریعے کیوں نہیں چل لیتے اور ہماری زبان روح نکلنے کے بعد پھر گویا کیوں نہیں ہو جاتی، بڑے بڑے اہلِ سائنس جب سائیں سائیں کر کے مرنے لگتے ہیں تو اپنی روح کو جسم میں کیوں نہیں روک لیتے؟ اتنے دلائل سامنے رکھ کر تب فرماتے ہیں:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۶﴾[۹۵]

دیکھتے نہیں ہو کیا؟ یہ تمہارا رب تمہارے سامنے ہے جو تمہاری تربیت کر رہا ہے پس کہاں الٹے پاؤں پھرے جاتے ہو؟

## انسان کی غذاؤں میں ربوبیّتِ الٰہیہ

اور انسان جو غذائیں استعمال کرتا ہے ان غذاؤں کو کون پیدا کرتا ہے؟ غذاؤں کے پودوں کی نشو و نما کے لیے پانی کون برساتا ہے؟ پروا، پچھوا، سرد ہوائیں کون چلاتا ہے؟ ایک ہی رنگ کا پانی برساتے ہیں، پھر اسی پانی سے پودوں کی جڑوں میں اور غذا پہنچاتے ہیں، تنوں اور شاخوں میں دوسری غذا پہنچاتے ہیں۔ کلیوں اور پھولوں میں لطیف غذا پہنچاتے ہیں۔ جڑوں اور تنوں میں اس کے مناسب کثیف غذا پہنچاتے ہیں۔ پانی کا رنگ تو سفید و شفاف تھا لیکن حق تعالیٰ اپنی عجیب قدرت اور عجیب تصرف سے سیب میں سیب کا مزہ، آم میں آم کا مزہ، نیب میں نیب کی تلخی کا مزہ پیدا فرماتے ہیں۔ اسی ایک رنگ کے پانی سے گلاب میں گلاب کی خوشبو، چمبیلی میں چمبیلی کی خوشبو پیدا فرماتے ہیں۔ اور ایسا بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ کھجوروں کا خوشہ ایک ہے لیکن اسی ایک خوشے میں چھوٹی بڑی مختلف رنگ اور مختلف ذائقے کی کھجوریں ہوتی ہیں، کمیت اور کیفیت دونوں میں فرق ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ[۹۶]

کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ذریعے سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے۔

---

۹۵؎ الزمر: ۶

۹۶؎ فاطر: ۲۷

پھر ان غذاؤں پر آفتاب اور ماہتاب کو کس نے مقرّر کیا ہے کہ وہ اپنی حرارت اور برودت کے ساتھ پودوں کی نشوونما میں اوقاتِ مقررہ پر خدمات انجام دیتے رہتے ہیں۔

## مختلف السِمت ہواؤں میں توحید کی نشانی

وہ کون ذات ہے جو پروا ہوا کو یک لخت پچھوا ہوا سے تبدیل کر دیتی ہے؟ اتنے بڑے کرۂ ہوا کو یک لخت بدل کر شرقی کو غربی کر دینا، جنوبی کو شمالی کر دینا کس کا کام ہے؟ اور جب آندھی آجاتی ہے تو اس وقت کیسی بے بسی کا عالم ہو جاتا ہے، کوئی مخلوق اس کو روک نہیں سکتی۔ زمین میں بیجوں کو پھاڑ کر کون ان سے شگوفہ نکالتا ہے؟ فرماتے ہیں: فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی[۹۷] ہماری ذات ہے۔

علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ ساز گار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

---

۹۷؎ الانعام: ۹۵

اے انسان! تیری خدمت میں بادل، ہوا، چاند، سورج، آسمان سب بحکمِ خداوندی اپنے اپنے کاموں کی انجام دہی میں لگے ہیں، تاکہ تو جب روٹی ہاتھ میں لے تو غفلت سے نہ کھائے، بلکہ یہ سوچ کر کھائے کہ جب تیرے واسطے یہ تمام کائنات اور مخلوقات سرگشتہ اور فرماں بردار ہیں تو شرطِ انصاف ہے کہ تو اپنے خالق کی فرماں برداری سے غافل نہ رہے۔

## فلسفے کا قاعدۂ مسلّمہ

فلسفے کا قاعدۂ مسلّمہ ہے کہ کوئی ثقیل شے فضا میں نہیں رہ سکتی، مثلاً ڈھیلا زمین سے اوپر پھینکا جائے تو جب تک ہاتھ کی قوّتِ قسر یہ کام کرے گی ڈھیلا اُوپر چلا جائے گا، لیکن جس وقت ہاتھ کی قوت ختم ہو جائے گی فوراً ڈھیلا اپنے مرکزِ طبعی یعنی زمین پر گرا ہوا نظر آئے گا۔

## حق تعالیٰ کی عجیب قدرت

اب حق تعالیٰ کی قدرت دیکھیے کہ بادلوں میں دریا کا پانی بھرا ہوا ہے اور حکمِ الٰہی سے ہوا پر اڑ رہے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰہُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِہِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ[۹۸]

یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھالیتی ہیں تو ہم اس بادل کو خشک زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں، پھر اسی پانی سے مختلف قسم کے پھل نکالتے ہیں۔

ہمارے روزمّرہ کے مشاہدات ہیں کہ پانی کا برسنا اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وہاں برساتے ہیں، جہاں نہیں چاہتے وہاں نہیں برساتے۔ انسان اپنی عاجزی اور بے بسی کا ہر وقت مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ جب کسی مقام پر سیلاب آجاتا ہے اس وقت

---

۹۸؎ الاعراف:۵۷

انسان کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اہلِ سائنس سیلاب زدہ بستی سے بادلوں کو کیوں نہیں ہانک لے جاتے؟ اسی طرح قحط زدہ علاقوں میں بادلوں کو کیوں نہیں لاکر برسوالیتے؟ یوں تو دعوے لمبے لمبے ہانکتے رہتے ہیں، لیکن جب کسی بلا اور قہرِ خداوندی میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو سائنس کے بجائے سائیں سائیں کرتے ہوئے ہلاک ہوجاتے ہیں۔

جہاں طوفان میں پھنس کر سفینہ ڈگمگاتا ہے
وہیں قدرِ خدا و ناخدا معلوم ہوتی ہے

حق تعالیٰ دلائلِ توحید کے سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ الۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾[۹۹]

بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں کے چلنے میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں، آدمیوں کے نفع کی چیزیں اور اسباب لے کر، اور بارش کے پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا، پھر اس پانی سے زمین کو تروتازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے یعنی اس میں نباتات پیدا کیے اور ان نباتات سے ہر قسم کے حیوانات اس زمین میں پھیلا دیے، کیوں کہ حیوانات کی زندگی اور توالد و تناسل اسی غذائے نباتی کی بدولت ہے، اور ہواؤں کی سمتیں اور کیفیتیں بدلنے میں کہ کبھی پروا کبھی پچھوا، کبھی گرم کبھی سرد اور ابر کے وجود میں جو زمین اور آسمان کے وجود میں مقید اور معلّق رہتا ہے، ان تمام چیزوں میں توحید کے دلائل موجود ہیں ان لوگوں کے استدلال کے لیے جو عقلِ سلیم رکھتے ہیں۔ (ترجمہ و تفسیر از بیان القرآن)

---

۹۹؎ البقرۃ: ۱۶۴

## علماء کے لیے وجودِ صانع پر عقلی دلیل

اس استدلالِ عقلی کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ یہ اشیائے مذکورہ سب ممکن الوجود ہیں، بعض تو بداہتاً بسبب مشاہدہ وجود بعد العدم کے یا تغیّر وتبدّلِ احوال کے اور بعض ترکیب من الاجزاء یا افتقار البعض الی البعض کے اور ممکن بوجہ متساوی الوجود والعدم ہونے کے محتاج ہوتا ہے کسی مرجح کا، وہ مرجح اگر ممکن ہے تو اس میں پھر یہی کلام ہوگا، تو قطع تسلسل محال کے لیے انتہا واجب ہے کسی واجب الوجود کی طرف، یہ تو دلیل ہے وجودِ صانع کی۔

## علماء کے لیے توحید پر عقلی دلیل

آگے اس کا واحد ہونا سو اس کی تقریر یہ ہے کہ اگر نعوذ باللہ! متعدد مثلاً دو معبود فرض کیے جاویں تو ان میں سے کسی کا عاجز ہونا ممکن ہے یا دونوں کا قادر ہونا ضروری ہے شقِ اوّل محال، کیوں کہ عجز منافی ہے وجوبِ وجود کے اور شقِ ثانی پر اگر ان میں سے ایک نے کسی امر کا مثلاً ایجادِ زید کا ارادہ کیا تو دوسرا اس کے خلاف کا ارادہ کرسکتا ہے یا نہیں اگر نہیں کرسکتا تو اس کا عجز لازم آئے گا جو منافی ہے وجوبِ وجود کے، اور اگر کرسکتا ہے تو اس پر ترتب مراد کا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری نہیں تو تخلف مراد کا ارادہ قادرِ مطلق سے لازم آئے گا جو کہ محال ہے، اور اگر ضروری ہے تو مختلف مرادوں کا اجتماع لازم آوے گا، کیوں کہ ایک واجب کے ارادے پر ایک مراد مرتّب ہوئی اور دوسرے واجب کے ارادے پر دوسری مراد اُس مرادِ اوّل کی ضد مرتّب ہوئی اور اجتماعِ ضدّین لازم آیا اور یہ محال ہے۔ اور امر مستلزم محال کو محال ہے۔ تو تعدّد واجب کا محال ہے۔ پس وحدت واجب ہے اور وہی مطلوب تھا، خوب سمجھ لو۔

اس دلیل کو حق تعالیٰ نے سورۂ انبیاء لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ [۱۰۰] میں ارشاد فرمایا ہے، یعنی

[۱۰۰] الانبیآء: ۲۲

زمین آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود واجب الوجود ہوتا تو دونوں کبھی کے درہم برہم ہو جاتے، کیوں کہ عادتاً دونوں ارادوں اور افعال میں تزاحم ہوتا اور اس کے لیے فساد لازم ہے، لیکن فساد واقع نہیں ہے۔ اس لیے تعددِ الٰہ بھی منفی ہے۔ سو ان تقریرات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو کہ مالکِ عرشِ عظیم ہے اُن امور سے پاک ہے جو کچھ یہ لوگ بیان کر رہے ہیں کہ اس کے اور شرکاء بھی ہیں۔

نوٹ: اسلام کے اصول یعنی توحید و رسالت کے مسائل عقلی ہیں، جیسا کہ آیت **یَعۡقِلُوۡنَ** سے اس طرف اشارہ ہے اور فروع کا عقلی ہونا ضروری نہیں۔ البتہ کسی دلیلِ عقلی قطعی کے خلاف نہ ہونا ضروری ہے۔ افسوس ہے کہ آج کل نوخیز طبائع ان دونوں کو مخلوط کر کے عجب چکر میں پڑ جاتے ہیں، یعنی فروعات کو بھی عقل سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، جس کا نتیجہ وانجام بد دینی ہے۔ (از تفسیر بیان القرآن)

## اللہ تعالیٰ کے وجود پر عام فہم تقریر

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ ھُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ[۱۰۱]

کیا یہ لوگ بدون کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔

اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے منکرینِ توحید کو دو باتوں کے اندر ایسا گھیر دیا ہے کہ قیامت تک اس سے نکلنے کا موقع نہیں پاسکتے ہیں، یعنی دو ہی صورتیں ہیں یا تو انہوں نے خود ہی اپنے کو پیدا کر لیا ہے یا ان کو کسی نے پیدا کیا ہے، کیوں کہ پیدا ہونا ایک فعل ہے اور ہر فعل کے لیے کسی فاعل کا ہونا ضروری ہے۔

ظاہر ہے کہ جب انسان ایک وقت میں موجود ہی نہ تھا تو اپنے کو پیدا کیسے کر سکتا ہے، کیوں کہ پیدا کرنے والے کا وجود تو پیدا ہونے والی چیز سے پہلے ہونا چاہیے۔ ایک ہی شے فاعل ہو اور وہی شے مفعول بھی ہو، ایک ہی شے عامل بھی ہو اور وہی

[۱۰۱] الطور: ۳۵

معمول بھی ہو، ایک ہی شے موقوف ہو اور وہی موقوف علیہ بھی ہو، ایک ہی شے مؤثر بھی ہو اور وہی متأثر بھی ہو، ایک ہی شے مخلوق بھی ہو اور وہی اپنی ذات کے لیے خالق بھی ہو، یہ عقلاً محال ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں شے کا اپنی ذات پر مقدّم ہونا لازم آتا ہے اور تَقَدُّمُ الشَّیْئِ عَلٰی نَفْسِہٖ محالِ عقلی ہے۔

اب جب بات یہ ثابت ہوگئی کہ کوئی مخلوق شے اپنی ذات کے لیے خالق نہیں ہوسکتی۔ تو اب دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ انسان کی پیدایش میں سب سے زیادہ اسبابِ قریبہ کیا ہیں، زیادہ سے زیادہ منکرین کہہ سکتے ہیں کہ ماں باپ ہمارے خالق ہیں، کیوں کہ ہماری پیدایش میں ان کو بڑا دخل ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا پورا پورا علم ہونا ضروری ہے۔ مخلوق کے ہر ایک ذرّے کا اتصال اور انفصال خالق کے احاطۂ قدرت اور علم سے خارج نہ ہونا چاہیے۔

اب ماں باپ کے متعلق غور کرنا چاہیے کہ جس وقت بچہ ماں کے شکم میں نشو و نما پاتا ہے اس نو مہینے کی تربیت کا علم ماں باپ کو ہے یا نہیں؟ کیا ماں باپ کو اس امر کی خبر ہے کہ ماں کے شکم میں منی کے اندر کیا کیا بخیہ گری ہورہی ہے؟ بچے کا رنگ کیا ہے اور وہ بچہ ہے یا بچی ہے؟ اس کا نقشہ کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ جب تک بچہ ماں کے شکم میں رہتا ہے ماں باپ اس بچے کی تخلیق سے بالکل بے خبر رہتے ہیں، پس ماں باپ کے لیے جب اس مخلوق سے بے خبری اور لاعلمی ثابت ہوگئی تو ان کا خالق نہ ہونا بھی ثابت ہوگیا، کیوں کہ خالق کے لیے اپنی مخلوق سے بے علمی اور بے خبری عقلاً محال ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۴﴾[۱۰۲]

بھلا وہی ذات نہ جانے گی جس نے پیدا کیا، اور وہ بہت باریک بین اور پورے طور پر اپنی مخلوق سے باخبر ہے۔

اور ماں باپ تو بے چارے خالق ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتے ہیں، یہ تو خود ہی اپنی

۱۰۲؎ الملك: ۱۴

حقیقت اور بے بسی سے آگاہ ہیں۔ کتنے میاں بیوی ایسے موجود ہیں جن کو ماں باپ بننے کی نوبت ہی نہ آئی، بڑے بڑے علاج و معالجے کے باوجود اولاد کے لیے ترستے ہی رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح سے بندوں کو دنیا میں عبرت کی باتیں دکھاتے رہتے ہیں۔ فرعون نے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى [۱۰۳] کا دعویٰ کیا کہ میں سب سے بڑا رب ہوں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے مقابلے میں کس بُری طرح تباہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے سوا ہے کون جو خالق ہونے کا دعویٰ کرے؟ افسوس ہے ان لوگوں پر جو عاجز اور محتاج کو اپنا معبود اور خالق تسلیم کر لیتے ہیں۔ میں تو یہ کہا کرتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ جو دعویٰ کرے وہ سامنے آجائے، میں اس سے یہ نہ کہوں گا کہ تو آسمان اور زمین پیدا کر دے، صرف یہ کہوں گا کہ تو مچھر یا مکھی کا ایک پَر بنا دے، جس کے اندر ظاہراً و باطناً فرق نہ ہو۔ دعویٰ بدون دلیل لغو اور جہل محض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دعویٰ فرمایا ہے کہ میں ہوں اللہ اور پروردگار ہوں سارے جہاں کا:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۰۲﴾ [۱۰۴]

یہ ہے اللہ تمہارا رب، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا، تو تم لوگ اس کی عبادت کرو، کیوں کہ جب خالق بھی وہی، علیم بھی وہی، وکیل بھی وہی، تو یہ سب امور مقتضی ہیں اس امر کے کہ معبود بھی وہی ہو۔

نیز جس رسول کے ذریعے حق تعالیٰ دعوائے الوہیت کا اعلان فرماتے ہیں تو اس رسول کو ایک ایسی انوکھی چیز بھی عطا فرماتے ہیں جس کا سارا جہاں مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چناں چہ ہر زمانے میں جس فن کا بہت عروج تھا اسی فن کے مقابلے میں حق تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی کو ایسا معجزہ بھی عطا فرمایا جس کے مقابلے سے لوگ عاجز ہوگئے۔ اور رسول کو یہ معجزہ اسی لیے دیا جاتا ہے کہ جب لوگ اس معجزے کا مثل نہ

---

۱۰۳؎ النّٰزعٰت: ۲۴

۱۰۴؎ الانعام: ۱۰۲

لا سکیں اور اپنی عاجزی اس معجزے کے مقابلے میں دیکھ لیں تو ایمان لائیں۔

## حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا معجزہ

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانے میں جادوگروں کا بڑا زور تھا، حق تعالیٰ نے فرعون کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو ایک ایسا عصا عطا فرمایا جو اژدہا بن کر جادوگروں کی ان تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو کھا گیا جو نظر بندی سے سانپ اور بچھو معلوم ہو رہی تھیں۔

جادوگروں نے غور کیا کہ جادو میں یہ اثر باعتبارِ فنِ سحر کے ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ جادو تو در حقیقت نظر بندی ہے، جادو میں اتنا دم کہاں کہ وہ شے کی حقیقت کو بدل دے؟ اور یہ عصا جب اژدھا بنا تو در حقیقت یہ اژدھا ہو گیا اور اس نے ہماری تمام ان رسیوں اور لاٹھیوں کو جن کو ہم نے نظر بندی سے سانپ اور بچھو کی شکل میں کر دکھایا تھا، نگل لیا۔ پس یقیناً یہ شان معجزے ہی کی ہے، جو رسولوں کو دیا جاتا ہے۔

پس جادوگروں نے جب اپنی عاجزی کو کھلی آنکھوں مشاہدہ کر لیا اور جادو اور معجزے کا فرق خوب سمجھ میں آ گیا تو سجدے میں گر گئے، کیوں کہ ان کو یقین آ گیا کہ یہ یقیناً جادو نہیں ہے۔ اور مقابلہ جادو کا ممکن ہے نہ کہ معجزے کا، پس سارے کے سارے جادوگر بول اٹھے کہ ہم سب کے سب ایمان لائے:

قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾[۱۰۵]

”ہم ایمان لائے ربّ العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔“

موسیٰ اور ہارون کا رب اس لیے کہا کہ فرعون مردود کہیں اپنے متعلق نہ سمجھ جائے کہ یہ لوگ میرے اوپر ایمان لائے ہیں، کیوں کہ فرعون بھی اپنے کو ربِّ اعلیٰ کہتا تھا۔ فرعون بڑا غضب ناک ہوا اور جادوگروں کو ڈانٹا کہ تم لوگ بدون ہماری اجازت کے موسیٰ (علیہ السّلام) پر ایمان لے آئے، معلوم ہوتا ہے کہ تم سبھوں کے موسیٰ (علیہ السّلام)

---

۱۰۵؎ الاعراف: ۱۲۱، ۱۲۲

استاد تھے۔ اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے۔ ابھی میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا۔ جادو گروں نے جواب دیا: کچھ حرج نہیں:

لَا ضَيْرَ ۖ إِنَّآ إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَٰيَٰنَآ أَن كُنَّآ أَوَّلَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾[۱۰۶]

کچھ حرج نہیں، ہم اپنے مالک کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کر دے گا، اس وجہ سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے۔

اسی کو حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں نیزۂ فرعون را
در شکست آں موسیٰ با یک عصا

صد ہزار فرعونی نیزوں کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ایک عصا نے توڑ کر رکھ دیا۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا معجزہ

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے زمانے میں فنِ طب کا بڑا عروج تھا۔ جالینوس کا بڑا شہرہ تھا۔ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو ایسا معجزہ عطا فرمایا کہ قبروں پر آپ کھڑے ہو کر قُمْ بِإِذْنِ اللهِ فرماتے اور مُردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جاتے اور جس وقت حق تعالیٰ کے حکم سے آپ بے باپ کے پیدا ہوئے تو لوگوں نے کہا:

اے مریم! تم نے بڑے غضب کا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن! تمہارے باپ کوئی بُرے آدمی نہ تھے اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں، پس مریم علیہا السّلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف اشارہ کر دیا، وہ لوگ کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسے شخص سے کیوں کر باتیں کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے! پس حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنی ماں کی گود سے ارشاد فرمایا:

---

[۱۰۶] الشعراء: ۵۰، ۵۱

اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ﴿ۙ۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ ۪ وَ اَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا ﴿۪ۖ۳۱﴾ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیۡ ۫ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾[۱۰۷]

میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھ کو نبی بنایا اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں، اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں، اور اس نے مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا اور اس نے مجھ کو سرکش، بدبخت نہیں بنایا۔

## فائدہ از تفسیر ”بیان القرآن“

۱) میں اللہ کا بندہ ہوں، یعنی نہ تو اللہ ہوں جیسا جہلائے نصاریٰ سمجھیں گے اور نہ غیر مقبول ہوں جیسا یہود سمجھیں گے۔

۲) اس نے مجھ کو کتاب دی، یعنی انجیل دی، اور گو یہ کتاب آیندہ اللہ تعالیٰ دے گا مگر بوجہ یقینی ہونے کے ایسا ہی ہے جیسے کہ دے دی۔

۳) اور اس نے مجھ کو نبی بنایا، یعنی بنا دے گا۔

۴) اور مجھ کو برکت والا بنایا، یعنی مجھ سے خلق کو دین کا نفع پہنچے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام جس کوڑھی اور مادر زاد اندھے پر دم فرمادیتے تو وہ کوڑھی اسی وقت صحت یاب اور وہ نابینا فوراً بینا ہو جاتا۔ پس اس وقت کے حکمائے یونان حیرت زدہ ہو گئے، کیوں کہ فنِ طب سے ان حیرت انگیز باتوں کا کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ چناں چہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اعلان فرمادیا:

اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ۙ اَنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡہِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ وَ اُبۡرِیُٔ الۡاَکۡمَہَ وَ الۡاَبۡرَصَ وَ اُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ ۚ[۱۰۸]

---

[۱۰۷] مریم: ۳۰، ۳۲
[۱۰۸] اٰل عمرٰن: ۴۹

میں تم لوگوں کے پاس اپنی نبوت اور اس دینِ خداوندی کی حقانیت کی کافی دلیل لے کر آیاہوں، وہ یہ کہ میں تم لوگوں کے لیے گارے سے ایسی شکل بناتاہوں جیسی پرندوں کی شکل ہوتی ہے، پھر اس کے اندر پھونک مار دیتاہوں، جس سے وہ پرندہ بن جاتا ہے خدا کے حکم سے، اور میں اچھا کر دیتاہوں مادرزاد اندھے اور برص کے بیمار کو، اور زندہ کر دیتا ہوں مُردوں کو خدا کے حکم سے۔ اسی کو حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں طبِّ جالینوس بود
پیشِ عیسیٰ و دمش افسوس بود

طبِّ جالینوس کے صد ہزار دفتر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی ایک پھونک کے سامنے سر در گریباں ہو گئے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شعر و شاعری، فصاحت و بلاغت کا اتنا عروج ہوا کہ اہلِ عرب تمام ممالک کو اپنے مقابلے میں عجم (یعنی گونگا) کہنے لگے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا فصیح اور بلیغ کلام کا معجزہ عطا فرمایا جس نے تمام فصحائے عرب کو حیرت زدہ اور عاجز کر دیا اور کیوں نہ عاجز ہوتے، اللہ تعالیٰ کا کلام تھا، کوئی معمولی بات تھی؟ میاں کی بولی کون بول سکتا تھا؟ یوں تو ان ہی حروف الف، باء، تاء، ثاء سے بنے ہوئے جملے ہم بھی بولتے ہیں، مگر قرآن کے الف، باء، تاء، ثاء اور ہیں۔ قرآنی الف، باء، تاء، ثاء اپنے اندر انوارِ الٰہیہ لیے ہوئے ہیں۔ قرآن کے الف، باء، تاء، ثاء دوسرے عالَم کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی حروف سے بنے ہوئے جملے اپنی مثل لانے سے تمام مخلوق کو عاجز کر دیتے ہیں۔ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نورِ خورشیدم فتادہ بر شما
لیک از خورشید ناگشتہ جدا

مولانا فرماتے ہیں کہ قرآن اللہ کا نور ہے، اور عجیب مثال سے مولانا توضیح فرماتے ہیں کہ جس طرح آفتاب کا نور سارے عالم میں روشنی پہنچاتا ہے لیکن آفتاب کا یہ نور آفتاب کی ٹکیہ سے جُدا نہیں ہے اسی طرح قرآن حق تعالیٰ کا نور ہے اور ہر طالبِ نور پر اپنا فیض پہنچا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ سے جُدا بھی نہیں۔ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر میں اس مثال سے بہت باریک اور نازک مسئلہ قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا حل فرمادیا۔

قرآن نازل ہونے سے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات چالیس برس تک اہلِ عرب کو دکھائی کہ یہ میرا رسول ہے، اے اہلِ عرب! تم لوگ ظہورِ نبوت سے پہلے میرے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن دیکھو کہ ایسا بچہ روئے زمین پر کبھی نہیں پیدا ہوا، اور اے اہلِ عرب! میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی بھی دیکھ لو کہ ایسا جوان روئے زمین پر نہ پیدا ہوا ہے نہ پیدا ہو گا۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دو دن دیکھ کر فیصلہ مت کرو، چالیس برس تک ہم تم کو اپنا رسول دکھائیں گے، یہاں تک کہ میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور امانت کا مکّہ کی ہر ہر گلی میں چرچا ہونے لگے کہ هٰذَا صَدُوْقٌ اَمِیْنٌ یہ شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بڑے سچے اور امین ہیں۔ فَعُوْلٌ اور فَعِیْلٌ دونوں صیغے مبالغے کے لیے آتے ہیں، یعنی بہت بڑے سچے اور بہت بڑے امانت دار۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے؟ مگر اس سے اور نبیوں کی صداقت اور امانت کی تنقیص مراد نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آپ کی صداقت کے افراد کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ اتنا وسیع ہے کہ اس کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ آپ تمام عالم کے انسانوں اور جنّوں کے لیے رسول ہیں اور پچھلے انبیاء علیہم السّلام کا حلقہ محدود تھا۔

اے عرب کے بچو! تم بھی میرے رسول کو دیکھو، تاکہ کل جب تم ادھیڑ عمر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ظہورِ نبوّت دیکھو تو جھٹلا نہ سکو۔ اور اے عرب کے جوانو! تم بھی میرے رسول کو دیکھو، تاکہ کل جب بوڑھے ہو کر اعلانِ نبوّت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنو تو انکار کی تمہیں کوئی گنجایش نہ رہے۔

اے عرب کے بچو، جوانو اور بوڑھو! تم لوگوں نے چالیس برس تک میرے رسول کی صداقت اور امانت کو دیکھا، کہیں تم کو حرف رکھنے کی گنجایش بھی نہ ملی، بلکہ تمہارے ہر فرد کی زبان سے میں نے اپنے رسول کے اخلاقِ حسنہ کو دکھلا کر یہ کہلوالیا کہ هٰذَا صَدُوْقٌ اَمِيْنٌ احمد صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑے سچے اور بڑے امانت دار ہیں۔

اے عرب کے بوڑھو! تم لوگ میرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عقل اور فہم کو عام انسانوں سے ممتاز پانے کے سبب اپنے معاملات میں میرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم بناتے ہو اور ان کی صداقت اور امانت کی بنا پر ان کے فیصلے پر بالا تفاق خوشی خوشی عمل کرتے رہے ہو، اور اے اہل عرب! تم نے دیکھا ہے اور خوب دیکھا ہے کہ میرے رسول نے کسی کے سامنے کتاب نہیں کھولی ہے، نہ کسی مکتب و مدرسے میں قدم رکھا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ [۱۰۹]

آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب آپ ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہ نکالتے۔

چالیس برس تک دکھانے کے بعد اب ہم اپنے رسول کی رسالت اور نبوّت کا اعلان کرتے ہیں اور جس فصاحت اور بلاغت پر اے عرب! تم نازاں ہو ہم اپنے اسی اُمّی یعنی اَن پڑھ رسول سے تمہارا ناز توڑیں گے، کیوں کہ اس اُمّی رسول کا میں معلّم ہوں:

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ [۱۱۰]

آپ کو رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی ہے۔

رحمٰن کی تعلیم کے فیض سے میرا رسول رحمۃ للعالمین ہے، اور میرے رحمۃ للعالمین کی

---

[۱۰۹] العنکبوت:۴۸

[۱۱۰] الرحمٰن:۱،۲

تعلیم کے فیض سے میرے رسول کے اصحاب رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ ہیں، میری رحمت یہاں سے وہاں تک پھیل گئی۔

اے عرب کے فصحاء! اور بلغاء اور اے عرب کے زباں دانو! تم کو ناز ہے کہ ہم اہلِ لسان ہیں، آؤ میرے اس اُمّی رسول کے مقابلے میں ؎

تو ندیدی گہے سُلیماں را
چہ شناسی زبانِ مرغاں را

جب تو نے کبھی سلیمان علیہ السلام کو نہیں دیکھا تو چڑیوں کی زبان کو کیا سمجھ سکتا ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملّت بشست

یہ وہ یتیم ہے کہ جس پر ابھی پورا قرآن نہیں اترا ہے، لیکن تمام مذاہبِ سابقہ کی آسمانی کتابوں کو منسوخ کردیا۔ نہ اب توریت کے حکم پر عمل ہوگا، نہ اب انجیل کے حکم پر عمل ہوگا۔ حق تعالیٰ نے اعلان فرمادیا کہ اے اہلِ عرب:

وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ ۪ وَ ادۡعُوۡا شُھَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُھَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَۃُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾[۱۱۱]

اور اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا پھر تم بنالاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلّہ ہے (کیوں کہ آج تم بھی عربی زباں داں ہو، بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تو مشّاق بھی نہیں ہیں اور تم مشّاق ہو، جب باوجود اس کے نہ بناسکیں گے تو بشرط انصاف بلا تأمّل ثابت ہوجاوے گا کہ یہ معجزہ منجانب اللہ ہے اور بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہیں اور یہی مقصود تھا) اور بلالو

[۱۱۱] البقرۃ: ۲۳، ۲۴

اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ خدا تجویز کر رکھے ہیں اگر تم سچے ہو، پھر تم اگر یہ کام نہ کرسکے اور قیامت تک نہ کرسکو گے تو پھر ذرا بچتے رہیو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے واسطے۔ (ترجمہ و تفسیر از بیان القرآن)

فائدہ: اور قیامت تک بھی نہ کرسکو گے، کیسا جوش و خروش اور پیچ و تاب نہ آیا ہوگا اور کوئی دقیقہ سعی کا کیوں اٹھا رکھا ہوگا، پھر عاجز ہو کر اپنا سا منہ لے کر بیٹھ رہنا قطعی دلیل ہے کہ قرآنِ مجید معجزہ ہے، اور یہ امر عادتاً محال ہے کہ کسی نے قرآن کے مقابلے میں کچھ لکھا ہو اور گم ہو گیا ہو، کیوں کہ قرآنِ مجید کے حامی ہر زمانے میں کم رہے ہیں، جب یہ محفوظ چلا آتا ہے تو اس مخالفتِ تحریر کے حامی و مددگار تو قرآن کی مخالفت میں ہر زمانے میں حامیانِ قرآن سے تعداد میں زائد ہی تھے، تو وہ تحریر کیسے ضایع ہو سکتی ہے؟ اس لیے یہ احتمال کہ کسی عرب کافر نے کسی آیتِ قرآنی کے مقابلے میں کچھ لکھا ہوگا اور وہ تحریر گم ہو گئی ہو بالکل لغو اور خلافِ عقل ہے۔ (از بیان القرآن پ:۱)

چالیس برس کے بعد ظہورِ نبوّت میں بڑے اسرار ہیں، جن کی پوری خبر اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس مقام کے مناسب ایک حکمت یہ بھی ہے کہ چالیس برس تک حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کا مشاہدہ کرایا وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ[۱۱۲] آپ خُلقِ عظیم پر ہیں۔ "عَلٰی آتا ہے استعلاء کے لیے، اسی لیے اردو میں عَلٰی کا ترجمہ "پر" سے کیا جاتا ہے۔ پس اس آیت کا یہ مفہوم ہوا کہ خلقِ عظیم ایک سواری ہے جس پر آپ سوار ہیں، جس طرف چاہتے ہیں ہر خلق کی باگ کو پھیر دیتے ہیں، یعنی تمام اخلاقِ حسنہ پر آپ کو ایسا رسوخ علی وجہ الکمال حاصل تھا کہ کوئی خُلق سرِ مُو حدِ اعتدال سے جنبش نہیں کر سکتا تھا کہ کیا مجال کہ سرِ مُو آگے بڑھ سکے یا پیچھے ہٹ سکے، جہاں چاہا وہیں سے باگ پھیر دی۔ اس آیت کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع تعریف حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے۔

اے اہلِ عرب! چالیس برس تک تم لوگوں نے اپنے معاملات میں میرے

---

[۱۱۲] القلم: ۴

رسول کی صداقت و امانت کا مشاہدہ اور تجربہ کیا ہے، جس کا مقتضا تو یہ تھا کہ میرے رسول کے اعلانِ رسالت پر تمہارے دلوں میں کھٹک نہ ہونی چاہیے تھی، لیکن پھر بھی اگر کجروی سے انکار کرتے ہو تو قرآن کا معجزہ دیکھ کر ایمان لاؤ، کیوں کہ جب قرآن کے مقابلے سے تمام مخلوقات جن و انس عاجز ہیں اور قیامت تک عاجز رہیں گے تو کھلی بات ہے کہ یہ خالق کا کلام ہے۔

ہر نبی کو وقتی معجزہ دیا جاتا تھا، کیوں کہ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی جب مبعوث ہوتا تھا تو اس آنے والے پیغمبر کو اس وقت کے مناسب دوسرا معجزہ عطا فرمایا جاتا تھا، لیکن چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیّین ہیں اس لیے آپ کو ایسا معجزہ دیا گیا جو قیامت تک باقی رہے گا۔ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [۱۱۳] اور حق تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمے لے لی ہے۔ چناں چہ روئے زمین پر کروڑہا انسانوں کے سینوں میں یہ قرآنِ مجید محفوظ رہتا ہے۔ پس قیامت تک یہ معجزہ قرآن کا ہر انسان پر حجت ہے کہ وہ عاجز ہو کر ایمان قبول کرے۔ حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

زہرہ نے کس را کہ یک حرفے ازاں
یا بدزدد یا فزاید در بیاں

کسی کا پتّہ نہیں کہ ایک حرف قرآن سے چرا سکے یا ایک حرف قرآن میں بڑھا سکے۔

اور صاحبِ قصیدہ بردہ فرماتے ہیں ؎

دَامَتْ لَدَیْنَا فَفَاقَتْ کُلَّ مُعْجِزَةٍ
مِنَ النَّبِیِّیْنَ اِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدُمِ

قرآن کی آیاتِ مبارکہ ہمارے پاس ہمیشہ رہیں گی، اس لیے یہ معجزہ اور انبیاء علیہم السّلام کے معجزوں سے فائق و برتر ہو گیا۔

اور کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ تمام نبیوں کے سردار ہیں تو آپ کا معجزہ بھی ایسا ہے جو تمام معجزوں کا سردار ہے۔

---

۱۱۳؎ الحجر: ۹

عجیب اللہ کی قدرت ہے کہ قرآن کے مقابلے میں جو آیا وہ ایسا بد حواس اور ازخود رفتہ ہوا کہ جو کچھ اس نے کہا وہ لُعبۂ اطفال بن گیا۔ چناں چہ مسیلمہ کذّاب نے اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ[۱۱۴] کے مقابلے میں کہا: اَلۡفِیۡلُ مَا الۡفِیۡلُ عُنُقُهٗ قَصِیۡرٌ وَّ ذَنۡبُهٗ طَوِیۡلٌ اور کہتا تھا کہ مجھ پر وحی آئی ہے۔ اس عبارت پر خود فصحائے عرب ہنس پڑے اور اس کی اس حرکت کا مذاق اڑایا گیا، بھلا یہ مضمون بھی کلامِ الٰہی ہو سکتا ہے کہ "ہاتھی کون ہاتھی جس کی سونڈ چھوٹی اور دُم لمبی۔" استغفراللہ۔

عرب کا فصیح اور بلیغ فرد ابنِ مقنع نامی شخص جو افصح العرب کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، چند آیاتِ قرآنیہ کے مقابلے میں اس نے بھی کچھ لکھا، لیکن جب کسی قاری سے قرآن کی یہ آیت سُنی:

وَ قِیۡلَ یٰۤاَرۡضُ ابۡلَعِیۡ مَآءَکِ وَ یٰسَمَآءُ اَقۡلِعِیۡ وَ غِیۡضَ الۡمَآءُ وَ قُضِیَ الۡاَمۡرُ[۱۱۵]

اور حکم ہو گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تھم جا، اور پانی گھٹ گیا اور قصہ ختم ہوا۔

اس آیت کا تعلق واقعۂ طوفانِ حضرت نوح علیہ السّلام سے ہے، ابنِ مقنع افصح العرب اس آیت کو سن کر نادم ہو گیا اور شرمندگی کے ساتھ اقرار کیا کہ بخدا! قرآن کی فصاحت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک اَن پڑھ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے قرآن کے کلمات کی فصاحت و بلاغت سن کر عرب کے زبان دانوں کی آنکھیں کھل گئیں کہ اللہ اکبر! یہ فصاحت و بلاغت ایک اُمّی کی زبان سے اور پھر مضامین کیسے کیسے ہیں! یہ ایسے اَن پڑھ رسول ہیں کہ علمائے یہود کو توریت کی باتیں سُنا کر یہودیوں کو حیرت میں ڈال رہے ہیں۔ یہ ایسے اَن پڑھ رسول ہیں کہ انجیل کی باتیں سنا کر نصاریٰ کو مبہوت کر رہے ہیں۔ یہ ایسے اَن پڑھ رسول ہیں کہ صحفِ موسیٰ و صحفِ ابراہیم کی

---

[۱۱۴] الفیل: ۱

[۱۱۵] ھود: ۴۴

باتیں سنا رہے ہیں۔ ایک اَن پڑھ رسول کی زبان سے میاں نے اپنی بولی بول کر تمام علمائے یہود و نصاریٰ کا علمی پندار اور سارے عرب کا زبان دانی کا ناز خاک میں ملا دیا، اور معجزے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب اس کے مقابلے سے ساری مخلوق عاجز ہو تو اس کو خالق کی طرف سے جان کر اپنے خالق پر ایمان لے آئے۔

اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں دفترِ اشعار بود
پیشِ حرفِ امّیش آں عار بود

فصحائے عرب کے پاس فصیح اور بلیغ اشعار کے لاکھوں دفتر موجود تھے، لیکن اس اُمّی رسول کے ایک حرف کے سامنے تمام دفتر کے دفتر، اشعار کے ذخیرے شرمندہ ہو کر رہ گئے۔

انبیاء علیہم السّلام کے معجزات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے خالق اور پروردگارِ عالم ہونے کا یقین کرنا عقلاً ضروری ہے۔ یعنی جب پیغمبروں کے معجزوں کے مقابلے سے تمام مخلوقات انفراداً اور اجتماعاً عاجز ہیں تو عقل یہ کہتی ہے کہ ضرور کوئی ایسی ذات ہے جو ان مخلوقات پر غالب اور قادر اور حکمران ہے، اور یہ رسول صورت میں بشر ہے مگر عام انسانوں سے ممتاز ہے۔ یہ مثلیت ایسی ہے جیسے کہ ایک گلاس سڑی مٹی کا بنا ہوا اور ایک گلاس چاندی کا بنا ہوا اور اسی سانچے کا ایک گلاس تمام انمول جواہرات کو گلا کر ڈھال دیا گیا ہو تو وہ سڑی مٹی سے بنا ہوا گلاس اگر یہ کہے کہ یہ جواہرات سے ڈھلا ہوا گلاس بھی ہماری طرح ایک گلاس ہے تو انتہائی بے وقوفی کی بات ہوگی۔ سڑی مٹی والا گلاس ذرا اپنے دام بازار میں لگوالے، اور پھر اس انمول جواہرات والے گلاس کے دام لگوالے، اُس کو تو دو پیسے دام ملیں گے اور اس گلاس کی قیمت سلطانِ وقت بھی نہیں دے سکتا ؎

گر بصورت آدمی انساں بُدے
احمد و بوجہل ہم یکساں بُدے

پس عام انسانوں میں اور رسول میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ نبی کا خمیر نورانی ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے خاص انوار کو بشریت کے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

انبیاء علیہم السّلام کے اندر معصیت کا تقاضا اور داعیہ تک نہیں ہوتا، معصوم فطرت پر مبعوث ہوتے ہیں، اور ولی کے اندر تقاضا گناہ کا ہوتا ہے لیکن تقاضائے معصیت پر عمل کرنے سے اس کو محفوظ رکھا جاتا ہے، اگر وہ واقعی ولی ہے۔

انبیاء علیہم السّلام اپنی نورانی فطرت اور نورانی خمیر ہی کے سبب نورِ وحیٔ الٰہی کا تحمل کرلیتے ہیں، چوں کہ علمِ الٰہی میں وہ پہلے سے منتخب ہوتے ہیں اس لیے ان کی آفرینش کے وقت ہی سے ان کی خصوصی تربیت ہوتی ہے، کیوں کہ یہ سرکاری اور درباری لوگ ہیں، ان پر میاں کی نظر دوسری ہوتی ہے۔ پیغمبروں کو جنسِ بشر سے مبعوث فرمانے کی مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک حکمت بیان فرماتے ہیں ؂

زاں بود جنسِ بشر پیغمبراں

تا بجنسیت رہند از ناوداں

یعنی اس واسطے بشر کی جنس سے پیغمبروں کو بھیجتے ہیں تاکہ جنسیت کے سبب دوسرے انسان ناودان کفر و شرک سے نکل آئیں، کیوں کہ اپنے ہم جنس کی طرف مائل ہونا ایک فطری امر ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر عام فہم تقریر

دلیلِ اوّل: بفرضِ محال ایک خدا کے بجائے اگر متعدد خدا مثلاً دو تسلیم کرلیے جاویں تو اب یہ سوال ہوگا کہ یہ دونوں خدا اپنے اپنے ارادوں پر قادرِ مطلق ہوں گے یا نہیں؟ اگر نہیں تو خدا کا غیر قادر ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔ اور اگر دونوں قادر ہیں تو مثلاً ایک خدا نے زید کو پیدا کرنا چاہا اور دوسرے خدا نے زید کو نہ پیدا کرنا چاہا اور دونوں صاحبِ قدرت ہیں، پس نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں خداؤں میں جنگ چھڑ جائے گی اور زمین و آسمان سب تباہ و برباد ہوجاویں گے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ

لَوۡ كَانَ فِيۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ[۱۱۶]

---

[۱۱۶] الانبیاء:۲۲

اگر آسمان اور زمین میں دو معبود یعنی خدا ہوتے تو زمین اور آسمان دونوں درہم برہم ہو جاتے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ دونوں خدا آپس میں صلح اور مشورے سے کام کر لیا کریں تو یہ فساد نہ عارض ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صلح و مشورے کی احتیاج اور ضرورت خدا کے لیے کیوں پڑی؟ صلح تو اسی وقت کی جاتی ہے جب کوئی اپنے مخالف پر غلبہ پانے سے مجبور اور عاجز ہو جاتا ہے، اور عاجز ہونا یا محتاج ہونا خدا کی شان کے خلاف ہے، پس یہ بات ثابت ہوئی کہ متعدد خدا کا ہونا عقلاً محال ہے۔

دلیلِ ثانی: اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر متعدد خدا ہوتے تو جس وقت ہر زمانے میں انبیاء علیہم السّلام ایک خدا ہونے کا اعلان کرتے ہیں اور ان کے معجزوں کے مقابلے سے ساری مخلوق انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے عاجز ہوتی ہے اس وقت اگر کوئی اور خدا موجود ہوتا تو اس رسول کے مقابلے میں اپنی قدرت کو ضرور استعمال کرتا، کیوں کہ اس صورت میں اس دوسرے خدا کی سخت توہین ہے، بلکہ جڑ ہی سے اس کی خدائی کا پتا کٹ جاتا ہے۔ پس اس وقت میں پورے غیظ و غضب کے ساتھ وہ دوسرا خدا پیغمبرِ توحید کو اعلانِ جنگ کرتا، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ معجزۂ رسول کے مقابلے میں کسی جھوٹے خدا نے کبھی فتح پائی ہو، اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں نیزۂ فرعون را
در شکست آں موسیٰ با یک عصا

صد ہزاراں طِبِّ جالینوس بود
پیشِ عیسیٰ و دمش افسوس بود

صد ہزاراں دفتر اشعَار بود
پیش حرفِ امّیش آں عار بود

آج بھی قرآن کا معجزہ موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا، قرآن کا جس وقت اعلان ہوا کہ لاؤ اس کلام کے مثل ایک محدود ٹکڑا اور اپنے حمایتیوں کو بھی جمع کر لو اور قیامت تک تم ایسا نہ کر سکو گے۔ ظاہر ہے کہ یہ مواقع ایسے نہیں تھے کہ دوسرا خدا باوجود قدرتِ کاملہ کے خاموش رہتا، اس وقت میں ایسی لاگ پیدا ہو جاتی کہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا،

کیوں کہ توحید کا اعلان تمام باطل معبودوں کے لیے اعلانِ جنگ ہے۔ پس قرآن کا مثل کسی کا نہ لاسکنا اللہ تعالیٰ کے وجودِ پاک کی اور وحدانیت کی اور رسالت کی کھلی دلیل ہے۔

## حق تعالیٰ کے تصرّفاتِ عجیبہ

نیز روئے زمین پر حق تعالیٰ شانہٗ کے تصرّفاتِ عجیبہ اور ان کی نشانیاں اتنی پھیلی پڑی ہیں کہ ہم ان کا احاطہ و شمار نہیں کرسکتے ہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَ فِیْۤ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ [۱۷۰]

اور یقین لانے والوں کے لیے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی، تو تم کو دکھائی نہیں دیتا؟

اندھے ہو، کیا سجھائی نہیں دیتا کہ اتنا بڑا انسانی پیکر لیے ہوئے چلتے پھرتے اور بولتے ہو؟ کون تم کو چلاتا پھراتا اور بلواتا ہے؟ انسان اتنا بڑا اپنا وجود لیے ہوئے جو چلتا پھرتا اور بولتا ہے تو یہ خود مجسم حق تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے، کیوں کہ مٹی کا چلنا پھرنا، کلام کرنا عجیب قدرت کی نشانی ہے۔

انسان جو غذائیں استعمال کرتا ہے تو ہر لقمے میں جسم کے ہر ہر عضو کی غذا مخلوط ہوتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے اس لقمے میں جہاں جہاں کی غذائیں ہوتی ہیں وہاں وہاں ان کو پہنچاتے ہیں۔ کیا مجال کہ آنکھوں کی غذا کانوں میں پہنچ جائے یا کانوں کی آنکھوں میں پہنچ جائے۔ آنکھوں کی بینائی بننے والی غذا کو آنکھوں میں، کانوں کی قوتِ سماعت بننے والی غذا کو کانوں میں، قوتِ ذائقہ اور قوّتِ گویائی بننے والی غذا کو زبان میں، سونگھنے کی قوّت بننے والی غذا کو ناک میں، عقل اور فہم بننے والی غذا کو دماغ میں، الغرض جہاں کی جو غذا ہوتی ہے حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کو وہیں پہنچاتے ہیں، مجال نہیں کہ سرِ مُو اس میں فرق ہوجائے۔ مثلاً: بینائی والی غذا کان میں پہنچ جائے اور کان دیکھنے لگے۔ اور سماعت والی غذا آنکھوں میں آجائے اور آنکھیں سننے لگیں۔ اسی طرح سونگھنے کی قوّت بننے والی غذا منہ میں پہنچ کر قوّتِ ذائقہ بن جائے۔

[۱۷۰] الذّٰریٰت: ۲۰، ۲۱

یہ خدائی حد بندی ہے جس کو ہم خدائی چک بندی کہتے ہیں۔ کتنا بڑا کارخانہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر رکھا ہے۔ انسان صرف اپنے اندر ہی اگر غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے خود اپنے وجود کو بہت بڑی نشانی پائے گا۔

یہ حق تعالیٰ ہی کی قدرت ہے کہ اتنے بڑے انسان کو مَنی کی ایک بوند میں اس طرح سمو دیتے ہیں کہ ماں باپ کا نقشہ ان کی چال ڈھال ان کے لب و لہجہ کی کیفیت تک جنین میں آجاتی ہے، عجیب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور عجیب اُن کا تصرّف ہے کہ ایک بوند منی میں انسان کی اتنی بڑی کمیت، کیفیت، مثلیت سمو دیتے ہیں۔

"سمندر سمایو بند ماں اچرج بڑو دکھائے"

اکبر الٰہ آبادی خوب فرماتے ہیں۔

مری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذاتِ باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

نور اور ظلمت دو متضاد چیزیں ہیں، اور عادتاً دو متضاد چیزوں کا جمع ہونا محال ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرتِ عجیبہ نے آنکھوں کی سیاہی میں بینائی کی روشنی کا خزانہ رکھ دیا ہے۔

درج در خوفے ہزاراں ایمنی
در سوادِ چشم چندیں روشنی

خوف کے اندر ہزاروں امن درج ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾[۱۱۸]

بے شک جو لوگ اپنے رب سے بے دیکھے ڈرتے ہیں اُن کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

ہر کہ ترسد از حق و تقویٰ گزید
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

---

۱۱۸؎ الملك:۱۲

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور پرہیز گاری اختیار کرتا ہے اس سے تمام جن وانس اور جو بھی اس متقی کو دیکھے سب ڈرتے ہیں۔

پس ایک خوف اللہ تعالیٰ کا دونوں جہاں کا امن اپنے اندر لیے ہوئے ہے، حالاں کہ خوف اور امن دو متضاد چیزیں ہیں، اور اجتماعِ ضِدّین عقلاً محال ہے۔ اسی طرح نور اور تاریکی اگرچہ دو متضاد چیزیں ہیں لیکن حق تعالیٰ کی عجیب قدرت اور ان کا عجیب تصرّف ہے کہ خوف میں امن اور آنکھ کی سیاہی میں نور کو جمع فرمادیتے ہیں۔

پیپل کا درخت کس قدر قدو قامت رکھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اتنے عظیم القامت درخت کو اس کے ننھے سے بیج میں سمودیتے ہیں۔ چناں چہ جب اس کے بیج کو زمین میں حق تعالیٰ نشو ونما دیتے ہیں تو اسی ننھے سے بیج کے پیٹ سے اس کی تمام جڑیں، تنہ، شاخیں، پتّے پھول پھل سب کے سب خارج میں موجود ہوجاتے ہیں۔

اسی طرح لوہا اور پتھر باہر سے تاریک وبے نور ہے، لیکن ان کے اندر حق تعالیٰ کی قدرت نے روشنی اور آگ رکھ دی ہے، چناں چہ چقماق جو ایک قسم کا پتھر ہے، اس سے آگ کا نکلنا ظاہر ہے، اور حق تعالیٰ کی عجیب قدرت اور ان کا عجیب تصرف نجاستوں کو سبب آرایش اور سبزہ زار کردیتا ہے، چناں چہ ان کے کرم کا آفتاب نجاستوں پر اپنی شعاعیں ڈالتا ہے اور آفتاب کے نور کو اس نجاست سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔

من نگردم پاک از تسبیحِ شاں
پاک ہم ایشاں شوند دُرِّ فشاں

میں اپنے بندوں کی پاکی بیان کرنے سے پاک نہیں ہوتا ہوں، میں تو ازلی ابدی پاک ذات ہوں۔ البتہ یہ میرے گناہ گار بندے میری پاکی بیان کرنے سے گناہوں کی آلایش اور گندگی سے پاک ہوجاتے ہیں۔

پس آفتاب کی روشنی اور حرارت نجاستوں کے بعض حصّے کو خشک کرکے اس کو ایندھن کے قابل بنادیتی ہے، اور وہی خشک شدہ نجاست حمام کے چولہے میں جب داخل ہوتی ہے تو حمام کے درو دیوار میں اپنی روشنی کا عکس ڈالتی ہے، چناں چہ ظاہر ہے کہ حمام میں

لکڑی اور خشک شدہ سرگین یعنی گوبر وغیرہ جلنے کے وقت خود بھی صاحبِ نور ہوتا ہے اور حمام کے درودیوار کو بھی اس پر عکس پڑنے سے منوّر کرتا ہے، پس وہی نجاست جو آلائش تھی، آفتاب کے نور نے اس کو آرائش اور روشنی سے تبدیل کردیا۔

اور نجاستوں کے بعض حصوں پر آفتاب کا دوسرے قسم کا فیض پہنچتا ہے، وہ یہ کہ آفتاب کی حرارت زمین کو گرم کردیتی ہے جس کے سبب زمین اپنے اندر نجاستوں کو جذب کرلیتی ہے اور جس طرح معدے کی گرمی سے کھانا ہضم ہوکر جزوِ بدن ہوجاتا ہے، اسی طرح وہ نجاست گرمیٔ زمین سے زمین کا جُز ہوجاتی ہے۔ اور زمین کی قوّت کو بڑھادیتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام خود زمین نہ کرسکتی تھی، کیوں کہ زمین کا مزاج بارد ہے اور برودت کے اندر کسی شے کو تبدیل کرنے کا خاصا نہیں ہوتا، بلکہ برودت تو محافظِ صورت ہوتی ہے، چناں چہ برف میں گوشت تک نہیں بگڑتا، پس زمین کا اپنے اندر نجاستوں کو اپنی طرح جزءِ خاکی بناکر جذب کرنا آفتاب کی حرارت کے فیض سے ہے، اور حق تعالیٰ زمین کی اس جذب کردہ نجاستوں سے طرح طرح کے پھل پھول پیدا فرماتے ہیں، اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

می نہ جوید لُطفِ عامِ تو سَند
آفتابے بر حدثہا می زند

اے اللہ! آپ کا لطفِ عام قابلیت نہیں ڈھونڈتا ہے، بلکہ آپ کا کرم آفتاب کی طرح نجاستوں پر بھی اثر کرتا ہے۔

تا حدث در گلخنے شد نور یافت
بر در و دیوار حَمامے بتافت

یہاں تک کہ وہ نجاست خشک ہوکر چولہے میں پہنچ کر روشن ہوگئی، اور حَمام کے درودیوار پر تاباں ہوگئی۔

شمس ہم معدہ زمیں را گرم کرد
تا زمیں باقی حدثہا را بخورد

آفتاب نے نیز معدہٴ زمین کو گرم کر دیا، یہاں تک کہ زمین باقی نجاستوں کو کھا گئی۔

جزو خاکی گشت درست از وے نبات

هٰكَذَا يَمْحُوالْاِلٰهُ السَّيِّئَات

پھر وہ نجاست جب خاک کا جز ہو گئی تو اس سے نباتات اُگیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ سیئات کو محو فرما کر حسنات سے تبدیل فرما دیتے ہیں۔

جزو خاکی گشت از وے بارشاد

هٰكَذَا يَرْحَمُ اِلٰهٌ لِّلْعِبَاد

جزوِ خاکی آفتاب کے فیض سے باسامان ہو گیا، یعنی سبزہ زار بن کر پھل پھول والا ہو گیا، اسی طرح حق تعالیٰ بندوں پر رحم فرماتا ہے۔

چوں خبیثاں راچنیں خلعت دہد

طیّبیں را تا چہ بخشد در رسد

جب خبیثوں کو ایسی خلعت دیتے ہیں تو طیّبین بندوں کو تو کیا کچھ بخش دیں گے حصے میں۔

آں دہد حق شاں کہ لَا عَيْنٌ رَأَتْ

کاں نگنجد در زبان و در لغت

حق تعالیٰ طیبین کو وہ دیں گے جو آنکھ نے نہیں دیکھا اور جو کہ زبان اور لغات میں نہیں سما سکتا۔

دوسری جگہ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور ان ہی تصرفاتِ عجیبہ سے یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے خواب کے اندر بیداری کو رکھ دیا ہے، آدمی سو رہا ہے اور خواب میں بیداری کی طرح عجیب عجیب باتیں دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح عاشق کے اندر معشوقی رکھ دی ہے، یعنی حق تعالیٰ کا جو محب ہو جاتا ہے وہ حق تعالیٰ کا محبوب بھی ہو جاتا ہے، اور اے اللہ! آپ کی عجیب قدرت ہے کہ عزت اور خواجگی کو آپ ذلّتِ فقر میں پنہاں کر دیتے ہیں، چناں چہ اکثر اہل اللہ شکستہ حال گدڑی پوش ہیں مگر بڑے بڑے امراء اور حکّام ان کی جوتی سیدھی کرنے کے متمنی رہتے ہیں، اور اشارہ اس حدیث کی

طرف ہے: مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ[۱۱۹] حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو تواضع اختیار کرتا ہے اللہ کے لیے اس کو اللہ تعالیٰ عزت اور سر بلندی عطا فرمادیتے ہیں۔ حالاں کہ وضع اور رفع دونوں دو متضاد چیزیں ہیں، مگر حق تعالیٰ کی قدرت نے وضع کے اندر رفع کی شان رکھ دی۔

خواجگی پنہاں کنی در ذلِّ فقر
طوق دولت بستہ اندر غُلِّ فقر

خواجگی کو آپ ذلّتِ فقر میں پنہاں کر دیتے ہیں اور آپ نے طوقِ دولت کو باندھ رکھا ہے طوقِ فقر میں۔

چناں چہ اللہ کے لیے جس کسی نے فقر اختیار کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی باطنی دولت عطا فرمائی کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اس کے سامنے گرد ہے۔ نیز کتنے سلاطین ایسے گزرے ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کی یاد کے لطف میں تخت و تاج کو خیر باد کہہ کر فقر کا راستہ اختیار کرلیا۔ مولانا الٰہی بخش صاحب خاتمِ مثنوی فرماتے ہیں۔

نامِ تو چوں بر زبانم میرود
ہر بُنِ مو از عسل جوئے شود

اے اللہ! آپ کا نام پاک جب زبان سے نکلتا ہے تو ہر بُنِ مُو سے شہد کی نہر جاری ہو جاتی ہے۔

اللہ کی محبت کا مزہ اللہ والوں سے پوچھو اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا رحمٰن کی شان کو ان کے باخبر بندوں سے پوچھو۔

دید لیلیٰ کے لیے دیدۂ مجنوں ہے ضرور
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا تیرا

جب خلیفۂ وقت نے لیلیٰ سے کہا کہ اے لیلیٰ! تیرے اندر کیا خوبی ہے کہ مجنوں تجھ پر

---

[۱۱۹] مشکوٰۃ المصابیح: ۴۳۴، باب الغضب والکبر، المکتبۃ القدیمیۃ

اس طرح قربان ہے۔

از دگر خوباں تو افزوں نیستی
گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

(رُومی)

دوسرے حسینوں سے تیرے اندر کوئی امتیازی شان تو نہیں معلوم ہوتی۔ لیلیٰ نے خلیفۂ وقت کو ڈانٹ کر کہا: خاموش رہ اس واسطے کہ تو مجنوں نہیں ہے۔

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا
ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

(رُومی)

اگر مجنون کی آنکھ تجھے نصیب ہوتی تو ہر دو عالم تیرے لیے بے خطر ہوتے۔

اللہ اللہ اسمِ ذاتِ پاک دوست
اسمِ اعظم از برائے قربِ اوست

خاتمِ مثنوی فرماتے ہیں کہ اللہ اللہ ذاتِ پاک دوست کا نامِ پاک دوست کے قرب کے لیے اسمِ اعظم کا اثر رکھتا ہے۔

اللہ اللہ مستم از نامِ خُدا
می چکد از ہر رگم راوق جُدا

اللہ اللہ میں نامِ پاک اللہ سے مست ہوں، میری ہر رگ سے ایک خاص الگ مستی ٹپک رہی ہے۔

اللہ اللہ گو برو تا سقفِ عرش
پیشِ معراجِ تو گردد چرخ فرش

اللہ اللہ کا خوب ذکر کر اور اس ذکرِ پاک کی برکت سے عرش تک چلا جا، اس نامِ پاک کی برکت سے تیری ترقی سیر الی اللہ کے سامنے یہ آسمان فرش بن جائے گا۔

اور حق تعالیٰ کا عجیب تصرّف ہے کہ شاخ اور برگ کے اندر سے میٹھے میٹھے پھل پیدا فرماتے ہیں، حالاں کہ شاخ اور برگ میٹھے نہیں ہیں، اور ان کی قدرتِ کاملہ ہے کہ شہداء کی موت میں حیاتِ جاوداں رکھ دی ہے ؎

میوۂ شیریں نہاں در شاخ و برگ
زندگیٔ جاوداں در زیرِ مرگ

میوۂ شیریں نہاں ہیں شاخ اور برگ میں، اور زندگیٔ جاودانی موت کے تحت میں ہے۔

## شہدا کی حیات

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾[۱۲۰]

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کی نسبت یہ مت کہو کہ وہ مُردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کرسکتے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالَم دوامِ ما

ہماری راہ میں ہمارے بندوں نے شدّتِ محبّت میں اپنی جانیں قربان کی ہیں، ان کی سرگرمیٔ محبت کو ہم جانتے ہیں وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ جو لوگ ایمان لائے ہیں، یعنی اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہماری محبت میں نہایت سرگرم ہیں، ایسے سرگرم ہیں کہ جان جیسی عزیز چیز کو ہمارے لیے قربان کردیتے ہیں، چناں چہ جس صحابی کو زخم کاری لگ جاتا تو وہ فرطِ مسرّت سے کہتا تھا: فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ[۱۲۱] ربِّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوا یعنی شہید ہونے کی امید غالب ہوگئی ہے۔ یہ مستق وہ مستی ہے جو اللہ

---

۱۲۰؎ البقرة: ۱۵۴

۱۲۱؎ صحیح البخاری: ۳۹۳/۱ (۲۸۱۴)، باب من ینکب او یطعن فی سبیل اللہ، المکتبة المظهرية

کی محبت سے پیدا ہوتی ہے، شراب کی مستی کیا ہے کہ پیشاب پی لیا اور بے ہوش پڑے ہیں عقل زائل ہوگئی، اور مستیٔ حق ایسی مستی ہے کہ وہ عقل کو اور نورانی کر دیتی ہے۔

پیرِ ماسِرّ عالم مستی
با دلِ ہوشیار می آید

ہمارا پیر عالمِ مستی کے بھید کو ہوشیار دل سے بیان کرتا ہے۔

## شہیدِ محبّتِ الٰہیہ کی قدر دانی

حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اس سرگرمیٔ محبّت کی کیا قدر دانی فرمائی ہے، فرماتے ہیں: خبردار! جنھوں نے ہماری راہ میں جانوں کو قربان کیا ہے ان کو مُردہ مت کہنا کہ ہمارے عاشقوں کی توہین ہے۔

اور چوتھے پارے میں حق تعالیٰ نے اور تاکید فرمادی کہ خبردار! شہیدوں کو مُردہ کہنا تو درکنار اس کا گمان بھی دل میں نہ پیدا ہو، یعنی ایسا ہوسکتا ہے کہ تم اپنی زبانوں سے تو مُردہ نہ کہو لیکن دل میں ایسے خیالات لاؤ اور زبان سے کچھ نہ کہو تو مزید تاکید کے لیے اس گمان کا بھی قلع قمع فرمادیا، اللہ اکبر! کس قدر اپنے شہدا کا احترام میاں کو ملحوظ خاطر ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ [۱۳۲]

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مُردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرّب ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے، وہ خوش ہیں اس چیز سے جو اُن کو اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔

خیال اور گمان کا بھی حق تعالیٰ نے راستہ بند کر دیا، میری راہ کے مقتولین یعنی

---

۱۳۲؎ اٰل عمرٰن: ۱۶۹، ۱۷۰

شہدا کو مُردہ نہ کہو اور فقط اتنا ہی نہیں کہ زبان سے نہ کہو بلکہ دل میں خیال تک نہ لانا کہ یہ مر گئے۔ کس ذاتِ پاک پر جان کو قربان کیا ہے، یہ تو سوچو، وہ ایسے باقی ہیں کہ جن کے خزانے میں فانی بھی پہنچ کر باقی ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ [۱۲۳]

جو کچھ تمہارے پاس ہے سب فنا ہونے والا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

پس جب ان عاشقینِ صادقین نے اپنے جسم اور جان کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا تو اب ان کی مخصوص رحمت کی تربیت میں پہنچ گئے، اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ”اپنے رب کے پاس زندہ ہیں“، یُرْزَقُوْنَ اور ”میاں کے ہاتھ سے کھلائے پلائے جاتے ہیں“ یہ مجہول کا صیغہ عجیب رحمت اور شفقت لیے ہوئے ہے، فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ ”اور یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے بہت خوش ہیں۔“

آگے ارشاد فرماتے ہیں:

وَّ اَنَّ اللهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ

اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضایع نہیں فرماتے۔

## سرگرمیٔ عشق

اللہ تعالیٰ کی محبت کی سرگرمیاں حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اندر قابلِ دید ہیں، ایسی شدّت تھی محبّت میں کہ ہر صحابی بزبانِ حال کہہ رہا تھا۔

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ ایک عاشقِ صادق کی طرف سے فرماتے ہیں۔

---

۱۲۳؎ النحل: ۹۶

اُقْتُلُوْنِیْ اُقْتُلُوْنِیْ اَیْ ثِقَات
اِنَّ فِیْ قَتْلِیْ حَیَاۃً فِیْ حَیَات

اے ثقات! مجھ کو تم لوگ قتل کر دو اور ضرور قتل کر دو، بے شک میرے مقتول ہونے میں حیات ہی حیات ہے۔

آزمودم مرگِ من در زندگی
چوں رہم زیں زندگی پایندگی

"میں نے تجربہ کر لیا کہ میرا زندہ رہنا ہی میری موت ہے، جب میں اس زندگی سے خلاصی پا جاؤں گا تو حیاتِ جاودانی نصیب ہو جائے گی۔"

گر بریزد خونِ من آں درست رو
پائی کوباں جاں بر افشانم برو

"اگر وہ محبوب میرا خون بہانے کے لیے تیار ہو تو میں دوڑ کر اس کے روبرو اپنی جان کو نذرِ جان کر دوں۔"

کسی نے اردو میں خوب کہا ہے؎

مجاہدانِ صف شکن بڑھے جو نذرِ جاں لیے
بڑھی ادھر سے موت بھی حیاتِ جاوداں لیے

یہ حضرات اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے سچے جاں باز اور مخلص بندے ہیں جن کی محبّت کی شدّت اور سرگرمی کو حق تعالیٰ اس عنوان سے ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾[۱۲۴]

---

[۱۲۴] اٰل عمرٰن: ۱۷۳، ۱۷۴

"یعنی یہ حضرات (اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے مخلص لوگ ہیں کہ بعض لوگوں نے (یعنی عبدالقیس والوں نے) ان سے آکر کہا کہ ان لوگوں (یعنی اہلِ مکّہ) نے تمہارے مقابلے کے لیے بڑا اسامان جمع کیا ہے، سو تم کو اندیشہ کرنا چاہیے تو اس خبر نے ان کے جوشِ ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور نہایت استقلال سے یہ کہہ کر بات کو ختم کر دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ سب مہمّات میں کافی ہیں اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لیے بہتر کار ساز ہیں۔ یہی سپرد کرنا توکّل ہے۔ پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور اس کے فضل سے یعنی ثواب اور نفعِ تجارت سے بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری ذرا پیش نہیں آئی، اور وہ لوگ اس واقعے میں رضائے حق کے تابع رہے، اسی کی بدولت مجموع نعم سے سرفراز ہوئے، اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔" (تفسیر و ترجمہ از بیان القرآن)

سبحان اللہ! کیا اپنے اللہ پر بھروسہ ہے، اور کیا اللہ کی محبت میں سرگرمی ہے کہ دشمنوں کی تیاری کی خبر سے ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے، اور ہر صحابی بزبانِ حال یہ کہہ اٹھا کما قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالٰی فی ھذا المقام حکایۃ عن العاشق الصادق۔

تو مکن تہدیدم از کشتن کہ من
تشنۂ زارم بخونِ خویشتن

اے مخاطب! تو مجھے قتل ہونے سے مت خوف دلا، کیوں کہ میں تو خود ہی اپنے خون کا سخت پیاسا ہوں۔

بر سرِ مقطوع اگر صد خندق است
پیشِ دردِ من مزاحِ مطلق است

سر بریدۂ عشقِ حق کے سامنے اگر سو خندق بھی ہیں تو دردِ عشق کے سامنے وہ سب محض مذاق کی حیثیت رکھتی ہیں۔

دینِ من از عشق زندہ بودن است
زندگی زیں جان و سر ننگِ من است

میرا دین عشق سے زندہ رہنا ہے، اس جان و سر سے جینا میرے لیے ننگ ہے۔

یعنی مجھے یہ ظاہری زندگی نہ چاہیے معنوی زندگی چاہیے۔

تیغ جانہا را کند پاک از عیوب
زانکہ سیف افتاد محّاء الذّنوب

تیغ جانوں کو عیوب سے پاک کر دیتی ہے کیوں کہ سیف گناہوں کو محو کر دینے والی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ[۱۲۵] ”موت ایک پُل ہے جو بندۂ محب کو محبوبِ حقیقی سے واصل کر دیتا ہے۔“ یہودیوں نے جب دعویٰ کیا کہ ہم لوگ اولیاء اللہ ہیں تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ اس قول میں سچے ہو تو موت کی تمنّا کر دو:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۶﴾[۱۲۶]

آپ کہہ دیجیے کہ اے یہودیو! اگر تمہارا دعویٰ ہے تم بلا شرکتِ غیرے اللہ تعالیٰ کے مقبول ہو تو تم موت کی تمنّا کرو اگر تم سچے ہو۔

پھر حق تعالیٰ نے یہ بھی خبر دی کہ اور وہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سے سمیٹے ہیں، اور اللہ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں کی۔

## موت سے طبعی وحشت مُضِر نہیں

اس مقام پر حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد پڑی، ارشاد فرمایا کہ موت سے طبعی گھبراہٹ کا ہونا ایمان کے منافی نہیں ہے، یہودیوں کو موت سے اعتقادی اور عقلی وحشت تھی، اور ایمان والوں کو جو کچھ موت سے گھبراہٹ ہوتی ہے وہ اعتقادی اور عقلی نہیں ہوتی۔

---

۱۲۵؎ التفسیر المظھری: ۹۷/۱، البقرۃ (۹۴)، المکتبۃ الرشدیۃ

۱۲۶؎ الجمعۃ: ۶

البتہ جب اللہ اور رسول کی محبت میں شدّت پیدا ہو جاتی ہے تو ایمان کے اس کامل درجے میں موت کی تمنّا درجۂ حال میں پیدا ہو جاتی ہے، اور بندہ جہاد کا متمنی ہو جاتا ہے۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ[۱۲۷]

اے اللہ! اپنی راہ میں مجھے شہادت نصیب فرمایئے اور میری موت اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں مقدر فرما دیجیے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو مومن اپنے دل میں جہاد کی کسی درجے میں تمنا نہیں رکھتا اس کا خاتمہ نفاق کے ساتھ ہوتا ہے یا اس کے دل میں نفاق کا داغ ہوتا ہے۔

## بیانِ عشقِ حقیقی

وَلَنِعْمَ مَاقَالَ الْعَارِفُ الرُّوْمِیْ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی ؎

حلق کاں نبود سزائے ایں شراب
آں بریدہ بہ بشمشیرِ ضراب

جو حلق کہ اس شرابِ محبت حق کے لائق نہ ہو وہ شمشیرِ قتال سے کٹا ہوا اچھا ہے، یعنی ایسے حلق کا نہ رہنا ہی اچھا ہے۔

دیدہ کو نبود ز وصلش زرفرہ
آنچناں دیدہ سفید و کور بہ

جو آنکھ اس محبوبِ حقیقی کے وصل سے یعنی قرب سے تازہ نہ ہو ایسی آنکھ کا سفید اور کور ہونا بہتر ہے۔

---

۱۲۷ صحیح البخاری: ۱/۲۵۳-۲۵۴ (۱۸۹۰)، باب فضائل المدینۃ، المکتبۃ المظہریۃ

گوش کاں نبود سزائے رازِ او
برکنش کہ نبود آں بر سَر نکو

جو کان اس کے راز کے لائق نہ ہو اس کو اکھاڑ ڈال کہ وہ سَر پر اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

اندر آں دستے کہ نبود آں نصاب
آں شکستہ بہ بسا طور قصاب

جس ہاتھ میں محبوبِ حقیقی کا متاعِ وصل یعنی متاعِ قرب نہ ہو وہ قصاب کے چھرے سے شکستہ ہو اچھا ہے۔

آں چناں پائے کہ از رفتارِ او
جاں نہ پیوندد بہ نرگسِ زارِ او

جس پاؤں کی رفتار سے محب کی جان محبوبِ حقیقی سے نہ مل جاوے۔

آں چناں پا در حدید اولیٰ ترست
کانچناں پا عاقبت دردِ سر است

ایسا نامبارک پاؤں آہن میں ہونے کے زیادہ لائق ہے کیوں کہ ایسا پاؤں انجام کار میں دردِ سَر ہے۔

یعنی محبوبِ حقیقی سے دور رکھنے والا ہے۔ پس اللہ کی محبت میں کس طرح قدم رکھنا چاہیے۔

ہمچوں ابراہیم ادہم از سریر
عشق شاں بے پا و سر کردو فقیر

مثل ابراہیم بن ادہم کے کہ عشق نے ان کو تختِ شاہی سے بے سر و پا اور فقیر کر دیا۔

یا چو ابراہیمؑ مرسل سرخوشی
خویش را افگند اندر آتشے

یا مثل ابراہیم پیغمبر علیہ السّلام کے کہ خوش ہو کر آگ میں اپنے کو ڈال دیا۔

کیوں کہ نمرود کو توحید کی دعوت ہی سبب تھی اس آگ کا، پس سبب کو خوشی سے اختیار کرنا بمنزلہ مسبب کے بخوشی اختیار کرنے کے ہے۔

یاچوں اسماعیل صبّار مجید
پیشِ عشق و خنجرش حلقے کشید

یا مثل اسماعیل علیہ السّلام کامل الصبر صاحب المجد کے کہ عشقِ حقیقی اور اس کے خنجر کے روبرو حلق رکھ دیا۔

نیکواں رفتند و سنتہا بماند
و از لئیماں ظلم ولعنتہا بماند

حق تعالیٰ کے پاک بندے چلے گئے لیکن ان کا طریقہ دوسروں کی ہدایت کے لیے باقی رہ گیا، اسی طرح ناپاک بندے چلے گئے لیکن ان کے مظالم اور ان پر خدا کی لعنتیں باقی رہ گئیں

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی جانوں کو قربان کیا ہے انہوں نے بعد والوں کے لیے اپنے عمل کو سبق اور ہدایت کا ذریعہ چھوڑا ہے۔ تعلیمِ فعلی کا اثر تعلیمِ قولی سے زیادہ قوی ہوتا ہے، اللہ والے ہر طرح سے تعلیم دیتے ہیں، کبھی قولاً کبھی فعلاً اور کبھی خواص طالبین کے لیے سکوت سے بھی تعلیم دیتے ہیں۔

اولیا را در دروں ہا نغمہ ہاست
طالباں رازاں حیاتِ بے بہاست

اولیاء اللہ کے سینے میں عشقِ حقیقی کے نغمات ہیں، اور طالبین کو ان نغماتِ باطنی سے حیاتِ بے بہا حاصل ہوتی ہے۔

خامش اند و نعرۂ تکرار شاں
میرود تا عرش و تختِ یار شاں

اولیاء اللہ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں لیکن ان کے عشق زدہ قلب کے نعروں کی تکرار عرش تک یعنی تختِ شاہ تک پہنچتی ہے۔

تعلیمِ فعلی پر ایک حدیث یاد پڑی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

## حدیث صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ کی عجیب تقریر

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ[۱۲۸] حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب فرماکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تم لوگ جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھو۔

اس حدیث کے اندر عجیب عبرت اور تعلیم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر عبارت میں نہ جانے کیا کیا سمجھا دیا، سبحان اللہ! عجیب کلمات ہیں، كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ میں جتنا ہی غور کرو اسی قدر علوم حاصل ہوں گے، جیسا کہ تم لوگ مجھے دیکھتے ہو نماز پڑھتے ہوئے۔ اس ارشادِ پاک میں یہ بتادیا کہ اے لوگو! تم دیکھتے ہو کہ ہمارے ہاتھ پروردگارِ عالم کے حضور میں کس عاجزی کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، اور ہم کس مسکنت اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے جھکے ہوتے ہیں، اور اے لوگو! تم دیکھتے ہو کہ ہم کس درجہ شانِ غلامی کے ساتھ اللہ کے علو مرتبت کے سامنے اپنی بندگی اور عاجزی پیش کرتے ہوئے اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیتے ہیں ؎

سَر رکھا ہے ہم نے درِ جانانہ سمجھ کر

اے لوگو! میری معرفت چوں کہ تم سب سے زیادہ ہے، حتیٰ کہ بعض مخصوص اوقات میرے لیے ایسے بھی ہیں کہ اس مقامِ قرب پر نہ کسی مقرب فرشتے کا گزر ہے نہ کسی نبیِ مرسل کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيْهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ[۱۲۹]

---

۱۲۸؎ صحیح البخاری:۲/۸۸۸ (۶۰۳۶)، باب رحمۃ الناس والبہائم، المکتبۃ المظہریۃ

۱۲۹؎ قال الملا علی القاری فی الأسرار المرفوعۃ ۱/۲۹۱ (۳۹۲)، المکتب الاسلامی، حدیث: لی مع اللہ وقت لایسع فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل یذکرہ الصوفیۃ کثیرا وھو رسالۃ فی القشیری لکن بلفظ: لی وقت لایسعنی فیہ غیر ربی قلت: ویؤخذ منہ أنہ أراد بالملک المقرب جبریل وبالنبی المرسل نفسہ الجلیل وفیہ ایماء الی مقام الاستغراق باللقاء المعبر عنہ بالسکر والمحو والفناء وقال فی المصنوع:۱۵۱ (۲۵۹)، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ حدیث: لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل من کلام بعض الصوفیۃ ولیس بحدیث

میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کا گزر ہے نہ کسی نبی مرسل کا۔

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وقت بود آں دم مرا

لَایَسَعُ فِیْہِ نَبِیٌّ مُجْتَبٰی

میرے لیے اللہ کے ساتھ ایک خاص وقت ایسا ہے کہ اس میں کسی نبیٔ برگزیدہ کی بھی رسائی نہیں۔

پس اے لوگو! جب یہ بات ہے تو سمجھ لو کہ میرے مرتبۂ قرب کی رفعت کے اعتبار سے میرے اوپر جلالت و عظمتِ خداوندی کا کس قدر غلبہ ہوگا۔

نماند سراپردہ اِلّا جَلال

بدرّد یقیں پردہائے خیال

پس تم لوگ دیکھتے ہو کہ نماز میں میرے ہر ہر جوڑ پر حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت و کبریائی کا کیا اثر ہوتا ہے۔

اے لوگو! تم دیکھ لو کہ نماز میں عظمتِ الٰہیہ سے میری کیا حالت ہو جاتی ہے، تم لوگ سنتے ہو کہ حالتِ نماز میں غلبۂ خوفِ الٰہی کے سبب میرے سینے سے ایسی آواز نکلتی ہے جس طرح کوئی ہانڈی چولہے پر پکتی ہے۔

میری عبدیت اور میری بندگی اور شانِ غلامی سے میری شانِ رسالت کو پہچانو، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عبدیت کو پہلے بیان فرمایا ہے، پھر اس عبدیت پر رسالت کا تاج جو رکھا ہوا ہے اس کو بعد میں بیان فرمایا ہے۔ اس میں امّت کو تعلیم فرمادی کہ دیکھو ہم سیّد المرسلین ہیں اور افضل الخلائق ہیں، لیکن اللہ کی عظمت و جلالت کے سامنے اپنی غلامی اور بندگی کو ہر وقت پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ عبدیتِ کاملہ مقدّم ہوتی ہے، پھر اس پر رسالت، نبوت، صدیقیت، شہادت، صالحیت کا تاج رکھا جاتا ہے۔

اے لوگو! ہماری صحبتِ پاک سے اب تمہارے اندر اتنی صلاحیت آچکی ہے

کہ میں جس طرح عظمت و کبریائی اور جلالتِ شانِ خداوندی کے سامنے عاجزی اور مسکنت سے قیام، رکوع اور سجدہ بجالاتا ہوں تم اس کی نقل کرسکتے ہو۔ پہلے ہماری عبدیت نماز کی حالت میں دیکھو، پھر تم اپنی نمازوں میں اس کی نقل کرو۔

## صحبتِ اولیاء اللہ کی ضرورت پر حدیثِ مذکور سے استدلال

اسی حدیث کَمَارَأَیۡتُمُوۡنِیۡ میں صحبتِ اہل اللہ کی ضرورت کا ثبوت بھی موجود ہے، یعنی دین سیکھنے کے لیے نمونہ سامنے ہونا چاہیے، چناں چہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اور آپ سے بندگی سیکھی، پھر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضرات تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے دیکھ کر ان کی عبدیت کی نقل کی، پھر تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی عبدیت کی نقل کی تبع تابعین نے۔ اس طرح قیامت تک اہل اللہ کے ذریعے اس نقل کا سلسلہ قائم رہے گا اور دینِ حقیقی اسی نقل سے ملتا ہے، کتابوں سے اور تعلیمِ قولی سے بندگی نہیں آتی، بندگی تو کرکے دکھائی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کَمَارَأَیۡتُمُوۡنِیۡ فرمانا کہ جس طرح مجھے دیکھتے ہو نماز پڑھتے ہوئے اس طرح نماز پڑھو، یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ دین قیل و قال سے نہیں آتا بلکہ کسی صاحبِ حال کی بندگی اور غلامی دیکھ کر اس کی حرکات و سکنات، قیام و رکوع اور سجود میں اس کے بدن کے ہر جوڑ سے جو عظمتِ الٰہیہ کے پیشِ نظر ایک خاص مسکنت اور عاجزی ٹپکتی ہے اس کو دیکھ کر قلب پر جو اثر پڑتا ہے اور بندگی کی جو رُوح ملتی ہے، وہ کتابوں سے اور قیل و قال سے کہاں مل سکتی ہے۔ جج اکبر الٰہ آبادی نے خوب فرمایا ہے؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اسی لیے حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؎

خیز اے نمرود پر جو از کساں
نردبانی نایدت از کر گساں

عقلِ اَبدالاں چو پرِّ جبرئیل
می پرد تا ظلِّ سِدرَہ میل میل

باز سلطانم گشتم نیکو پیَم
فارغ از مردارم و کرگس نیَم

اے نمرود! یعنی نفس سرکش و نافرمانِ حق! اُٹھ اور اہلُ اللہ سے پَر طلب کر، کیوں کہ تجھ کو کرگسوں سے نردبان نہ ملے گی۔ کرگس ایک پردار جانور ہے جس کو ہندی میں گِدھ کہتے ہیں، یہ مُردہ لاشوں کو میدان میں دیکھتے ہیں تو بڑی رغبت سے اس کو لپٹ جاتے ہیں، مُراد کرگس سے وہ انسان ہیں جو مُردار دنیا کی طلب میں آخرت کو پس پشت ڈالے ہوئے ہیں، اسی معنوی مناسبت سے کہ طالبِ دنیا کے پر مُردار خوری سے متصل ہیں۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَّطَالِبُوْھَا کِلَابٌ

دنیا مُردار ہے اور اس کے طالبین کُتّے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں سے اللہ کا راستہ نہ ملے گا۔

نردبان سیڑھی کو کہتے ہیں، چوں کہ نمرود نے خودرائی سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے والد آزر کے مشورے سے آسمان تک پہنچنے کے لیے ایک اونچی سیڑھی بنوائی تھی، جس کو خداوند تعالیٰ نے ایک تند ہوا بھیج کر ڈھا دیا، اسی واقعے کی طرف اس نردبان سے اشارہ ہے کہ اے نمرود! اپنی رائے ناقص سے تجھ کو سیڑھی نہ ملے گی، کیوں کہ عقلِ ناقص کا پَر مُردار خوری سے متصل ہے، پس نہ اپنی رائے ناقص سے پر طلب کر اور نہ ان ناکسوں سے پر طلب کر جن کے پَر مُردار خوری سے متصل ہیں، یعنی طالبِ دنیا ہیں، اب رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تک پہنچنے کے لیے کس سے پَر طلب کیے جاویں، تو مولانا اس کا جواب فرماتے ہیں۔

## عقلِ ابدالاں

عقلِ ابدالاں چو پرِّ جبرئیل
می پرد تا ظلِّ سِدرَہ میل میل

اولیاء کی عقل مثل پرِ جبرئیل کے ہے، جو کہ سایۂ سِدرَہ تک درجہ بدرجہ اُڑتا ہے۔

پھر حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم علیہ السّلام کی طرف سے فرماتے ہیں کہ

باز سلطانم گشتم نیکوپیَم
فارغ از مردارم و کرگس نیَم

اے نمرود! میں بازِ شاہی ہوں، یعنی جس طرح باز کو سلاطین اپنے پنجے پر رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر میں مقرب سلطان السّلاطین ہوں اور میں دنیائے مُردار سے فارغ ہوں، اور میں کرگس نہیں ہوں، یعنی دنیائے مُردار کا طالب نہیں ہوں، بلکہ طالبِ ذاتِ حق ہوں۔

## عقلِ ناقص

عقل جزوی کرگس آمد اے مقِل
پرِّ او باجیفہ خوری متصِل

عقلِ ناقص کرگس ہے اے قلیل المتاع! اس کا پَر مُردار خوری سے متصل ہے۔

ترک کرگس کن کہ من باشم کسم
یک پرِ من بہتر از صد کرگسم

پس اے ناقص العقل! تو اپنی خود رائی اور خود بینی کو ترک کر دے، تاکہ میری عقل کامل جو نورِ وحی الٰہی سے منور ہے تیری یار بن جائے، اور میرا ایک پَر تیرے صدہا کرگس سے بہتر ہے۔ چناں چہ مشاہدات ہیں کہ اپنی صد رائے اور صدہا افکار سے انسان اللہ تک نہیں پہنچتا۔

## منعم علیہ بندے سے تعلق کی ضرورت

جب تک کہ کسی منعم علیہ بندے سے تعلق نہ ہو کیوں کہ اللہ تک جو راستہ گیا ہے اس کا نام صراطِ مستقیم ہے، اور صراطِ مستقیم کو حق تعالیٰ نے بتادیا کہ سیدھا راستہ تمہیں سیدھے راہ بر سے ملے گا، صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ سیدھا راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔ سورۂ فاتحہ ہی کے اندر ہدایت کی درخواست میں یہ سبق حق تعالیٰ نے پڑھادیا ہے کہ صراطِ مستقیم انعام والوں کا راستہ ہے، اور انعام والے کون لوگ ہیں؟ اس کی تصریح اور تشریح دوسری جگہ فرمادی ہے، تاکہ مَغۡضُوۡبِیۡن اور ضَآلِّیۡن کے دھوکے میں ہمارے بندے نہ آئیں، ارشاد فرماتے ہیں:

الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ[۱۳۰]

وہ بندے جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے وہ نبیین ہیں، صدیقین ہیں، شہداء ہیں اور صالحین ہیں۔

## نبی کی تعریف

شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ''موضح القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ کی طرف سے وحی آوے، یعنی فرشتہ ظاہر میں پیغام کہہ جاوے۔

## صدّیق کی تعریف

اور صدیق وہ ہے کہ جو وحی میں آئے اُن کا جی آپ ہی اس پر گواہی دے (اسی تفسیر کے مناسب کسی شخص کے سوال پر حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ صدیق آئینۂ نبوّت ہوتا ہے۔)

---

۱۳۰؎ النسآء:۶۹

# شہید کی تعریف

اور شہید وہ ہیں کہ جن کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایسا یقین آیا کہ اس پر جان دیتے ہیں۔

# صالحین کی تعریف

اور صالحین یعنی وہ نیک بخت ہیں جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی ہے، تو جو لوگ ایسے نہیں ہیں لیکن ان کی حکم برداری میں لگ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی اُن کے ساتھ گنے گا۔

# ہر چیز اپنے خزانے سے ملتی ہے

ہر چیز اپنے مرکز اور خزانے سے ملتی ہے، آگ، آگ کے خزانے سے، پانی، پانی کے خزانے سے، اسی طرح یہ انعام والے بندے دین کے خزانے ہیں، دین ان ہی کی تابع داری سے ملے گا، مگر انعامِ نبوّت و صدیقیت و شہادت و صالحیت کی سرکاری مہروں کو دیکھ کر ہاتھ میں ہاتھ دینا چاہیے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
بس بہر دستے نباید داد دست

اے لوگو! بہت سے ابلیس خصلت انسان آدمی کی شکل میں پھرتے ہیں، پس اندھادھند ہر کس وناکس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دے دینا چاہیے۔

ناواقف مسافر جب اسٹیشن پر اترتا ہے تو کیا ہر کس و ناکس کو اپنا سامان سپرد کر دیتا ہے؟ ہرگز نہیں! ہر مسافر سرکاری قُلی کو تلاش کرتا ہے، اور ان کی خاص وردی سے بھی مطمئن نہیں ہوتا، جب تک کہ اس وردی پر سرکاری نمبر لگا ہوا نہ دیکھ لے، تو کیا دین ہی ایک سَستا سودا ہے کہ ہر کس وناکس سے اس کو حاصل کر لیا جائے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ لَغَالِيَةٌ[۱۳۱]

اے لوگو! خوب غور سے سُن لو کہ خدائی سودا بڑا مہنگا ہے۔ ع

متاعِ جانِ جاناں جان دینے پر بھی سَستی ہے

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

برسائیں گے جب خونِ دل اور خونِ جگر ہم
دیکھیں گے جبھی نخلِ محبت میں ثمر ہم

اللہ کی محبت بہت لذیذ چیز ہے، اور اسی محبت کی حلاوت کے لیے ہم پیدا کیے گئے ہیں۔

## دین نعمتِ الٰہی ہے، زحمت نہیں ہے۔

اسی لیے حق تعالیٰ شانہ' نے دین کو نعمت فرمایا ہے، کیوں کہ دین ہی کی بدولت اللہ کی محبت دل میں آتی ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ[۱۳۲]

آج کے دن تمہارے لیے دین کو میں نے (ہر طرح) کامل کردیا، (قوّت میں بھی جس سے کفار کو مایوسی ہوئی، اور احکام و قواعد میں بھی، اور اس اکمال سے) میں نے تم پر اپنا انعام تام کردیا (دینی انعام بھی کہ احکام کی تکمیل ہوئی، اور دنیوی انعام بھی کہ قوت حاصل ہوئی، اور اکمالِ دین میں دونوں آگئے) اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے (ہمیشہ کو) پسند کرلیا۔ (یعنی قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا، اس کو منسوخ کرکے دوسرا دین نہ تجویز کیا جائے گا، پس تم کو چاہیے کہ میری نعمت کا شُکر کرکے اس دین پر پورے پورے قائم رہو)۔ (ترجمہ و تفسیر از بیان القرآن)

---

۱۳۱؎ جامع الترمذی: ۲/۱۷، باب صفة القيامة، ایچ ایم سعید

۱۳۲؎ المائدة: ۳

اب بظاہر ایک سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو نعمت فرمایا ہے، اور عام طبائع دین کو زحمت سمجھتی ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ عام طبائع پر حیوانیت کا غلبہ ہو گیا ہے اس لیے ان کو دین کی نعمت زحمت معلوم ہوتی ہے، کھلی بات ہے کہ دین کے احکام کی پابندی ہمیں کتنی مصیبتوں اور زحمتوں سے محفوظ کر دیتی ہے۔

مثلاً دین کا قانون چوری کو منع کرتا ہے، اب ہر انسان خود اپنی عقل سے فیصلہ کر لے کہ یہ قانون ہمارے لیے رحمت ہے یا زحمت، جس شخص کے گھر سے مال چُرایا جاتا ہے اس غریب کے دل سے پوچھیے کہ کتنی محنت اور مشقت سے اپنے بال بچوں کے لیے اس نے مال حاصل کیا تھا اور بعض وقت ایسی بُری طرح چوری کرتے ہیں کہ وہی گھر والے جو راحت سے زندگی گزار دیتے تھے اب دیکھیے تو فاقے کی نوبت ہے، اس اُجڑے گھر کے تمام افراد پر کیا گزرتی ہے، اس دُکھ اور درد کا احساس اسی کو ہوتا ہے جو درد شناس ہوتا ہے، اور سینے میں انسانی قلب رکھتا ہے، اور ظلم کرتے کرتے جن کے دل سیاہ ہو گئے ہیں ان کے اندر رحمت کا کہاں گزر، سانپ اور بچھو کو جس طرح ڈسنے میں لطف آتا ہے اسی طرح ان کو مخلوق ستانی اور جور و ظلم میں لطف آتا ہے، اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط[۱۳۳] یہ مثل جانوروں کے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں گمراہی میں۔

ایک چور کی اس خبیث حرکت سے کتنے انسان اور کتنے گھر برباد ہوئے ہیں ؎

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

"بے ادب صرف اپنے ہی کو تباہ نہیں کرتا ہے بلکہ سارے عالم میں تباہی کی آگ لگا دیتا ہے۔"

چور کبھی مال کی خاطر قتل کا بھی ارتکاب کر بیٹھتا ہے، جس سے کتنے ماں باپ بے اولاد ہو جاتے ہیں، اور کتنی اولاد یتیم ہو جاتی ہے، بیوی رانڈ ہو جاتی ہے، شوہر بے بیوی کے ہو جاتا ہے، نہ جانے کتنے متعدی مفاسد پیدا ہوتے ہیں، اور چور جب گھر میں پکڑا جاتا

۱۳۳؎ الاعراف:۱۷۹

ہے تو پہلے تو گھر والے ہی بُری طرح پٹائی کرتے ہیں، جوتوں سے خاصی حجامت بنادیتے ہیں، پھر پولیس کے ڈنڈوں سے سابقہ پڑتا ہے، پھر ہتھکڑی اور بیڑی کے ساتھ اپنے عزیزواقارب اور خاندان کے سامنے کیسی ذلت کے دن دیکھنے پڑتے ہیں۔

اتنے مفاسد کے پیشِ نظر چوری کو اگر دین منع کرتا ہے تو خود دل سے فیصلہ کرلیجیے کہ اس قانون سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو زحمت میں مبتلا فرمایا ہے یا ہزاروں زحمتوں سے آزاد فرمایا ہے۔

اسی تفصیلِ مذکور پر دوسرے احکام کو قیاس کرلیا جاوے، جھوٹ، شراب، غیبت، چغلی، زنا، فریب وغیرہ وغیرہ جتنے جرائم سے دین ہم کو روکتا ہے خود انسان اپنی عقل سے فیصلہ کرسکتا ہے کہ یہ قوانین ہمارے لیے زحمت ہیں یا عینِ رحمت۔

اللہ تعالیٰ نے جس دین کو نعمت بناکر ہمارے لیے اتارا ہے افسوس کہ ہم اس نعمت کو زحمت سمجھنے لگے۔

کیں چہ بدبختی ست مارا اے کریم
کہ دل و دیں ماندہ ما بے تو یتیم

"اے کریم! یہ کیسی ہماری بدبختی ہے کہ آپ سے دور ہونے کے سبب ہمارا دل اور ہمارا دین یتیم ہوگیا۔"

دین کی لذّت کو اور دین کی نعمت کو کسی باخبر سے پوچھو، اندھوں کو کیا خبر کہ اس باغِ محمدی میں کیسے کیسے پھل پھول ہیں، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا ﴿۵۹﴾

رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھ لیا کرو۔

فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۳﴾[۱۳۴]

جن باتوں کو تم نہیں جانتے ہو اہلِ علم سے ان کو پوچھتے رہا کرو۔

---

۱۳۴؎ النحل: ۴۳

اس آیت میں اہلِ علم کو حق تعالیٰ نے اہلِ ذکر سے تعبیر فرمایا ہے، جس میں اس بات کی تعلیم فرمادی کہ ان اہلِ علم سے دین سیکھا کرو جو اہلِ ذکر ہیں۔ یعنی جو ذکرِ الٰہی میں ڈوبے ہوئے ہیں، غلبۂ ذکر اللہ سے اُن پر اللہ کی محبت کا ایک ایسا حال غالب رہتا ہے جس سے وہ خود بھی اللہ کی محبت میں مست رہتے ہیں اور جو اُن مَستوں کو دیکھتا ہے اس کو بھی اللہ یاد آجاتا ہے۔ پس دین کی نعمت اور لذت کو کسی بینا سے پوچھو جس کے پاس نور ہے، نور والوں سے دین کی قدر و منزلت پوچھو۔

بنگر ایشاں را کہ مجنوں گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلش کشتہ اند

ان کو دیکھو کہ اللہ کی محبت میں کیسے مجنوں ہورہے ہیں اور مثل پروانہ کے کمالِ قرب سے کشتہ ہیں۔

اب یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ نورانی افراد اتنے انسانوں میں کیسے پہچانے جائیں۔

## دل میں نور آنے کا مفہوم

اور اس نور کا کیا مفہوم ہے، کیا اُن کے دلوں میں کوئی لالٹین یا گیس جلتی ہوتی ہے، جب نور کا محل قلب ہے اور کسی کے قلب کو ہم دیکھ سکتے نہیں تو دو ہی صورتیں ہیں: یا تو صاحبِ نور خود اپنے نور کا مدعی ہو یا صاحبِ نور کی کچھ علاماتِ خاصہ متعین ہوں، اور چوں کہ شقِ اوّل میں ہر دعویٰ اپنے صدق اور کذب کا احتمال رکھتا ہے اس لیے صورتِ اُولیٰ غیر مفید ہے، پس دوسری صورت باقی رہ گئی، یعنی کچھ ایسی علامات بتائی جائیں کہ جن کو دیکھ کر ہم فیصلہ کرلیں کہ فلاں بندہ نور والا ہے، یہ ایک اہم سوال ہے، کیوں کہ اس زمانے میں اہلِ حق اور اہلِ باطل بہت خلط ملط ہورہے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ عوام کے پاس صحیح علم موجود نہیں ہے۔

# جاہلوں کی فقیری

ہمارے حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جاہلوں کی فقیری ڈیڑھ پیسہ کی ہوتی ہے، ڈیڑھ پیسہ کا گیرو لیا اور کپڑوں کو گیرواں رنگ دے دیا، بس شاہ صاحب ہوگئے۔ ایسے ہی لوگوں کو حضرت والا مزاحاً فرماتے تھے کہ شاہ صاحب کیا ہیں ''سیاہ صاحب ہیں'' اور ان کی خانقاہ کو فرماتے تھے کہ خانقاہ کیا ہے ''خواہ مخواہ'' ہے۔

# نُورانی بندوں کی پہچان

لَمَّا تَلَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ یُّرِدِ اللهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَقِیْلَ لَهٗ: مَا هٰذَا الشَّرْحُ فَقَالَ: اِنَّ النُّوْرَ اِذَا قُذِفَ فِی الْقَلْبِ اِنْشَرَحَ لَهُ الصُّدُوْرُ وَانْفَسَحَ قِیْلَ: فَهَلْ لِذٰلِكَ مِنْ عَلَامَةٍ؟ قَالَ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، نَعَمْ اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ[۱۳۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ جس شخص کی ہدایت اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتی ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یہ سینہ کھلنا کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قلب میں نور ڈالا جاتا ہے تو اس کے سبب سینہ کُھل جاتا ہے، اور فراخ ہو جاتا ہے، عرض کیا کہ آیا اس کی کچھ علامت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں دارالغرور (یعنی دنیا) سے ہٹ جانا اور دارالخلود (یعنی آخرت) کی طرف متوجہ ہو جانا، اور موت آنے سے پہلے اس کے لیے تیار ہو جانا۔

اس حدیث میں دل کے اندر نور آنے کی تین علامتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

---

۱۳۵؎ کنزالعمال: ۱/۶۷(۳۰۲)، الفرع الثانی فی فضائل الایمان المتفرقة من حرف الهمزة، مؤسسة الرسالة

۱۔ دنیا سے دل اُچاٹ ہو جانا۔ ۲۔ آخرت کی طرف متوجّہ ہو جانا۔ ۳۔ اور موت آنے سے پہلے موت کے لیے تیاری کرنا۔ اسی کو عارفِ رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

آنچنانکہ گفت پیغمبر ز نور

کہ نشانئش آں بود اندر صُدور

کہ تجافی جوید از دارالغرور

ہم انابت آرد از دار السّرور

یہ علاماتِ مذکورہ تمام منعَم علیہم بندوں کے اندر موجود ہوتی ہیں، البتہ یہ علامات باعتبار فرقِ مراتبِ انعاماتِ الٰہیہ کے ضعف اور قوت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا، وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا، وَّمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشِ، وَلَخَرَجْتُمْ اِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُوْنَ اِلَى اللهِ وَفِي الْحَاشِيَةِ عَنِ "الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ" قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَنْتُمْ مُلَاقُوْهُ بَعْدَ الْمَوْتِ مَا اَكَلْتُمْ طَعَامًا عَلٰى شَهْوَةٍ اَبَدًا، وَّلَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا تَسْتَظِلُّوْنَ بِهٖ، وَلَمَرَرْتُمْ اِلَى الصُّعُدَاتِ تَكْدِمُوْنَ صُدُوْرَكُمْ وَتَبْكُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ"[۱۳۶]

اے لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم کو معلوم ہو جائے تو بہت کم ہنسو اور بہت رویا کرو، اور تم اپنے بستروں پر اپنی عورتوں سے کچھ لذّت نہ پاؤ، اور جنگلوں کی طرف نکل جاؤ، اور اپنے اللہ کی یاد سے اللہ کا قرب تلاش کرتے پھرو۔ اور حاشیہ میں جامع صغیر سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو واقعات تم کو موت کے پیش آنے والے ہیں اگر تم کو ان کی پوری خبر ہو جاوے تو کبھی کھانا رغبت سے نہ کھاؤ (اور

---

۱۳۶؎ کنز العمال: ۱۰/۳۶۷ (۲۹۸۳۸)، کتاب العشمة من قسم الاقوال من حرف العين، مؤسسة الرسالة، رواه ابن عساكر عن ابي الدرداء

بضرورت حفاظتِ جان کھانا اور بات ہے) اور نہ کسی گھر میں سایہ ڈھونڈنے کے لیے داخل ہو، اور جنگلوں کی طرف نکل جاؤ اپنے سینے کو ٹتے ہوئے اور اپنی جانوں پر (یعنی اپنی حالت پر) رویا کرو۔ روایت کیا اس کو ابنِ عساکر نے ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

جس وقت حق تعالیٰ نے اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ [۱۳۷] کی آیت نازل فرمائی یعنی ''ڈرو اللہ سے جیسا کہ حق ڈرنے کا ہے۔'' اس وقت حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر جو کیفیت طاری ہوئی اس کو ان ہی کا دل جانتا ہے، گھبراتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ڈرنے کا حق ہم سے کیسے ادا ہو سکتا ہے۔ مارے خوف کے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ایک کہرام مچ گیا۔ حق تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اس آیت کی تفسیر میں دوسری آیت نازل ہوئی، ارشاد فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ [۱۳۸]

اللہ سے ڈرتے رہو اپنی استطاعت کے مطابق

یعنی جتنا تم سے ڈرنے کا حق ادا ہو سکتا ہے اس قدر سعی اور کوشش میں کوتاہی نہ کرو۔ لیکن اس استطاعت میں مراتب ہوتے ہیں، جس طرح انوارِ نبوت، انوارِ صدیقیت، انوارِ شہادت، انوارِ صالحیت میں فرقِ مراتب ہے، اسی طرح ان بندوں کے آثارِ استطاعت میں باعتبارِ قوت اور ضعف کے فرق ہوتا ہے، لیکن یہ فرق ان کے اُوپر والوں کے اعتبار سے ہوتا ہے، نیچے والوں کے لیے تو یہ ہر حال میں مقتدیٰ اور ہادی ہیں۔

سورۂ فاتحہ میں ان ہی نورانی بندوں سے سیدھا راستہ طلب کرنے کی تعلیم ہے، جس کی ترکیب اور تدبیر بھی فرمادی ہے، وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ اور یہ نبیّین، صدّیقین، شہداء، صالحین بڑے اچھے رفیق ہیں۔

## اولیاء اللہ کی رفاقت کے بغیر دین نہیں ملتا

رفیق فرما کر اللہ تعالیٰ نے طریقہ بتادیا کہ ان سے دین اس وقت ملے گا جب

---

۱۳۷؎ اٰل عمرٰن: ۱۰۲

۱۳۸؎ التغابن: ۱۶

ان کو رفیق بنالیا جاوے، اسی کو بابا فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگزشت و نشد آگاہِ عشق

بے رفیق کے جس شخص نے راہِ عشق میں قدم رکھا تو عمر ختم ہوگئی اور عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا میں جس رفاقت کا وعدہ ہے وہ دراصل موعود ہے آخرت کے لیے، لیکن وہ رفاقت اسی دنیا ہی کی رفاقت کا ثمرہ ہوگی، جس نے ان انعام والوں کو دنیا میں اپنا رفیق بنایا ہوگا اسی کو آخرت میں ان کی رفاقت نصیب ہوگی۔

## صحبتِ نیک کی ضرورت اور صحبتِ بد سے پرہیز

اور اس کی تائید دوسرے نصوص سے بھی ہوتی ہے، قیامت کے دن کافروں کے تحسّر کا جو عنوان ہوگا وہ عنوان اس مضمون کی تائید کرتا ہے، کافر قیامت کے دن حسرت کرے گا:

یٰلَیۡتَنِی اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِیۡلًا ﴿۲۷﴾[۱۳۹]

اے کاش کہ دنیا میں، میں نے رسول کے ساتھ رہ کر رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔

اور حسرت سے یہ کہے گا:

یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا ﴿۲۸﴾[۱۴۰]

ہائے افسوس کہ میں نے فلاں بُرے ساتھی کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔

ان دونوں آیتوں کے تقابل سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ انعام والے بندوں کو اپنا رفیق بنالیا جائے ان کا راستہ اللہ تک پہنچا ہوا ہے۔ ان کے اتباع کی برکت سے تم بھی اللہ تک پہنچ جاؤ گے۔ اور جو بُرے ساتھی ہیں، یعنی جو بجائے انعام پانے کے

---

۱۳۹؎ الفرقان:۲۷

۱۴۰؎ الفرقان:۲۸

اپنی نافرمانیوں کے سبب غضبِ الٰہی کے مستحق ہیں اور جنھوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے ان لوگوں کا راستہ اگر اختیار کروگے تو چوں کہ ان کا راستہ جہنم تک پہنچا ہوا ہے ان کی اتباع کی نحوست تم کو بھی جہنم تک پہنچادے گی۔

## دین سَراپا رحمت اور سَراپا نعمت ہے

دین سراپا رحمت اور سراپا نعمت ہے، دین کا ہر قانون محبت کی حلاوت رکھتا ہے، لیکن دین کی حلاوت اور مٹھاس کو ان سے پوچھو جن کے دل میں دین کی حلاوت ہے، جنھوں نے اپنے کو اور اپنے اللہ کو پہچان لیا ہے یعنی اپنا بندہ ہونا جان لیا اور حق تعالیٰ کا معبود ہونا سمجھ گئے۔ دین انعامِ الٰہی ہے، اور انعام کی قدر اسی کو معلوم ہوتی ہے جو انعام سے نوازا جاتا ہے، پس انعام والے بندوں کی صحبت اختیار کرنے پر دین کی اور اللہ کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

خِیَارُکُمْ مَّنْ ذَکَّرَکُمْ بِاللّٰہِ رُؤْیَتُہٗ وَزَادَ فِیْ عِلْمِکُمْ مَنْطِقُہٗ، وَرَغَّبَکُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ [۱۴۱]

تم میں سب سے اچھا وہ شخص ہے کہ اس کی طرف دیکھنا تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاوے۔ (یعنی اس کی زیارت اور قرب میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوجاتی ہے) اور اس کی گفتگو تمہارے علم میں ترقی کرے، (یعنی وہ جب کلام کرتا ہے حکمت وعلم کا کلام کرتا ہے، اس سے سننے والوں کے علم میں ترقی ہوتی ہے) اور اس کا عمل تم کو آخرت کی رغبت بڑھادے (یعنی اس کے اعمالِ صالحہ کو دیکھ کر اس کی رغبت بڑھتی ہے کہ ہم بھی نیک کام کریں کہ آخرت میں نافع ہوں)۔

## نعمتِ دین کو زحمت سمجھنے کی وجہ

جو لوگ دین کو زحمت سمجھتے ہیں تو اس کی وجہ بُری صحبت ہے۔ بُری صحبت،

---

[۱۴۱] کنز العمال: ۴۱۹/۱(۱۸۷)، باب فی الذکر وفضیلتہ، مؤسسۃ الرسالۃ

بُرے اعمال، بُرے اخلاق نے ان کے دل اور دماغ کے ذوقِ سلیم کو فاسِد کر دیا ہے۔
مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بھنگی کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ اتفاق سے کسی عطار کی دوکان سے گزرا، عطار عطر فروش کو کہتے ہیں، لیکن لوگ اب دوافروش کو بطور غلط العوام عطار کہنے لگے، عطر کی خوشبو سے بھنگی بے ہوش ہو کر گر پڑا، چوں کہ دماغ ہر وقت پائخانہ کی بدبو کا عادی تھا، پس خلافِ عادت عطر کی خوشبو کا تحمل نہ کر سکا، لوگوں نے اس پر گلاب چھڑکا اور سونگھایا مگر کچھ افاقہ نہ ہوا، اس کے بھائی کو جب علم ہوا تو وہ مرض سمجھ گیا اور فوراً تھوڑا سا پائخانہ لے کر آیا اور اس کی ناک پر رکھ دیا، بدبو کا سونگھنا تھا کہ اس کی آنکھیں کھل گئیں اور فوراً بے ہوشی جاتی رہی، اب اگر وہ بھنگی عطر کو زحمت کا لقب دے تو اس بے وقوف کے کہنے سے عطر زحمت نہیں ہو سکتا، عطر تو نعمت ہی رہے گا اور اس کی بے ہوشی سے عطر کی خاصیّت کو غلط نہ سمجھیں گے۔

اسی طرح دنیائے مُردار کی بدبو سونگھتے سونگھتے آدمی فاسد الشامہ ہو جاتا ہے، یعنی خوشبو جو ناک کی اصل غذا تھی اس کو ناگوار ہو جاتی ہے، پس دین جو ایک لذیذ نعمت ہے اور ایسی نعمت ہے کہ تمام عالم کا بقا اس پر ہے، جس دن رُوئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا اسی دن اس عالم کی رُوح نکل جائے گی، اور اسرافیل علیہ السّلام کو حکم ہو گا کہ صُور پھونک دو، کہ اب میرا نام لیوا زمین پر کوئی نہیں رہا، اب زمین و آسمان، آفتاب اور ماہتاب سب کو درہم برہم کر دو۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کو ایمان والوں ہی کی برکت سے دنیاوی عیش حاصل ہے، کیوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَالَ اَللّٰهُ اَللّٰهُ

قیامت قائم نہ ہو گی جب تک زمین پر اللہ اللہ کہا جائے گا۔

اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا کی ترقیات اللہ اللہ کرنے والوں ہی کے طفیل میں ہو رہی ہیں، جب اللہ اللہ کرنے والے نہ رہ جائیں گے تو دنیا کو درہم برہم فرما دیں گے۔

آج کل کے نوجوانوں کو اپنی اس غلط فہمی کا علاج کرنا چاہیے کہ وہ دینداری کو

ترقی سے مانع سمجھتے ہیں، اسی کو اقبال لاہوری نے کہا ہے ؎

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

ہم لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنے خاندان والوں کا جنازہ آئے دن قبرستان میں لے جاکر دفن کرتے ہیں اور کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ جسم جو دن رات میں نہ جانے کتنے لباس بدلتا تھا، گھر میں رہنے کا الگ لباس، دوستوں سے ملنے کا الگ لباس، دفتر میں جانے کا الگ لباس، پائخانہ میں جانے کا الگ لباس، نعوذ باللہ! یہ تہذیب ہے کہ منجانب اللہ تعذیب یعنی آلۂ عذاب ہے، جو جسم تکبّر سے یہ کہتا تھا کہ تم جانتے نہیں کہ میں کون ہوں، آج پتا چلا کہ آپ کون ہیں۔

## ایک متکبر کی حکایت

ایک بزرگ نے کسی متکبر سے فرمایا کہ غرور سے مت چل، اس نے کہا: تم جانتے نہیں میں کون ہوں؟ فرمایا: ہاں جانتا ہوں، آپ پیدائش کے وقت ایک نجس پانی یعنی مَنی تھے، پھر مرنے کے بعد ایک گندہ مُردار ہوں گے، اور اس وقت تین چار سیر پائخانہ اپنے پیٹ میں لیے ہوئے چل رہے ہیں۔

## معافی کا غلط طریقہ

متکبرین کا بھی عجب حال ہے، یہ اپنے قصور کا اعتراف بھی کرتے ہیں تو اس میں بھی متکبّرانہ انداز ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ اچھا میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ استغفر اللہ! یہ الفاظ واپس لینے کا طریقہ خوب نکالا ہے، سوئی چبھو کر کوئی یہ کہے کہ اچھا صاحب! ناراض کیوں ہوتے ہیں، میں اپنی سوئی نکالے لیتا ہوں۔

## معافی مانگنے کا سلیقہ

اے لوگو! معافی مانگنے کا سلیقہ اپنے باپ آدم علیہ السّلام سے سیکھو، فرماتے ہیں:

رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٜ وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۲۳﴾[۱۴۲]

اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا اور اگر آپ ہمارے قصور کو نہ بخشیں گے اور ہمارے حال پر رحم نہ فرمائیں گے تو ہم بڑے ٹوٹے میں پڑ جائیں گے۔

بندگی اس کا نام ہے ؎

بندگی نبود بجز سر افگندی

بندگی تو نام سَر افگندگی کا ہے ؎

دریں راہِ حق عجز و مسکینیت
بہ از طاعت و خویشتن بینیت

اللہ تعالیٰ کے راستے میں عاجزی اور مسکینیت خود بینی والی عبادت سے بہتر ہے۔

اسی کو ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نازِ تقویٰ سے تو اچھا ہے نیازِ رندی
جاہِ زاہد سے تو اچھی مِری رسوائی ہے

## ایک شعر کی ضروری اصلاح

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ کی شان میں یہ شعر ؎

اگر بخشیں زہے قسمت نہ بخشیں تو شکایت کیا
سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

---

۱۴۲؎ الاعراف: ۲۳

ادب کے خلاف ہے، اس میں دعویٰ ہے کہ عذابِ جہنم کو ہم برداشت کرسکتے ہیں، حالاں کہ اس کی ایک چنگاری سے نانی یاد آجائے گی، اس قسم کے مضامین اکثر بے تمیز شعر اگھڑا کرتے ہیں، بے صحبت کا آدمی بے ادب ہوتا ہے، ادب تو ادب والوں سے آتا ہے، ہم جب بندے ہیں تو ہمارے لیے صرف نیاز مندی اور بندگی کی شان زیبا ہے۔

زشت باشد روئے نازیبا و ناز
عیب باشد چشم نابینا وباز

روئے نازیبا کے لیے ناز بُرا ہے، چشم نابینا کا کھلا رہنا عیب ہے۔

پھر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں ترمیم فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا ؎

اگر بخشیں زہے یاری نہ بخشیں تو کروں زاری
کہ اس بندے کی کیوں خواری مزاجِ یار میں آئی

دنیا کی محبت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم موت کو بھولے رہتے ہیں۔

## خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ میں موت کو مقدم فرمانے کی حکمت

حالاں کہ حق تعالیٰ نے موت کو حیات پر مقدم الذکر فرماکر ہمیں تنبیہ فرمادی ہے، دیکھو دنیا میں جاتو رہے ہو مگر موت کو یاد رکھنا:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا[۱۴۳]

پیدا کیا اللہ نے موت اور زندگی کو تاکہ تمہاری جانچ کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔

موت زندگی کے بعد آتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں موت کو زندگی سے پہلے ذکر فرمایا ہے، تاکہ دنیاوی زندگی کے چند روزہ عیش و آرام میں موت کی یاد بندوں کو آخرت سے غفلت میں مبتلا نہ ہونے دے۔

---

۱۴۳؎ الملک:۲

## کثرت سے موت کو یاد کرنے کی حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ”موت کو کثرت سے یاد کرتے رہو، کیوں کہ موت کی یاد تمام لذتوں کو توڑ دینے والی ہے“ اَکۡثِرُوۡا ذِکۡرَھَا ذِمِ اللَّذَّاتِ یَعۡنِی الۡمَوۡتَ [۱۴۴]

ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مراقبۂ موت کا ایک رسالہ لکھا ہے جو نہایت مفید اشعار کا مجموعہ ہے، جس کے چند شعر یاد ہیں ؎

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
رفتہ رفتہ چپکے چپکے دمبدم
قبر میں میّت اترنی ہے ضرور
جیسی کرنی ہے ویسی بھرنی ہے ضرور
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اطلسِ عمرت بمقراضِ شہور
پارہ پارہ کرد خیّاطِ غرور

مولانا فرماتے ہیں کہ ”اے شخص! تیری عمر کے تھان کو ان مہینوں کی مقراض کے ذریعے خیاطِ غرور نے یعنی دنیا نے پارہ پارہ کردیا۔“

دنیا کی بے ثباتی کو غور سے سوچنا چاہیے، اور عبرت حاصل کرنا چاہیے، کسی نے دنیا کی حقیقت خوب بیان کی ہے ؎

جام تھا ساقی تھا مَے تھی اور درِ میخانہ تھا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

---

۱۴۴ سنن ابن ماجۃ:۴۵۰/۲ (۴۲۵۸)، باب ذکر الموت والاستعداد لہ، المکتبۃ الرحمانیۃ

ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے ماں باپ کو قبرستان میں دفن کیا ہے، کل ہماری اولاد ہم کو قبرستان میں دفن کرے گی، یہ ایک سلسلہ چلا آرہا ہے، اور ہر روز ہمارے اُوپر موت کا ایک نمونہ گزرتا ہے تاکہ ہم عبرت حاصل کریں۔

## حدیث اَلنَّوْمُ اُخْتُ الْمَوْتِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اَلنَّوْمُ اُخْتُ الْمَوْتِ نیند موت کی بہن ہے یعنی نیند موت کے مشابہ ہے، جب آدمی سوجاتا ہے تو موت کے آثار اس پر بیت جاتے ہیں، سویا ہوا انسان نہ تو اپنی مصیبتوں سے غمگین ہے نہ اپنے مال و دولت سے مسرور ہے، ایک عالَم ہی دوسرا ہے، جس کو حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

## رات میں قیدی اور بادشاہ برابر ہو جاتے ہیں

شب ز زنداں بے خبر زندانیاں
شب ز دولت بے خبر سلطانیاں

رات کو قیدی قید خانہ سے بے خبر (سورہا) ہے اور رات کو اہلِ سلطنت اپنی دولت سے بے خبر (سورہے) ہیں۔

یعنی مرنے کے بعد جس طرح خاک نشین اور تخت نشین سب برابر ہو جاتے ہیں اسی طرح زندگی میں بھی حق تعالیٰ نے نیند کو موت کا نمونہ بنایا ہے، تاکہ ہر روز ہمارے بندے اپنے اور آثارِ موت کا مشاہدہ کرکے ہمیں پہچان لیں، چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں:

## نیند سے استدلالِ توحید

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾[۱۴۵]

---

[۱۴۵] الزمر:۴۲

اللہ ہی قبض کرتا ہے یعنی معطل کرتا ہے ان جانوں کو جن کا وقت موت کا آگیا ہے اُن کی موت کے وقت (من کل الوجوہ) اور ان جانوں کو جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت (من بعض الوجوہ) کہ حیات باقی رہتی ہے ادراک نہیں رہتا، اور موت میں دونوں چیزیں بدن میں نہیں رہتی ہیں، پھر معطل کرنے کے بعد اُن جانوں کو تو تصرّف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے، اور اب باقی جانوں کو جو نوم میں ہیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعادِ معیّن یعنی مدّتِ عمر تک کے لیے رہا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے پھر وہ ارواح ابدان میں تصرّف کرنے لگتی ہیں، اس مجموعۂ تصرّفِ مذکور میں ان لوگوں کے لیے جو سوچنے کے عادی ہیں خدا تعالیٰ کی قدرت پر نشانیاں ہیں جن سے توحید پر استدلال کرتے ہیں۔ (ترجمہ و تفسیر از بیان القرآن)

## حق تعالیٰ کی معرفت کے لیے چند نشانیوں کا ذکر

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾[۱۴۶]

اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب و لہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے، اس میں دانش مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات اور دن میں، اور اس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے، اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سُنتے ہیں.

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لِقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ نشانیاں سننے والوں کے لیے، یعنی جس طرح اپنے سونے کا احوال نظر نہیں آتا سو لوگوں کی زبانی سنتے ہیں۔

---

[۱۴۶] الروم: ۲۳-۲۲

نیند کو حق تعالیٰ انسان کی لازمی فطرت قرار دے کر ہر روز موت کا اور ترکِ دنیا کا سبق پڑھاتے ہیں، اور مرتے دم تک اس سبق کا تکرار جاری رہتا ہے۔ حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

شب ز زنداں بے خبر زندانیاں
شب ز دولت بے خبر سلطانیاں

رات کو جب لوگ سو جاتے ہیں تو قیدی لوگ قید خانہ سے اور سلاطین اپنی سلطنت اور دولت سے بے خبر ہو جاتے ہیں اور اس بے خبری کے سبب دونوں کی ایک حیثیت ہو جاتی ہے، اور یہی حالت مرنے کے بعد ہو جاتی ہے۔

چہ بر تخت مردن چہ برروئے خاک

خواہ تختِ شاہی پر مرے یا خاک پر مرے سب مُردے یکساں ہو جاتے ہیں بے بسی اور عاجزی میں، خواہ بادشاہ ہو یا فقیر ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل سب خاکی تھے، پس خاک کی طرف لوٹ کر ایک حقیقت میں تبدیل ہو جاتے ہیں، اسی کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ اسی مٹی سے ہم نے تم لوگوں کو پیدا کیا ہے وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ اور اسی مٹی میں تم لوگوں کو لوٹا دیں گے وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى [۱۴۷] اور اسی مٹی سے تم لوگوں کو دوبارہ اٹھا کر کھڑا کریں گے، یعنی قیامت کے دن حساب و کتاب کے لیے پھر زندہ کر دیں گے۔ پس ہر انسان خاکی ہے، اگرچہ ہر ایک کی صورت اور ہر ایک کا رنگ جدا ہے، اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

## انسان کی حقیقت

ہندو قپچاقی و رومی و حبش
جملہ یک رنگ اندر اندر گور خوش

”ہندی اور قپچاقی جو ایک قوم ہے ترکوں کی، اور رومی اور حبشی یہ سب کے سب اپنی

---

۱۴۷؎ طٰہٰ:۵۵

قبروں میں پہنچ کر ایک حقیقت ہو جاتے ہیں، یعنی سب کے سب خاک ہو جاتے ہیں‘‘۔

ہم زخاکے بخیہ بر گل می زنند
جملہ را ہم باز خاکے می کنند

خاک ہی سے گارے پر بخیہ بناتے ہیں یعنی اجزائے غذائیہ جو دراصل خاک ہیں اس کو حق تعالیٰ شانہٗ جسم کے ساتھ جزو بدن کر دیتے ہیں، پس یہ غذائیں اور یہ بدن چوں کہ دونوں خاکی ہیں اس لیے مرنے کے بعد (بقاعدہ کُلُّ شَیۡءٍ یَرۡجِعُ اِلٰی اَصۡلِہٖ ہر شے اپنی اصل حقیقت کی طرف لوٹ جاتی ہے۔) خاک ہو جاتے ہیں۔

تابدانی کاں ہمہ رنگ و نگار
جملہ روپوش است و مکر و مستعار

تاکہ تم جان لو کہ دنیا کے سب نقش و نگار سب آخرت کے لیے حجاب ہیں، نمائش ہیں اور عارضی ہیں، باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔

کسی عربی شاعر نے خوب کہا ہے۔

لِکُلِّ شَیۡءٍ اِذَا فَارَقۡتَہٗ عِوَضٌ
وَلَیۡسَ لِلّٰہِ اِنۡ فَارَقۡتَہٗ عِوَضٌ

ہر شے کے لیے جس سے تم جُدا ہو جاؤ بدل موجود ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے تم اگر جدا ہوئے تو اس ذات پاک کا کوئی بدل نہیں ہے۔

## دنیا کی عمدہ عمدہ غذاؤں کی حقیقت

اب دنیا کی عمدہ عمدہ غذاؤں کی حقیقت حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ایں کباب وایں شراب وایں شکر
خاک رنگین است نقشیں اے پسر

یہ کباب اور یہ شراب اور شکر دراصل یہی خاک ہے جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اے لڑکے رنگین اور منقش کر دیا ہے۔

## حق تعالیٰ کی صَنعَتِ عجیبہ

خاک را رنگ وفن وشنگے دہد
طفل خوباں ر ابداں جنگے دہد

حق تعالیٰ اپنی صنعت سے خاک کو رنگ اور ڈھنگ اور شنگ دیتے ہیں، یعنی اس خاک میں رعنائی اور زیبائی دیتے ہیں، پس اطفال خصلت لوگ خاک کے ظاہری نقش ونگار پر جنگ کرتے ہیں۔

از خمیرے اشتر وشیرے پزند
کودکاں از حرصِ آں کف می زنند

والدین آٹے کا اونٹ اور شیر پکاتے ہیں، لڑکے اس اونٹ اور شیر کی صورت دیکھ کر حرص سے اپنا ہاتھ چوستے ہیں۔

شیر و اشتر ناں شود اندر دہاں
در نگیرد ایں سخن با کودکاں

آٹے کا وہ شیر اور اُونٹ منہ میں جاکر روٹی ہو جاتا ہے، مگر یہ بات لڑکوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔

## انسان درحقیقت کب بالغ ہوتا ہے

خلق اطفال اند جُز مَستِ خُدا
نیست بالغ جُز رہیدہ از ہوا

مخلوق سب کے سب بچے ہیں اگرچہ باعتبار عمر کے بوڑھے ہی ہوں بجز مستانِ خدا کے، کیوں کہ انسان جب تک خواہشاتِ نفسانیہ سے خلاصی نہ پالے اس وقت تک بالغ نہیں ہوتا، یعنی بالغ ہونے کا اصل مفہوم کامل العقل ہونا ہے، اس مفہوم کا مصداق وہ بلوغ ہوتا ہے جو اللہ والوں کو مجاہدہ وریاضت سے نصیب ہوتا ہے، یعنی شیخِ کامل کی صحبت اور

مجاہدے کی برکت سے جب خواہشاتِ نفسانیہ مرضیاتِ الٰہیہ کے بالکل تابع ہو جاتی ہیں اس وقت اس کی عقل درحقیقت بالغ ہوگئی، کیوں کہ اب نفس پر حاکم اور حکمران ہوگئی، اور پہلے نفس اس پر حاکم اور حکمران تھا، اب یہ شخص اللہ والا ہو گیا، کیوں کہ اب اپنی خواہشات کی باگ اسی طرف پھیرتا ہے جس طرف اپنے اللہ کی خوشنودی اور مرضی دیکھتا ہے، اب گناہوں کے تقاضوں کو حمامِ تقویٰ میں مثل ایندھن کے جلادیتا ہے، جو بُری خواہشات کہ پہلے تاریکی اور ظلمت کا سبب تھیں اب حمامِ تقویٰ میں ایندھن بن کر نورِ تقویٰ پیدا کرنے لگیں۔

## قلبِ انسانی کب محلِ نورِ ربّانی ہوتا ہے

اور جس قلب میں تقوٰی کا نور آجاتا ہے تو اب وہ شاہی محل ہو گیا، اب نورِ حق کے لائق ہو گیا، اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ[۱۴۸] چوں کہ حق تعالیٰ کی ذات پاک نور ہے اس لیے نورانی قلب کو اپنی تجلّی کے لیے پسند فرماتے ہیں، مولانا فرماتے ہیں؂

آنچہ طورش بر نتابد اے کیا
قدرتش اندر زجاجے ساخت جا

جس نور کا طور متحمل نہ ہو سکا حق تعالیٰ کی قدرت نے اس نور کو مومن کے دل میں رکھ دیا۔

گشت مشکٰوۃِ زجاجی جائے نور
کہ ہمی درّد ز نور آں قاف وطور

جس نور سے کوہِ قاف اور کوہِ طور پارہ پارہ ہو جاتا ہے قدرتِ حق سے یہ مشکٰوۃِ زجاجی یعنی مؤمن کا قلب اس نور کا محل بن گیا۔

در دلِ مومن بگنجم ہمچو ضیف
بے زچون وبے چگونہ بے ز کیف

---

۱۴۸؎ النور:۳۵

قلبِ مومن میں، میں سماجاتا ہوں مثل مہمان کے بلاچوں اور بلاچگوں اور بلاکیف کے۔

حدیثِ قدسی ہے:

مَاوَسِعَنِیْ اَرْضِیْ وَلَاسَمَائِیْ وَلٰکِنْ وَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ[۱۴۹]

میری وسعت کا تحمل نہ میرا آسمان کرسکا نہ میری زمین کرسکی، لیکن میرے مومن بندے کے قلب نے میری وسعت کا تحمل کرلیا۔

ہمارے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جاسکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

الحمد للہ کہ ''معرفتِ الٰہیہ'' حصۂ اوّل تمام ہوا، اس حصے میں بفضلہٖ تعالیٰ حق تعالیٰ کی پہچان کے جو ذرائع اور طریقے ہیں وہ بحسن وخوبی کافی تفصیل سے جمع ہوگئے ہیں۔

حصۂ ثانی میں اس امر کی تفصیل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان کے بعد بندوں پر عبدیت اور فنائیت کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

حق تعالیٰ اپنی رحمت سے ''معرفتِ الٰہیہ'' کی دونوں جلدوں کو قبول فرماویں، اور مجھ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی معرفتِ کاملہ نصیب فرماویں۔

جامہ پوشاں را نظر بر گازر است
رُوحِ عریاں را تجلی زیور است

(رومی رحمۃ اللہ علیہ)

وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

عبد الغنی

---

[۱۴۹] روح المعانی: ۱۴/۵۴، الحجر (۱۹)، دار احیاء التراث، بیروت

# سو بار بھی گر گر کے سنبھلتا ہے آج بھی

ہاں وہ درِ میخانہ تو کھلتا ہے آج بھی
پیمانۂ رحمت تو چھلکتا ہے آج بھی

وہ درد جو ارواح کی کلیوں کو ملا تھا
ہر چاک گریباں سے مہکتا ہے آج بھی

اعجازِ نظر دیکھے ساقیؔ ازل کا
اشکوں میں لہوں میرے ٹپکتا ہے آج بھی

جو مست ہُوا مُرشدِ کامل کی نظر سے
سو بار بھی گر گر کے سنبھلتا ہے آج بھی

وہ جامِ محبت ترا نایاب نہیں ہے
سینوں سے اہلِ درد کے ملتا ہے آج بھی

اخترؔ ہماری درد پسندی کی انتہا
ہے وصل مگر دل تو تڑپتا ہے آج بھی

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

# معرفتِ الٰہیہ (حصۂ دوم)

# معرفتِ الٰہیّہ کے آثار و لوازم

جب بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اپنی ذلت اور بزرگی کا بصیرتِ قلب سے مشاہدہ کرلیتا ہے عظمتِ الٰہیہ سے ہر وقت دبا رہتا ہے، ایک عجیب شانِ فنائیت کا حال طاری ہو جاتا ہے، اور یہ حال راسخ ہو کر مقام بن جاتا ہے، اور یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق میرے مرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ:

## مقامِ فنائیت اخلاص سے بھی اونچا مقام ہے

اخلاص سے بھی ایک اونچا مقام ہے اور وہ فنائیت کا مقام ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ اخلاص میں کسی قدر اپنے اوپر نگاہ ہوتی ہے، گویہ نظر، نظر مذموم نہیں ہوتی، کیوں کہ اپنے اعضا سے صدورِ اعمالِ حسنہ کو منجانب اللہ انعام سمجھتا ہے، لیکن ان اعضا کو اپنے احساس اور ادراک میں اپنے ساتھ منسوب کرتا ہے، اور یہ کوئی امر غیر مستحسن نہیں ہے۔ لیکن فنائیت کا درجہ اس سے بھی مافوق ہے، اس درجے میں اپنی ہستی اور صفاتِ ہستی سے نظر اٹھ جاتی ہے، جیسے چراغ آفتاب کے سامنے اپنے وجود کو کالعدم پاتا ہے، یعنی اپنے نور کو نورِ آفتاب کے سامنے اس درجہ مضمحل ضعیف النور پاتا ہے کہ اپنے اوپر نظر کرنے سے شرماتا ہے، پھر اس نورِ آفتابِ حقیقی کی کیا شان ہوگی ؎

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

خاک آمیز جرعہ جب مجنوں کرتا ہے تو صاف اگر ہو تو میں نہیں جانتا کہ کیا سے کیا کردے۔ کیا سے کیا کردے پر اپنے ایک دوست مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی کا ایک شعر یاد آگیا، خوب فرمایا ہے ؎

نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو دستارِ فضیلت گم ہو دستارِ محبت میں

## عارف کی شان

جب عارف حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا آفتاب دیکھ لیتا ہے تو پھر اپنی ہستی اور ہستی کے تمام آثار و صفات کی طرف التفات کرنے سے شرماتا ہے ؎

کیں چہ بدکارم کہ جملہ نیستم
پس چرا پیشت بہستی ایستم

میں کس قدر ذلیل ہوں کہ میری ذات حادث اور فانی ہے، پس اے اللہ! آپ کے سامنے آتے ہوئے میں اپنی اس لچر ہستی کو لے کر کیوں کر کھڑا ہوں۔

## مولانا سید سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

مولانا سید سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار حضرت مرشد پاک تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! فقیری کس چیز کا نام ہے؟ ارشاد فرمایا کہ فقیری نام ہے اپنے کو مٹا دینے کا۔ اس بات کو سُن کر سید صاحب پر گریہ طاری ہو گیا۔ تمام سلوک اور تصوّف کا حاصل یہی ہے کہ اپنے کو مٹا دیا جائے ؎

منتہائے سیر سالک شد فنا
نیستی از خود بود عین البقا

(عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ)

مٹا دینے کا یہ مطلب نہیں کہ خودکُشی کر لی جائے، مٹانے کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے تمام ارادوں کو، اپنی تمام خواہشات کو مرضیات اور اراداتِ الٰہیہ کا غلام اور تابع بنا دیا جاوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ [۱۵۰]

---

۱۵۰ شرح السنة للبغوی: ۱/۲۱۳، باب رد البدع والاھواء، المکتب الاسلامی دمشق / کنز العمال: ۱/۲۱۷ (۱۰۸۴)، باب فی الاعتصام بالکتاب والسنة، مؤسسة الرسالة، ذکرہ بلفظ ھواہ متبعا

تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک اپنی تمام خواہشات کو میرے لائے ہوئے احکامِ خداوندی کے تابع نہ کردے۔

اسی تابع کردینے کا نام فنائیت ہے۔ اور عادتِ الٰہیہ یہی ہے کہ یہ دولت بغیر کسی پیر کامل کی صحبت کے میسّر نہیں ہوتی، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ دولت یعنی فنائیت کیسے حاصل ہوئی تھی، اس کا جواب خود لفظ صحابی میں موجود ہے، صحابی کا لفظ سُن کر ذہن منتقل ہوجاتا ہے کہ صحبت یافتۂ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی کو حضرت عارف رومی فرماتے ہیں۔

نفس نتواں کُشت الّا ظِلِ پیر
دامنِ آں نفس کُش راسخت گیر

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس نہیں فنا ہوتا ہے مگر پیرِ کامل کے سایہ سے پس اُس نفس کُش کا دامن مضبوط پکڑلو۔

## مرنے سے پہلے مرجانے کا مطلب

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا

مرجاؤ مرنے سے پہلے

عُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ

اپنے نفس کو اہلِ قبور میں سے شمار کرو۔

ان دونوں حدیثوں کا یہی مفہوم ہے جو مذکور ہوا، یعنی اپنی مرضیاتِ نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ کا غلام بنادیا جائے۔ جس طرح وہ چاہیں تصرّف فرمائیں، جہاں ان کی مرضی ہو وہیں اپنی خواہش پر عمل ہو، اور جہاں ان کی مرضی نہ ہو اس خواہش کے تقاضے پر عمل نہ کریں، اور صبر کرلیں۔

نظر کو اپنی جواُن کی نظر نہ بنا سکے
وہ ہائے پردے کو جلوہ کبھی بنا نہ سکے

اسی کا نام مجاہدہ ہے، اور اسی مجاہدے سے بندہ اللہ تک پہنچتا ہے، لیکن چوں کہ مریض کی رائے بھی بیمار ہوتی ہے اس لیے اپنا علاج خود نہیں کر سکتا، کسی اللہ والے سے تعلق اصلاح کے لیے کرنا فرض ہے، جب اصلاحِ نفس فرض ہے تو اصلاحِ نفس جس کے تعلق اور جس کی صحبت پر موقوف ہے وہ بھی فرض ہے، البتہ مرید ہونا سنّت ہے فرض نہیں ہے، جس کا جی چاہے سنّت کی برکت کے لیے بیعت بھی ہو جائے۔

## خشیتِ حق بقدرِ معرفتِ حق پیدا ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ کی معرفت جس قدر حاصل ہوتی ہے اسی قدر اس معرفت کے لیے اللہ تعالیٰ کی خشیت لازم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اے لوگو! میں تم سب سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ جاننے والا ہوں، اس سبب سے تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، اِنِّیْ اَعْلَمُکُمْ بِاللہِ وَاَتْقَاکُمْ[۱۵۱] میں تم سب سے زیادہ عالم باللہ ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے تھے تو ارشاد فرماتے تھے کہ اَنَا اٰکُلُ کَمَا یَأْکُلُ الْعَبْدُ[۱۵۲] میں اس طرح بیٹھ کر کھاتا ہوں جس طرح غلام بیٹھ کر کھاتا ہے۔

## حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کا اپنی شانِ عبدیت کو شانِ رسالت پر مقدم فرمانا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عبدیت اور شانِ غلامی کو شانِ رسالت پر مقدم فرما کر امّت کو بہت بڑا سبق پڑھا دیا: اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں عرض کرتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہے۔ بندگی کو مقدم فرمایا، اس کے اندر تعلیم ہے کہ میری امّت کے لوگو! نبوّت کا دروازہ تو ختم ہو چکا ہے لیکن ولایت کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا، تم میں بڑے بڑے درجے کے اولیائے اللہ پیدا ہوں گے، مگر بندگی کا یہ سبق

---

۱۵۱ صحیح البخاری: ۱/۷ (۲۰)، باب قول النبی انا اعلمکم باللہ، المکتبۃ المظھریۃ

۱۵۲ کنز العمال: ۱۵/۲۳۲ (۴۰۷۰۸)، باب فی الأکل، مؤسسۃ الرسالۃ

مت بھولنا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمہیں ابدال، اقطاب، اوتاد، غوث، مجدّد جو چاہیں بنادیں، لیکن میرا اسوۂ حسنہ سامنے رکھنا اور یاد رکھنا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حضور میں اپنا بندہ ہونا پہلے عرض کیا ہے، پھر اس اظہارِ عبدیت کے بعد انعامِ رسالت کا ذکر فرمایا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم راتوں میں نماز کے اندر اس قدر قرآن پڑھتے تھے کہ کھڑے کھڑے پائے مبارک سوج آتے تھے۔

## حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی شانِ عبودیت

لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ

مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ[۱۵۳]

اے اللہ! آپ کی عظمت اور جلالت کے شایانِ شان محمّد سے عبادت نہ ہو سکی۔

جن کے رُتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

## غیر عارف کا جہل

غیر عارف بے سمجھ آدمی جب کچھ نفلیں پڑھنے لگتا ہے تو خود کو اللہ تعالیٰ کا مقرب اور نہ جانے کیا کیا سمجھ لیتا ہے، اور دوسروں کو حقیر نظر سے دیکھنے لگتا ہے، یہ بڑی کم ظرفی اور نااہلی اور جہل ہے، عابد غیر عارف کو شیطان اپنا کھلونا بنالیتا ہے۔

## شیطانی زہر

اور شیطان جس زہر کو پی کر مردود ہوا تھا وہی اَنَا خَیْرٌ کا زہر آلود سبق پڑھادیتا ہے۔

## کم ظرف اور اہلِ ظرف کا فرق

کم ظرف جلد اُبل جاتا ہے اور اہلِ ظرف میں تحمل ہوتا ہے، عارفین کے

---

۱۵۳؎ المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۸۴/۲ (۱۷۵۱)، من غرائب حدیث جابر بن عبداللہ، مکتبہ ابن تیمیۃ

حوصلے بھی نورِ معرفت کی برکت سے بلند ہوتے ہیں، بازِ سلطان دیدہ شیر نر کا شکار کرتا ہے، وہ معمولی جانوروں کے شکار کا خیال بھی دل میں نہیں لاتا۔

## عارف کا حوصلہ

عارفین کے حوصلوں کو کون پاسکتا ہے جب کہ وہ جہاں سے رُخ پھیرے ہوئے صرف اللہ کے طالب ہیں۔

شد صفیرِ بازِ جاں در مرجِ دیں
نعرہائے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْن

## رُوحِ عارِف کی آواز

عارف کی جان جو قربِ سلطان سے مثل بازِ شاہی کے ہے، دین کی چراگاہ میں لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کے نعرے لگارہی ہے، یعنی روحِ عارف کی آواز یہ ہے کہ میں فنا ہونے والی مخلوقات سے محبت نہیں کرتی ہوں۔

ملکِ دنیا تن پرستاراں را حلال
ما غلامِ عشقِ ملکِ لازوال

یہ دنیائے فانی کا ملک تن پرستوں کو مُبارک ہو، ہم تو ملک عشق لازوال کے غلام ہیں۔

## حکایتِ ایاز و شاہ محمود

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایاز اور محمود کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ جب ایاز محمود کا محبوب اور مقرب ہوگیا تو اراکینِ سلطنت کو ایاز پر حسد ہونے لگا، رفتہ رفتہ یہ خبر محمود کو ہوئی، محمود بادشاہ نے ایاز کی خوبی اور اس کا کمال اراکینِ سلطنت پر ظاہر کرنے کے لیے ایک بار بہت سے بیش قیمت موتی اور جواہرات بکھیر دیے اور اعلان کردیا کہ جو جس چیز پر ہاتھ رکھ دے وہ اس کی ہے، ہر ایک نے حرص اور طمع سے مختلف چیزوں

پر اور جواہرات اور موتیوں پر اپنے اپنے ہاتھ رکھ دیے، اور ایاز اٹھا اور شاہ محمود کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیے کہ میں تو صرف آپ کو چاہتا ہوں۔

یہ ہے عقلِ کامل کہ جب بادشاہ ہمارا ہوگا تو ساری سلطنت ہماری ہوگی، یہ حوصلے کی بات ہوتی ہے۔

سرمد غمِ عشق بو الہوس را ندہند
سوزِ غمِ پروانہ مگس را ندہند

عارفین کی یہی شان ہوتی ہے کہ سارے جہاں سے مستغنی ہوکر اللہ تعالیٰ ہی کی یاد میں لگے ہوئے ہیں۔

بسودائے جاناں ز جاں مشتغل
بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل
بیادِ حق از خلق بگریختہ
چناں مست ساقی کہ مے ریختہ

محبوبِ حقیقی کی محبت میں ایسے سرگرم ہیں کہ اپنی جان سے بھی بے پروا ہیں، اور سارے جہاں سے بے پروا ہوکر ذکرِ حبیب میں لگے ہوئے ہیں، یادِ حق میں مخلوق سے بھاگے ہوئے ہیں، اور ساقیٔ ازل پر ایسے مست ہیں کہ نعمتوں کی طرف سے التفات جاتا رہا اور منعمِ حقیقی کی ذات پر ہر وقت ٹکٹکی بندھی ہوئی ہے۔

عارف اپنی ہر عبادت میں حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے پیشِ نظر نقصان اور قصور دیکھتا ہے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرض نماز کے بعد استغفار فرمانے کی حکمت

یہی راز ہے کہ نماز فرض کے بعد سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم استغفار فرمایا کرتے تھے، نماز کے بعد فوراً استغفار کرنے میں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ استغفار نام ہے کسی معصیت سے مغفرت طلب کرنے کا، اور نماز ایک محبوب ترین عبادت ہے، تو اس

اشکال کا یہی حل ہے کہ چوں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے شایانِ شان نماز کا حق بندوں سے ادا نہیں ہو سکتا اس لیے نماز کے بعد بندہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! آپ کی کبریائی کے مقابلے میں میری غلامی میں جو نقصان اور قصور ہوا ہے اس کی معافی چاہتا ہوں۔

اور دنیا میں اس کا نمونہ بھی موجود ہے کہ جب کسی معزز مہمان کو رخصت کرتے ہیں تو باوجود صد احترام اور آدابِ مہمان نوازی بجالانے کے نہایت شرمندگی سے نیاز مندانہ چہرہ بنا کر کہا کرتے ہیں کہ کیا بتاؤں آپ کی خاطر کا حق ادا نہ ہو سکا، کوئی تکلیف ہوئی ہو تو معاف فرمایئے گا۔

جب ایک بندہ بندوں کے حق میں کامل طور پر مطمئن نہیں ہوتا ہے کہ نہ معلوم کون سی بات مہمان کو ناگوار ہوئی ہو تو کہاں بندہ اور کہاں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک!

چراغ مُردہ کجا شمعِ آفتاب کجا

پس عارفین ہر عبادت کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں کہ اے اللہ! جو کچھ مجھ سے اس عبادت میں کوتاہی ہوئی ہے معاف فرمادیجیے، وہ جاہل عابد ہوتا ہے جو عبادت کرکے اپنے کو کچھ سمجھنے لگتا ہے۔

## حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ فنائیت

حضرت مولانا محمدّ قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے عالم تھے اور درویشِ کامل تھے، مگر ایسی سادگی تھی کہ اجنبی شخص دیکھ کر یہ بھی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ مولانا کچھ پڑھے لکھے ہوں گے۔ اکثر کُرتا لُنگی میں رہتے تھے، کسی نے حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت مولانا قاسم صاحب نے اپنے کو بہت مٹادیا ہے، تو فرمایا کہ ابھی کیا مٹایا ہے؟ اللہ اکبر! نہ جانے فنائیت کے کس مقام پر مولانا کو حضرت حاجی صاحب دیکھنا چاہتے تھے۔

## اخبات کی تعریف

اللہ تعالیٰ کی عظمت سے دب جانے کا نام اخبات ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخۡبَتُوۡۤا اِلٰی رَبِّہِمۡ ۙ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۳﴾[۱۵۴]

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اچھے عمل کیے اور اپنے رب کی طرف جھکے ایسے لوگ اہلِ جنّت ہیں اور وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اَخۡبَتُوۡا کی ضمیر عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور اٰمَنُوۡا دونوں سے متعلق ہے، یعنی ایمان کے ساتھ بھی اخبات کی کیفیت ملی ہو اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ بھی اخبات کا تعلق ہو، قرآنِ کریم میں جہاں جہاں ایمان اور اعمالِ صالحہ کا تذکرہ ہے وہاں وہاں یہ قید اخبات بھی ملحوظ ہے، تفسیر کا یہ اصول ہے کہ جب ایک حکم کسی جگہ مقید ہو گیا تو جہاں جہاں وہ مطلق بھی مذکور ہو گا اس قید سے مقید سمجھا جائے گا۔

## استحضارِ عظمتِ الٰہیہ

جس شخص پر جس درجہ عظمتِ الٰہیہ کا استحضار ہو گا اسی قدر اس کا اخبات بھی قوی ہوتا ہے۔ دنیا میں اس کا نمونہ موجود ہے، کہ جب کسی بڑے حاکم کے سامنے معمولی آدمی کھڑا کر دیا جاتا ہے تو خوف کے مارے کانپنے لگتا ہے، عجیب سکتہ سا طاری ہو جاتا ہے۔ پس جن بندوں نے اللہ تعالیٰ کو جو احکم الحاکمین ہے پہچان لیا ہے ان پر اللہ کی کبریائی سے اور اپنی بندگی اور عاجزی سے ایک عجیب کیفیت تواضع اور فنائیت کی طاری رہتی ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ ہَوۡنًا[۱۵۵]

رحمٰن کے محبوب اور مقبول بندوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ زمین پر نہایت مسکنت اور عبودیت سے چلتے ہیں۔

ان کی چال سے ہَوۡن یعنی غلامی کی شان ٹپکتی ہے۔ ہَوۡنًا، ہَوۡن لغت میں ذلّت

---

۱۵۴؎ ھود: ۲۳

۱۵۵؎ الفرقان: ۶۳

اور خواری کو کہتے ہیں، مگر جو ذلت اور خواری کو بندہ اپنے اللہ رب العزت کی عظمت کے پیش نظر اپنے اندر دیکھتا ہے اس پر لاکھوں عزتیں اور سلطنتیں قربان ہوجائیں، خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؎

خاک میں کس نے ملایا یہ تو دیکھ
شکر کر مٹی سوارت ہوگئی

واقعی انسان کی مٹی جب ہی سوارت ہوتی ہے جب اپنے محبوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ شانہٗ کے لیے اپنے کو مٹادے، اسی مٹانے میں انسانیت کی معراج ہے؎

نہیں دیکھا جس نے زمینِ محبت
وہ دیکھے گا کیا آسمانِ محبت

## تواضع کا صحیح مفہوم

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ[۱۵۶] ”جو اللہ کے لیے اپنے کو گراتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتا ہے۔“

وَضْعٌ کے معنیٰ لغت میں رکھ دینے کے ہیں۔ باب تَفَاعُلْ میں اس کے معنیٰ اپنے کو گرادینے کے ہیں، گرانا کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے سامنے اپنی تمام خواہشات کو بندہ بنادے، جس چیز کو دیکھنے کی اجازت دیں وہاں آنکھ کھل جائے، جس چیز سے منع فرمادیں کہ اس کو مت دیکھو وہاں آنکھیں نیچی ہوجائیں، اسی طرح ہر خواہش پر عمل ہو۔ اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر سمجھنا اور دوسروں کو اپنے سے اچھا سمجھنا یہی تواضع کا مفہوم ہے۔ ایک دفعہ ایک عربی مدرسہ میں دورۂ حدیث کے طالب علموں کا امتحان لینے کا اتفاق ہوا، ایک طالب علم سے میں نے اسی حدیث کے متعلق دریافت کیا کہ یہاں تواضع کا کیا مفہوم ہے، جواب دیا کہ تواضع کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مہمان

---

۱۵۶ مشکوٰۃ المصابیح: ۴۳۴، باب الغضب والکبر، المکتبۃ القدیمیۃ

آجاوے تو حُقّہ اور پان سے خوب خاطر تواضع کرے۔ استغفر اللہ! ایسے ایسے طالب علم بھی ہوتے ہیں۔ اس بے چارے نے تواضع کا وہ مطلب سمجھا جو عوام سمجھتے ہیں۔

عبدیت اور فنائیت یہ بہت وسیع مضمون ہے، جس کو حق تعالیٰ جس درجے کی فہم عطا فرماتے ہیں اسی درجے کی اس کے اندر عبدیت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

لَا یُجْزَوْنَ اِلَّا بِقَدْرِ عُقُوْلِہِمْ[۱۵۷]

ہر شخص کو اپنی عقل کے اعتبار سے بدلہ دیا جائے گا۔

## دین کی فہم بڑی نعمت ہے

دین کی فہم وہ نعمت ہے کہ عارف کی دو رکعت غیر عارف کی ہزار رکعت سے بہتر ہوتی ہیں۔ کیوں کہ عارف سمجھ کر عبادت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت سامنے ہوتی ہے۔ نماز میں ہاتھ باندھے ہوئے ہے، اور یہ دھیان بھی بندھا ہوا ہے کہ میں ایک حقیر بندہ ہوں اور میرا خالق پروردگار میرے سامنے ہے۔

نماند سرا پردہ الاّ جلال
بدرّد یقیں پردہائے خیال

معرفت سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت کبر اور نخوت کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

ہر کہ او را جامہ عشقی چاک شد
او ز حرص و عیب کلی پاک شد

جس شخص کا جامہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے چاک ہو گیا وہ حرص اور جملہ امراض سے پاک ہو گیا۔

ایک ان سے کیا محبت ہو گئی
ساری دنیا ہی سے نفرت ہو گئی

---

[۱۵۷] مسند الحارث: ۸۰۵/۲ (۸۲۳)، باب ما جاء فی العقل، مرکز خدمة السنة والسیرة النبویة

## محبت سے دینِ مستحکم نصیب ہوتا ہے

محبت سے جس قدر مضبوط دین ہوتا ہے اس قدر دلائل سے میسر نہیں ہوتا ہے، بے محبت کی پرہیز گاری ذرا سی دیر میں ٹوٹ جاتی ہے اور محبت والا جان دے دیتا ہے۔ ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

میں ہوں اور حشر تک اس دَر کی جبیں سائی ہے
سرِ زاہد نہیں یہ سَر سرِ سودائی ہے

لاکھ جھڑکو اب کہاں پھرتا ہے دل
ہوگئی اب تو محبت ہوگئی

## خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

ایک بار ہمارے مرشدِ پاک حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر عتاب فرمایا اور حکم فرمایا کہ مجلس میں شرکت کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے عاشق زار تھے، ایک شعر میں اپنی محبت کا اظہار فرمایا۔

اُدھر وہ دَر نہ کھولیں گے اِدھر میں دَر نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں ان کی کہیں میری

محبت والا کسی حال میں ہمت ہار کے محبوب کی طلب کو ترک نہیں کرتا ہے۔

دست از طلب ندارم تا کامِ من بر آید
یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

میں محبوب کی طلب سے باز نہ رہوں گا یہاں تک کہ میں مقصود تک نہ پہنچ جاؤں، یا تو میرا تن محبوب تک پہنچ جائے یا تو جان ہی تن سے جدا ہو جائے۔

محبت کی یہی شان ہوتی ہے کہ محبوب کی ہر ادا سے خوش اور راضی رہتا ہے۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں
شرطِ اوّل قدم آن ست کہ مجنوں باشی

منزلِ لیلیٰ کے راستے میں جان پر بہت سے خطرات ہیں، شرطِ اوّل قدم یہ ہے کہ تو مجنوں ہو جائے۔

پھر کوئی مشکل نہیں اور جب تک مجنوں نہیں ہوگے تو ہر زخم سے بھاگ نکلو گے ؎

تو بہر زخمے گریزانی زعشق
تو نمی دانی بجز نامے زعشق

اے مدعی! تو ہر زخم کی وجہ سے عشق سے بھاگتا ہے، تو بجز نامِ عشق کے کامِ عشق سے بے خبر ہے۔

معرفتِ حق سے جو بندگی اور غلامی کی شان پیدا ہوتی ہے وہ غیر عارف کو کہاں میسّر ہو سکتی ہے۔

## حضرت مُرشدِ پاک تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ عبدیت

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:

۱) مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ میں نے چارپائی کے پائینتی کھانا رکھ کر کھایا ہو۔

۲) اور مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ میں نے اپنی چھڑی کا نچلا حصہ قبلہ رُو رکھا ہو۔

۳) اور مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ میں نے نوکر کو کبھی پیسہ زمین پر پھینک کر دیا ہو۔

۴) اور مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی داہنے ہاتھ میں جوتا لیا ہو۔

۵) اور مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی روپیہ بائیں ہاتھ میں لیا ہو۔

اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں جب کسی کو اس کی اصلاح کے لیے ڈانٹتا ہوں تو اس وقت میں اپنے کو بھنگی سمجھتا ہوں اور مخاطب کو شہزادہ سمجھتا ہوں، جس طرح کہ بادشاہ شہزادوں کی تعلیم اور تادیب کے لیے جلاّد کو حکم دیتا ہے کہ اس کو دُرّے لگاؤ، لیکن جلاّد سے پوچھو کہ اس پر کیا گزرتی ہے، اس حکم سے کانپ جاتا ہے اور

لرزہ براندام اس حکم کی تعمیل کرتا ہے اور شہزادوں کی تحقیر کا تو کیا وسوسہ آتا خود اپنی خیر مناتا رہتا ہے کہ بادشاہ کی نظر کہیں بدلی تو نہ جانے میرا کیا حال ہوگا۔

حضرت فرماتے تھے کہ کسی کو نصیحت کرنا اس وقت میں حرام ہے جس وقت کہ مخاطب کو حقیر سمجھ کر نصیحت کی جائے، عینِ اصلاح اور نصیحت کے وقت اپنے کو کمتر اور مخاطب کو اپنے سے افضل سمجھنا یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

ایک ہتھیلی پر جامِ شریعت ہے اور دوسری ہتھیلی پر عشق کا ہتھوڑا ہے، ہر ہوس والا شیشے کا پیالہ اور لوہے کا ہتھوڑا کھیلنا کب جانتا ہے۔

اصلاح کا منصب بڑا نازک منصب ہے۔

## حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

ایک بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ سڑک سے بوقت صبح گزر رہے تھے، سرکاری بھنگی سڑک پر جھاڑو لگا رہا تھا، ایک عالم اور مخصوص رفیق نے آگے بڑھ کر مہتر سے کہا کہ بھائی! ذرا سی دیر کو ملتوی کردو تاکہ ہمارے حضرت گرد سے بچ جاویں، حضرتِ والا نے سُن لیا اور فرمایا کہ آپ کو کیا حق تھا کہ اس کے سرکاری کام میں دخل دیں، وہ اپنی ملازمت کا حق ادا کر رہا ہے، کیا آپ نے مجھ کو فرعون سمجھ لیا ہے؟

اللہ اکبر! عجیب عبدیت کی شان تھی۔ ایک طالب نے خط میں باطنی حالت اور فقہی مسائل کا استفسار دونوں جمع کر دیے، اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ان کو یہ جواب لکھا کہ آپ ایک خط میں فقہی مسائل کو اور احوالِ باطنی کو جمع نہ کیا کریں اور فرمایا کہ میں نے یہ نہیں لکھا کہ احوالِ باطنی کو فقہی مسائل کے ساتھ جمع نہ کریں، مسائلِ فقہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قوانین ہیں ان کا ادب اسی امر کو مقتضی تھا۔

بڑوں سے ان کی سمجھ اور فہم کے اعتبار سے حق تعالیٰ ان کے ساتھ معاملہ

فرماتے ہیں۔ ایک بزرگ نے بارش دیکھ کر فرمایا کہ اے اللہ! شکر ہے کہ بڑے موقع سے آپ نے بارش فرمائی، آواز آئی کہ او بے ادب! اور میں نے کب بے موقع بارش کی ہے۔

مقرباں رابیش بود حیرانی

## حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا واقعہ

ہمارے ضلع کے ایک حاجی صاحب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جمعہ کا دن تھا، حضرت اپنے کرتے پائجامے میں تشریف لائے، حاجی صاحب معمر آدمی تھے، بے تکلّف تھے، عرض کیا کہ حضرت! آپ نے عبا نہیں پہنی؟ فرمایا: عبا بڑوں کا لباس ہے۔ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! آپ بھی تو بڑے ہیں، فرمایا کہ "میں کیا بڑا ہوں، ابھی تو میرا ایک خُلق بھی درست نہیں ہوا۔" اللہ کی کبریائی جن کے سامنے ہوتی ہے وہ اپنے کو سراپا تقصیر سمجھتے ہیں۔

## حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی عبدیت

حضرت ابراہیم علیہ السّلام جلیل القدر رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خلیل تھے۔ خلیل کہتے ہیں گاڑھے دوست کو۔

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾[۱۵۸]

اور بنالیا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السّلام کو اپنا گاڑھا دوست۔

اور ایک جگہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ[۱۵۹]

اور جس وقت امتحان لیا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ان کے پروردگار نے چند باتوں میں اور وہ ان کو پورے طور سے بجالائے، تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا مقتدا بناؤں گا۔

---

۱۵۸؎ النسآء: ۱۲۵

۱۵۹؎ البقرۃ: ۱۲۴

اس شانِ مقتدایت اور شانِ خُلّت کے باوجود اب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی عبدیّتِ کاملہ کی شان دیکھیے، عرض کرتے ہیں: وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ[۱۶۰]

اے اللہ! جس دن حساب اور کتاب کے لیے لوگ اٹھائے جائیں گے اس دن آپ مجھے رُسوانہ فرمایئے گا۔

اور حق تعالیٰ نے اس دعا پر یہ نہیں فرمایا کہ آپ ہمارے خلیل ہیں، ایسی دعا آپ کے لیے زیبا نہیں یا آپ کو میری ذات سے ایسا اندیشہ کیوں ہے حق تعالیٰ نے اس مقام پر سکوت فرماکر یہ بتادیا کہ ہم بندوں سے بندگی ہی چاہتے ہیں، ہم بندوں کی عاجزی اور خواری اور ان کی پستی ہی دیکھنا چاہتے ہیں خواہ ہم اپنی عطا سے جس انعام سے چاہیں نوازدیں۔

اب اس مقام پر بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام جب اولوالعزم پیغمبر تھے اور خلیل اللہ تھے تو اللہ تعالیٰ سے آپ کو رُسوائی کا گمان کیوں گزرا؟ دنیا میں کوئی معمولی دوست بھی اپنے دوست کو رُسوا نہیں کرتا ہے، پھر اس ذاتِ پاک سے خلیل اللہ کو رُسوائی کا گمان کیوں کر روا ہوسکتا ہے؟

اس ظاہری اشکال کا حل اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کی معرفت انبیاء علیہم السلام کو بدرجۂ کمال نصیب ہوتی ہے، جس وقت کہ سیدنا ابراہیم علیہ السّلام نے یہ دعا کی تھی اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ کی جلالت اور کبریائی اور عظمتِ شان کا ایسا غلبہ ہوگیا تھا کہ آپ کو اپنی خُلّت اور رسالت کی طرف التفات نہ رہا، پس اپنی بندگی اور عبدیت کو عظمتِ الٰہیہ کے سامنے دیکھ کر غلبۂ ہیبت سے یہ دعا نکل گئی۔

نہ ماند سراپردہ الاّجلال
بدرّد یقیں پردہائے خیال

---

[۱۶۰] الشعراء: ۸۷

## تحقیق سَر اپردہ

سراپردہ اُس بڑے پردے کا نام ہے جو سلاطین کے بالکل قریب پڑا ہوتا ہے، یعنی متعدد پردوں کے بعد یہ آخری پردہ ہوتا ہے، تو قیامت کے دن تمام پردے اٹھادیے جائیں گے اور جلالِ خداوندی کا سراپردہ رہ جائے گا۔

ہمارے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْعِلْمُ هُوَالْحِجَابُ الْاَكْبَرُ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ جو لوگ علم کو اللہ تعالیٰ سے حجابِ اکبر سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔

## اَلْعِلْمُ هُوَالْحِجَابُ الْاَكْبَرُ کی تحقیق

حجابِ اکبر سے مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ علم خدا سے دور کرتا ہے، حجابِ اکبر سے مراد وہ بڑا پردہ ہے جو سلاطین کے سامنے پڑا رہتا ہے، جس کو سراپردہ کہتے ہیں، اس کے بعد پھر کوئی پردہ نہیں ہوتا ہے۔

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ [۱۶۱]

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہلِ عقل کے لیے۔ جن کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے

۱۶۱؎ اٰلِ عمرٰن: ۱۹۰،۱۹۱

ہیں، کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے اس کو لایعنی نہیں پیدا کیا، ہم آپ کو منزّہ سمجھتے ہیں، سو ہم کو عذابِ دوزخ سے بچا لیجیے۔

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ’’عبث نہیں بنایا‘‘ یعنی اس عالم کی انتہا ہے دوسرے عالم میں، یعنی اس عالم میں اعمال کی دوسرے عالم یعنی عالمِ آخرت میں باز پُرس ہوگی۔

## حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شانِ عبودیّت

ان آیات میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شانِ عبدیت اور شانِ غلامی کا مقام دکھایا گیا ہے کہ اے لوگو! دیکھ لو ہمارے پہچاننے والوں کی یہ شان ہوتی ہے کہ کثرتِ ذکر اور فکر کے باوجود ان کو مقبولیت کا ذرا بھی گمان نہیں ہوتا۔ میری عظمت و کبریائی پیشِ نظر ہے، ہیبتِ حق سے دبے ہوئے ہیں۔ کیا مجال کہ یہ کثرتِ ذکر اور فکر ان کو ناز اور غرور میں مبتلا کردے۔ ہماری کبریائی اور اپنی غلامی اس طرح ان کے پیشِ نظر ہے کہ اس قدر عبادت اور کثرتِ ذکر اور فکر کے باوجود اپنے کو جہنم کے قابل سمجھ کر عذابِ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ عارفین کی یہی شان ہوتی ہے کہ کام بھی کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے بھی رہتے ہیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس عبدیت سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ وہ بڑا جاہل عابد ہے جو عبادت کر کے اپنے کو کچھ سمجھنے لگتا ہے، اس تکبّر کی نحوست سے ساری محنت عبادت کی اکارت ہو جاتی ہے۔

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے
حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

خواجہ سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ حاصل ہو گیا اور حال یہ ہے کہ خواجہ کو کچھ حاصل نہ ہوا بجز تکبّر اور نخوت کے۔

## عابدِ مغرور کی مثال

اس بے سمجھ مغرور عابد کی مثال اس بے وقوف چمار کی سی ہے جو کسی شاہی محل

کے لیے اپنی جھونپڑی کا سڑا ہوا بانس بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے جارہاہو، اور اس ہدیۂ حقیر پر مغرور بھی ہو کہ اتنی بڑی چیز شاہی محل کے لیے لے جارہا ہوں۔ اس چمار کے غرور کی وجہ کیا ہے؟ اس کو اپنے سڑے ہوئے بانس پر ناز کیوں ہے؟ اس لیے کہ اس نے شاہی محل کبھی دیکھا نہیں ہے، راستے میں ہے، جب شاہی محل کی شان اور شوکت دیکھ لے گا تو اس وقت اپنے سڑے بانس کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔

گر بہ بینی یک نفس حسنِ ودود
اندر آتش افگنی جانِ ودود
گر بہ بینی کرّ و فرّ قربِ را
جیفہ بینی بعد ازیں ایں شرب را

(رومی)

۱) اگر تو حق تعالیٰ کے حسن کو ایک نفس بھی مشاہدہ کرلے تو اپنی جانِ عزیز کو آتش میں ڈال دے، یعنی اللہ پر قربان ہو جائے۔
۲) اگر تو قربِ خداوندی کی جلالتِ شان اور کرّ و فرّ دیکھ لے تو سارے جہاں کے عیش و آرام کے اسباب ہیچ اور مُردار نظر آنے لگیں۔

عابد غیر عارف کا یہی حال ہوتا ہے کہ عظمتِ الٰہیہ کی معرفت نہ ہونے سے اس کی نظر اپنی عبادت پر تو ہوتی ہے لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت اور کبریائی پر نہیں ہوتی۔ اُس نے اس چمار کی طرح ابھی شاہی محل کا مشاہدہ نہیں کیا ہے۔ ابھی منزل سے دور ہے، اس لیے اپنی ٹوٹی پھوٹی اور کھوٹی عبادت پر اس قدر نازاں ہے۔

اور عارف کی نظر حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت اور جلالت پر ہوتی ہے، اس لیے باوجودیکہ اس کی دو رکعت بے سمجھ عابد کی ہزار رکعت کے برابر ہے لیکن عبادت کی اس بڑی کمیت اور کیفیت کے باوجود اپنے کو اللہ کی عظمت کے سامنے کتوں سے بدتر سمجھتا ہے، کہ نہ معلوم میاں کو بھی پسند ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے شایانِ شان اپنی غلامی اور عبادت کو ناقص پاتا ہے۔

## حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ عبدیت

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی سَتّاری ہے، ورنہ میاں اگر ہمارے اترے پترے کھول دیں تو ایک بھی معتقد نہ رہے۔ یہ دین کی سمجھ والے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ والا اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے رکھتا ہے اور حق تعالیٰ کی نظر سے اپنے اعمال کو پرکھتا ہے۔ اصلی کسوٹی تو میاں کے پاس ہے، تمام مخلوق کی تعریف کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ جب وہ پسند فرمالیں تو وہ پسند کام آنے والی ہے اور ان کی پسند کا یقینی فیصلہ مرنے کے بعد ہی معلوم ہوگا۔ لوگوں کی واہ واہ تو آدمی کو واہی بنادیتی ہے، لوگوں کی واہ واہ کا خواہاں نہ رہنا چاہیے۔ اپنی آہ سے اپنے اللہ کو خوش رکھنا چاہیے۔ اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں۔

ازیں بر ملائک شرف داشتند
کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

فرشتوں پر اسی سبب سے اولیائے اللہ سبقت لے جاتے ہیں کہ اپنے کو عظمتِ الٰہیہ کے سامنے کتّوں سے بہتر نہیں جانتے، کہ نہ معلوم کس بات پر پکڑ ہو جائے؟ کیوں کہ بعض اعمال ایسے ہیں جن کو ہم معمولی سمجھ کر بے فکر رہتے ہیں اور وہ اللہ کے نزدیک اشدّ اور سنگین ہوتے ہیں۔

قَالَ تَعَالٰی: وَّتَحۡسَبُوۡنَہٗ ہَیِّنًا ٭ وَّ ہُوَ عِنۡدَ اللّٰہِ عَظِیۡمٌ ﴿۱۵﴾[۱۶۲]

اور تم لوگ اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے، حالاں کہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی۔

## حضرت مرشد پاک تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبدیت اور فنائیت

ہمارے مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ الحمدللہ! میں اپنے کو

---

۱۶۲؎ النور: ۱۵

تمام مسلمانوں سے کمتر سمجھتا ہوں فی الحال اور کافروں سے اپنے کو بدتر سمجھتا ہوں فی المآل۔ یعنی ہر مسلمان کے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ چوں کہ فی الحال ایمان کی نعمت موجود ہے اس لیے ممکن ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی عمل اللہ کے نزدیک ایسا محبوب ہو جو اس کی مقبولیت کا سبب ہو اور میرے ساتھ ممکن ہے کہ کوئی ایسا عمل موجود ہو جو اللہ کے نزدیک میری نامقبولیت کا سبب بن جائے۔ پس اس احتمال کے ہوتے ہوئے ہمیں ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم کسی فاسق اور گناہ گار مسلمان کو حقیر سمجھیں اور اس سے اپنے کو بہتر سمجھیں۔

اسی طرح کافر کے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ فی الحال تو ایمان اس کو حاصل نہیں ہے لیکن ممکن ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو ایمان نصیب ہو جائے اور اعتبار خاتمہ ہی کا ہے، اور ممکن ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے کسی معصیت کی نحوست سے میرا ایمان سلب کر لیا جائے، پس جب تک خاتمہ ایمان پر نہ ہو جائے اس وقت تک ہم کو ہرگز حق نہیں ہے کہ ہم اپنے کو کسی کافر سے افضل سمجھیں اور اس کو حقیر سمجھیں۔ البتہ اس کے کفر سے عداوت رکھنا مطلوب ہے۔

## حضرت بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ عبدیت

حضرت بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ایمان چوں سلامت بہ لبِ گور بریم
احسنت بریں چُستی و چالاکیِ ما

حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ایمان کو سلامتی کے ساتھ قبر میں پہنچائیں گے اس وقت اپنی چُستی و چالاکی پر تعریف کریں گے، اور جب تک زندگی ہے اس وقت تک خطرہ ہے۔ جب تک کشتی طوفان کے تھپیڑوں سے دوچار ہے اس وقت تک مطمئن ہو جانا بے وقوفی ہے۔ عارفین کی شان یہی ہے کہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں۔ یہی ڈرنا ہی ولایت کی نشانی ہے، اگر یہ ڈر نکل گیا تو ولایت بھی ہاتھ سے نکل گئی۔

# تقویٰ شرطِ ولایت ہے

کیوں کہ ایمان اور تقویٰ شرطِ ولایت ہے۔ اولیائے اللہ کی تعریف یہی ہے کہ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ[۱۶۳] ”جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں“ اور حق تعالیٰ اسی کو مقتدا بناتے ہیں جو متقی ہوتا ہے، اسی لیے سورۂ فاتحہ میں جس صراطِ مستقیم کی درخواست ہے اور اس کی منظوری میں ہدایت کی جو کتاب تیس پارے کی نازل فرمائی گئی ہے۔

# هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کے عجیب تفسیری لطائف

## عنوانِ اوّل

ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۛ فِیۡهِ ۚۛ هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ[۱۶۴]

یعنی اس کتاب سے اوّلاً ہدایت اس خاص جماعت کو ہوگی جو علمِ الٰہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تربیت کے لیے پہلے ہی سے منتخب تھی، پھر ان ہی تربیت یافتہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افراد سے تمام انسانوں کی ہدایت کا کام لیا جائے گا۔

کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ
وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ[۱۶۵]

تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو۔

اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ بتارہاہے کہ اس جماعت کے افراد دوسرے انسانوں کی ہدایت کے لیے امام بنائے گئے ہیں اور امام مقتدی سے آگے ہوتا ہے، پس حق تعالیٰ نے هُدًی

---

[۱۶۳] یونس: ۶۳
[۱۶۴] البقرۃ: ۲
[۱۶۵] اٰل عمرٰن: ۱۱۰

لِّلْمُتَّقِيْنَ کو مقدم فرمایا، کہ اوّلاً قرآن سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہدایت ہو گی، پھر اُن کے ذریعے سے تمام انسانوں کو ہدایت ہو گی۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ[۱۶۶]

میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جن کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

دنیا کا یہ قاعدہ مسلّمہ ہے کہ جب کوئی اہم اور عظیم الشان کام کیا جاتا ہے تو اپنے مخصوص اور مخلص دوستوں کو بلا لیتے ہیں اور اس اہم کام کے متعلق مشورہ کرتے ہیں کہ اس کام کو کس طرح پھیلایا جائے، پھر مشورے کے بعد جب طریقۂ کار طے پا لیتا ہے تو ان مخلص دوستوں میں سے ہر ایک کو اس طریقۂ کار کی عملی مشق کرائی جاتی ہے، حتیٰ کہ جب ہر فرد خوب پختہ کار ہو جاتا ہے تو ان ہی پختہ کار دوستوں کے ہر فرد کو اس طریقۂ کار کا امام بنا کر ہر طرف منتشر کر دیا جاتا ہے، تاکہ یہ پختہ کار افراد اپنے اپنے حلقوں میں اس کام کو عام اور تام کریں۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے دینِ اسلام کو سارے عالم میں پھیلانے کے لیے جب اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو علمِ اِلٰہی میں جو افراد اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور مخلص دوست تھے ان کو اس دین کی نصرت اور تبلیغ کے لیے منتخب فرمایا۔ اس انتخاب کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ

یہ ان کے یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اوصافِ مذکورہ، یعنی ابتغائے فضل ورضائے حق کے لیے شدّت علی الکفار، رحمت فیما بینهم، رکوع اور سجود اور ان کے چہروں کے انوار کا بیان توریت میں ہے اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو قوی کیا، پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی، پھر اپنے

---

[۱۶۶] مرقاۃ المفاتیح: ۱۱/۱۶۳، باب مناقب الصحابۃ، کتاب المناقب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

تتنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھی بھلی معلوم ہونے لگی، تاکہ اُن سے کافروں کو جلادے۔ (پ ۲۶، سورۂ حجرات)

کیوں کہ جس قدر کام اہم اور عظیم الشان ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کے لیے چُنے ہوئے مخلص احباب کا انتخاب بھی کیا جاتا ہے، تاکہ اس اہم کام کے لیے اگر سر اندازی اور جانبازی کا بھی موقع آئے تو وہاں ان مخلصین اور محبّین کا اخلاص اور ان کی شدّتِ محبّت ان کو ثابت قدم رکھے، اور غیر مخلص غیر مُحِبّ سے اہم امور میں کام نہیں لیا جاتا ہے، کیوں کہ ان کا عدمِ اخلاص اور ان کی قلّتِ محبت یا عدمِ محبت وقت پڑنے پر راہِ فرار اختیار کر لیتی ہے۔

تو جس وقت یہ کتاب نازل فرمائی گئی اور سارے عالم کی ہدایت کے عظیم الشان کام کی بنیاد ڈالی گئی اس وقت حق تعالیٰ نے اوّلاً اپنے اولیاء یعنی متقین کو منتخب فرمایا اور قرآنی ہدایات پر ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ پاک میں عملی مشق کرائی گئی، حتیٰ کہ یہ اپنے اخلاص اور شدّتِ محبّت کے سبب بڑی ہمت اور بڑے حوصلے کے ساتھ پختہ ہو کر عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ کا خطاب پاگئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے حق تعالیٰ نے سارے عالم کو اعلان فرمادیا کہ اب ہمارے یہ اولیائے محبّین و مخلصین اس اہم کام کی انجام دہی کے لیے خوب پختہ کار ہوگئے ہیں، اب اے ہمارے رسول! آپ اعلان فرمادیجیے کہ

ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللہِ ۜ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ [۱۶۷]

یہ میرا راستہ ہے، جس طرح علیٰ وجہ البصیرت اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اسی طرح میرے یہ احباب (یعنی حضرات اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میری اتباع کی برکت سے پختہ کار ہو کر علیٰ وجہ البصیرت اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان متقین اولیائے اللہ ساتھیوں کو منتشر فرمادیا تاکہ اقصائے عالم میں انوار پھیلائیں۔

۱۶۷ یوسف: ۱۰۸

عام طور پر هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ پر یہ اشکال اور خلجان لوگوں کو ہوا کرتا ہے کہ قرآن جب متقین کو ہدایت کرتا ہے تو ان کو ہدایت حاصل ہی ہے، ہدایت تو غیر متقین کو ہونی چاہیے، اشکال تقریرِ مذکور سے بفضلہٖ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے خوب واضح طور پر حل ہو جاتا ہے۔

## دوسرا عنوان

ایک عنوان اس تقریر کا اور بھی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ کتاب حق تعالیٰ کی طرف سے ایک والانامہ ہے اور والانامہ دوستوں کے پاس بھیجا جاتا ہے دشمنوں کے پاس نہیں بھیجا جاتا، اور متقین بندے اللہ تعالیٰ کے غلام بھی ہیں اور دوست بھی ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب اللہ تعالیٰ کے مخلص اور جاں نثار بندے تھے، پس قرآن کی اوّل ہدایت ان ہی متقین دوستوں کے لیے ہے، اوّل مخاطب قرآنی آیات کے یہی حضرات تھے، پھر ان کی ہدایت کے صدقے میں دوسروں کو ہدایت ہوئی۔

یہ بہت علمی مقام ہے جس میں اکثر اہلِ علم بھی اُلجھ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس مقام کی نہایت آسان تقریر میرے دل میں ڈال دی۔

## تیسرا عنوان

## سورۂ فاتحہ سے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کا عجیب ربط

تیسرا عنوان یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں بندوں کی طرف سے حق تعالیٰ شانہٗ نے ہدایت کی درخواست نازل فرمائی ہے، کیوں کہ بڑے دربار سے جب کوئی چیز ملتی ہے تو کہتے ہیں: درخواست لکھ کر لاؤ، اس وقت کسی واقف کار سے جو اس حاکم کا ادب شناس ہوتا ہے خوشامدیں کرتے ہیں کہ ہماری عرضی کا مضمون لکھ دو۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کی عظمت اور جلالتِ شان کا ادب بندوں کو کہاں سے آسکتا تھا؟ وہاں تک تو ان کی عقل

کی پرواز ہی ناممکن تھی، پس بندوں کی عاجزی دیکھ کر حق تعالیٰ کی رحمت خود وکیل بن گئی اور وہ ذات نعم الوکیل ہے، وہ ہمارے اللہ بھی ہیں اور ہمارے وکیل بھی ہیں۔

چناں چہ سورۂ فاتحہ میں ان کی رحمت نے اپنی کبریائی اور عظمت کے شایانِ شان ہدایت کی درخواست نازل فرمائی اور اس درخواست کی منظوری میں تیس پارے نازل فرمائے، جس کی ابتدا الٓمّٓ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ سے ہے اور درخواستِ ہدایت ہی میں یہ سبق بتادیا گیا تھا کہ صراطِ مستقیم یعنی سیدھا راستہ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ہے، یعنی انعام والوں کا راستہ ہے، اور چوں کہ لفظِ انعام سے اندیشہ تھا کہ یہود و نصاریٰ دنیا کی آرایش و زیبایش کو دکھا کر اپنے کو انعام والوں میں ہونے کا دعویٰ کرکے فریب دینے لگیں اس لیے حق تعالیٰ نے غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ فرما کر یہود کو اور وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ فرما کر نصاریٰ کو انعام والوں سے الگ فرمادیا، اور انعام والوں کے انعامات کی تصریح فرمادی کہ انعام سے مراد انعام نبوّت و صدیقیت و شہادت و صالحیت ہے۔

الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ
وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ

اب ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کا اس عنوان سے یہ ربط ہوا کہ درخواستِ ہدایت میں چوں کہ سیدھا راستہ انعام والوں کا راستہ بتایا گیا ہے، اس لیے اس درخواست کی منظوری میں جو کتاب نازل کی جارہی ہے اس میں سب سے پہلے انعام والوں ہی کا ذکر کیا جارہا ہے۔

چناں چہ مُتَّقِیۡنَ کا لفظ ایسا جامع اختیار فرمایا گیا جو انعام والوں کے ہر فرد پر صادق آتا ہے۔ تقویٰ کا وصف سب پر مشترک ہے، قرآن سے سیّد المتقین کو بھی ہدایت ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرماتے ہیں:

وَ وَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ۪﴿۷﴾

اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتلادیا۔

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''موضح القرآن'' میں اس آیت کی

تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہوئے قوم کی راہ ورسم سے بے زار تھے اور اپنے پاس کوئی رسم وراہ نہ تھی، اللہ نے دینِ حق نازل کیا۔“

پس هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ فرما کر یہ بتا دیا گیا کہ جن انعام والے بندوں کی راہ تم نے سورۂ فاتحہ میں طلب کی ہے وہ یہی متقین بندے ہیں جن کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں، جن کی صفات و علامات یہ ہیں کہ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (الیٰ) وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۵﴾ ”وہ چھپی ہوئی چیزوں پر یقین لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جا چکی ہیں، اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔ بس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔“

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ[۱۶۸] فرما کر بتا دیا کہ یہی ہمارے منعَم علیہم بندے ہیں جو اپنے رب کی ہدایت پر خود بھی چلنے والے ہیں اور ان ہی کے پیچھے اگر تم بھی سیدھ باندھ لو تو تم کو بھی صراطِ مستقیم پر چلنا نصیب ہو جائے گا۔

الحمد للہ! کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کا سورۂ فاتحہ سے عجیب و غریب ربط میرے اللہ نے میری زبان سے بیان کرا دیا اور کئی عنوان سے اس کی تقریر ہو گئی، اور یہ سب ہمارے حضرت مرشد پاک تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل
میرے مولیٰ یہ تیری مہربانی

عارفین کی عبدیت اور ان کی فنائیت کا مضمون چل رہا تھا کہ جو جتنا اللہ کو پہچانتا ہے اسی قدر وہ عظمتِ الٰہیہ کے استحضار سے اپنے کو حقیر اور کمتر بلکہ ارذل الخلائق دیکھتا ہے، اور یہی درجہ تصدیق کا ہے۔

---

۱۶۸؂ البقرۃ:۵

اپنے کو حقیر سمجھنا درجۂ تصور میں ناکافی ہے فنائیت درجۂ تصدیق میں مطلوب ہے

غیر عارف کا اپنے کو حقیر سمجھنا درجۂ تصور میں ہوتا ہے، لیکن اس میں نفس کی چال بھی شامل ہوتی ہے، یعنی غیر عارف اپنے دل میں یہ کہتا ہے کہ دراصل میرے اندر تو اوصافِ حمیدہ ہیں لیکن چوں کہ حکم ہے کہ اپنے کو سب سے کمتر سمجھو اور کسی کو حقیر نہ جانو اس لیے اپنے کو سب سے کمتر سمجھتا ہوں، تو یہ سمجھنا تصور کا درجہ ہے، اور محض تصورات غیر مفید ہوتے ہیں۔ اور عارف کی شان تصورات سے بالاتر ہوتی ہے، اس کو معرفتِ عظمتِ الٰہیہ کے سبب اپنی عبودیت اور کمتریت کا یقین نصیب ہوتا ہے اور اذعانِ نسبت ہی کا نام تصدیق ہے، اور اہلِ فن اس امر سے واقف ہیں کہ مقصود تصدیقات ہوتے ہیں، تصورات ذریعۂ مقصود ہوتے ہیں۔

## اعمالِ حسنہ کرکے ڈرتے رہنے پر ایک آیت سے استدلال

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ جو آیت ہے:

يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ[۱۶۹]

یعنی دیتے ہیں جو دیتے ہیں اور ان کے دل خوف زدہ ہیں۔

(یہ تمام افعال کو عام ہے، کیوں کہ سب میں ان کو عدم سے ہستی میں لانا ہے اور وجود دینا ہے) کیا مراد اس سے وہ شخص ہے جو چوری اور زنا کرے، (کیوں کہ خوف تو ان ہی افعال کے بعد ہوتا ہے) آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ مراد وہ شخص ہے جو روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور صدقہ دے اور پھر ڈرے کہ اسے قبول نہ کیا جاوے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت سے امید نہ رکھے، اور خوف کو غالب رکھا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعمال پر اعتماد نہ کرنا چاہیے اور اچھے اعمال کرکے غرور و ناز میں مبتلا نہ ہو، پس آیت وَ الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ

۱۶۹؎ المؤمنون: ۶۰

وَجِلَةٌ میں حق تعالیٰ نے ہدایتِ کاملہ کی تعلیم فرمادی کہ اعمال کرکے بے خوف نہ ہونا چاہیے، اور اس آیت میں ان بندوں کی تعریف فرمائی گئی ہے جو اچھے اعمال کرکے خوف زدہ رہیں۔ حق تعالیٰ کا راستہ تذلّل اور خواری اور غلامی کا ہے، ناز وپندار اور عُجب اور تکبّر شیطان کا راستہ ہے۔ طریق کا حاصل یہی ہے کہ کرتا رہے اور ڈرتا رہے، مرتے دم تک یہ دونوں کام جاری رہیں۔

دریں راہِ حق عجز و مسکینیت
بہ از طاعت و خویشتن بینیت

حق تعالیٰ کے راستے میں عاجزی اور مسکنت اس طاعت سے بہتر ہے جو خود بینی کے ساتھ ہو۔ اسی کو ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

ناز تقویٰ سے تو اچھی ہے نیازِ رندی
جاہِ زاہد سے تو اچھی ہے مِری رُسوائی
اے جلیل اشکِ گناہ گار کے اک قطرہ کو
ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

## حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد

حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی معرفت کی بات ارشاد فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کے دربار میں ایک چیز نہیں ہے اور جس دربار میں جو چیز نہیں ہوتی اس کی بڑی قدر ہوتی ہے، وہ چیز کیا ہے؟ بندوں کی گریہ وزاری اور ان کی ندامت وخواری، اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان چیزوں کی بڑی قدر ہوتی ہے۔ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کہ برابر می کند شاہِ مجید
اشک را در وزن باخونِ شہید

کہ وہ شاہِ مجید برابر رکھتا ہے اشک گریہ کو وزن میں خون شہید کے ساتھ۔

نالۂ مؤمن ہمی داریم دوست
گو تضرع کن کہ ایں اعزازِ اوست

ہم مؤمن کے نالہ کو دوست رکھتے ہیں، مؤمن سے کہو کہ تضرع کرتا رہے کیوں کہ یہ اس کا اعزاز ہے۔

## دُعا کی قبولیت میں تاخیر کی ایک حکمت

مولانا فرماتے ہیں کہ بہت سے مخلص جو کہ دعا میں نالہ کرتے ہیں اور ان کے اخلاص کا دھواں یعنی اُن کے آہ و نالے آسمان تک پہنچتے ہیں، یہاں تک کہ اس سقفِ عالی کے اوپر تک یعنی عرش تک نالۂ گناہ گاراں کی خوشبو جاتی ہے، مگر اس کی اجابت اور قبولیت میں دیر ہوتی ہے، اس تاخیر کو دیکھ کر ملائکہ خدا تعالیٰ سے زار زار نالہ کرتے ہیں کہ اے اجابت کرنے والے ہر دعا کے! اور اے وہ ذات پاک جس کی پناہ طلب کی جاتی ہے! یہ بندۂ مؤمن تضرع کر رہا ہے اور وہ بجز آپ کے کسی کو تکیہ گاہ نہیں جانتا ہے، آپ تو بے گانوں کو یعنی کفار کو عطا کرتے ہیں، آپ سے ہر خواہش مند آرزو رکھتا ہے اور باوجود اس کے اس کی عرض اور درخواست قبول فرمانے میں اس قدر توقف ہوا، اس میں کیا مصلحت ہے؟

## مؤمن کے لیے تاخیرِ قبولیّت دُعا کا عین عطا ہونا

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تاخیرِ قبولیت اس کی بے قدری کے سبب نہیں ہے، بلکہ عین یہی تاخیرِ عطا اس کی امداد اور عطا ہے، کیوں کہ ہم مؤمن کے نالہ کو دوست رکھتے ہیں۔ اس مؤمن سے کہو کہ تضرّع کرتا رہے، یہی اس کا اعزاز ہے۔ جو حاجت اس کو غفلت سے میری طرف لائی ہے، جس حاجت نے موکشاں میرے کوچہ میں اس کو پہنچایا ہے اگر میں اس حاجت کو پوری کردوں تو وہ میرے کوچہ سے پھر غفلت کی طرف واپس چلا جاوے گا۔ اگرچہ یہ دعا میں سو جان سے نالہ کر رہا ہے اور دعا کی حالت میں اس کا سینہ خستہ اور دل شکستہ ہے، اور نالہ و فریاد کا مقتضٰی یہ تھا کہ اس کی حاجت جلدی پوری

کر دی جاتی، لیکن توقف اس لیے ہے کہ مجھ کو اس کی آواز بھلی معلوم ہوتی ہے اور دعا میں اس کا اے اللہ اے اللہ کہنا اور اس کا یہ راز و نیاز اور یہ امر کہ وہ تملّق اور ماجرا میں ہر ہر طرح سے مجھ کو بُھسلاتا ہے، یہ سب مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے۔

پھر مولانا اس کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ طوطیوں اور بلبلوں کو پسندیدگی کی وجہ سے خوش آوازی کے سبب قفس میں بند کر دیتے ہیں اور کوّے یا اُلّو کو قفس میں نہیں بند کرتے، کیوں کہ ان کی آواز کانوں کو تکلیف دیتی ہے۔

## دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت کس اعتبار سے ہے؟

یہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اس لیے ہے کہ اس کی حاجات کم پوری ہوتی ہیں جس سے وہ تنگ رہتا ہے اور اصلی سبب نہیں جانتا، جس طرح طوطی اور بلبل کے لیے قفس تجویز کیا جاتا ہے اور وہ تنگ ہوتی ہے، اور کافروں کے لیے یہ دنیا جنت ہے، کیوں کہ ان کی اکثر حاجتیں پوری کر دی جاتی ہیں۔

**فائدہ:** تاخیرِ اجابت کی علت یا حکمت کا اسی میں انحصار مقصود نہیں، بلکہ من جملہ دیگر اسباب کے ایک یہ بھی ہے، چوں کہ یہ مشہور نہ تھی اس لیے اس پر تنبیہ مناسب ہوئی اور حدیث: اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ[۷۰] کی ایک توجیہ یہ بھی ہے۔ یہاں بھی اس میں انحصار نہیں، اور توجیہات بھی مشہور ہیں، مثلاً یہ کہ مؤمن کو جو نعمتیں جنت میں ملنے والی ہیں دنیا میں کیسی ہی خوش عیشی ہو مگر اس کے اعتبار سے قید خانہ ہے، وعلیٰ ہذا القیاس کافر کی عقوبت کے اعتبار سے دنیا کی مصیبت بھی جنت ہے۔ اور مثلاً یہ کہ مؤمن کا دنیا میں مثل قید خانے کے دل نہیں لگتا ہے اور کافر کا دنیا میں خوب جی لگتا ہے، وَبِھٰذَا الْاَخِیْرِ یَشْھَدُ ذَوْقِیْ اور یہ آخری توجیہ میرے جی کو زیادہ لگتی ہے۔

(کلیدِ مثنوی، دفتر ششم: ۴۲۹)

دوسری جگہ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کے

---

[۷۰] جامع الترمذی: ۵۸/۲، باب ما جاء ان الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر، ایچ ایم سعید

بندے اپنے گناہوں کو یاد کرکے اور قیامت کے دن پیش ہونے کا خیال کرکے رو پڑتے ہیں تو گناہ گاروں کی آوازِ گریہ سے عرش کانپنے لگتا ہے۔

## نالۂ گناہ گاراں کا اثر

چوں بر آرند از پشیمانی حنیں
عرش لرزد از انین المذنبیں
آنچناں لرزد کہ مادر بر ولد
دست شاں گیرد ببالا می کشد

(عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ)

جب یہ لوگ ندامت و توبہ کے سبب آوازِ نالہ نکالتے ہیں تو عرش کانپنے لگتا ہے گناہ گاروں کی آوازِ گریہ سے، اور ایسا کانپتا ہے جیسے ماں اپنے بچے پر کانپ اُٹھتی ہے جب وہ روتا ہے، پس عرش اس وقت اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور اوپر کھینچ لیتا ہے جیسے ماں بچے کو گود میں لے لیتی ہے، اور عرش ان سے کہتا ہے کہ اے لوگو! تم کو خدا تعالیٰ نے دنیا اور شیطان کے دھوکے سے چھڑا دیا۔

## حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دعا برائے طلبِ گریہ وزاری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ عَیْنَیْنِ ھَطَّالَتَیْنِ تَسْقِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ مِنْ خَشْیَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّالْاَضْرَاسُ جَمْرًا[۱۷۱]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! مجھے ایسی آنکھیں برسنے والی عطا فرما دیجیے جو آپ کے خوف سے اپنے آنسو برسا کر میرے دل کو سیراب کریں

---

۱۷۱؎ کنز العمال: ۲/۱۸۴ (۳۶۶۱)، باب فی جوامع الادعیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

قبل اس کے کہ آنسو خون ہو جائیں اور داڑھیں انگارے ہو جائیں۔اور آنکھیں کب روتی ہیں؟جب دل روتا ہے تب محبت میں شدّت آتی ہے۔

حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عاشقی پیداست از زاریٔ دل
نیست بیماری چو بیماریٔ دل

اے دریغا اشکِ من دریا بُدے
تا نثارِ دلبرِ زیبا شدے

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم

(عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ)

۱) ”عاشقی ظاہر ہوتی ہے زاریٔ دل سے اور دل کی بیماریٔ عشق جیسی کوئی بیماری نہیں ہے۔“

۲) ”اے کاش!میرے آنسو دریا ہو جاتے،تا کہ اس دلبر زیبا پر نثار ہوتے۔“

۳) ”نعرۂ مستانہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے،اے محبوب!تا ابد میں اسی طرح چاہتا ہوں۔“

ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

سَهْرُ الْعُيُوْنِ لِغَيْرِ وَجْهِكَ ضَائِعٌ
وَبُكَاءُهُنَّ بِغَيْرِ فَقْدِكَ بَاطِلٌ

غیرِ حق کے لیے آنکھوں کا بیدار رہنا بے کار اور لغو ہے،اصلی جاگنا تو وہ ہے کہ آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھتا رہے،اور اسی طرح غیرِ حق کے لیے رونا باطل ہے،اصلی رونا تو وہ رونا ہے جو آپ کی جدائی کے غم سے رویا جائے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎

مردم ازیں الم کہ نہ مردم برائے تو
اے خاک برسرم کہ نشد خاک پائے تو

من کیستم کہ بہرِ تو جاں را فدا کنم
اے صد ہزار جانِ مقدّس فدائے تو
غم نیست گر ز مہرِ تو دل پارہ پارہ شد
اے کاش ذرّہ ذرّہ شود در ہوائے تو
می خواہم از خدا بدعا صد ہزار جاں
تاصد ہزار بار بمیرم برائے تو

۱) ”میں اس غم سے مُردہ ہوں کہ آپ کے لیے کیوں نہ قربان ہوا، اور خاک پڑے میرے سر پر کہ یہ سر آپ کا خاکِ پانہ ہوا۔“

۲) ”میں کیا حیثیت رکھتا ہوں کہ آپ پر فدا ہوں، آپ کی ذاتِ پاک پر تو لاکھوں مقدس جانیں قربان ہیں۔“

۳) ”وہ غم، غم کہلانے کا مستحق نہیں جب تک آپ کی محبت سے دل پارہ پارہ نہ ہو، اے کاش! دل آپ کی محبت میں ذرّہ ذرّہ ہو جائے۔“

۴) ”میں خدا تعالیٰ سے صد ہزار جان دعا میں مانگتا ہوں، تاکہ صد ہزار بار آپ کی رضا کے لیے قربان ہوں۔“

درحقیقت محبت کے لائق صرف حق تعالیٰ ہی کی ذات ہے، کیوں کہ صرف ان ہی کی ایک ایسی ذات ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

## فانی سے محبت کا انجام

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **اَحۡبِبۡ مَنۡ شِئۡتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ**[۱۷۲] حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”تم جس سے چاہو محبت کرو، پس تحقیق کہ تم اس سے جدا ہونے والے ہو۔“ یا تم پہلے چل بسو گے یا وہ پہلے چل بسے گا۔

---

۱۷۲؎ شعب الایمان للبیہقی: ۱۳/۱۲۶، باب فی الزھد و قصر الأمل، مکتبة الرشد

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

دین بڑی لذیذ نعمت ہے، تجربہ کر کے کوئی دیکھ لے۔ ''لذتِ ایں می نہ شناسی بخدا تا نہ چشی'' اس شہادت کی لذت نہیں پہچان سکتے ہو بخدا! جب تک اُسے تم چکھ نہ لو۔ دنیا ہی میں جنت کا لطف شروع ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس بندے سے خوش ہوتے ہیں تو اُس بندے کو بھی خوش فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا مندی تو حاصل ہی ہوتی ہے لیکن تم بھی خوش ہو جاؤ گے۔ میاں جس سے راضی ہوتے ہیں تو اس کو بھی خوش کر دیتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ ''اللہ ان سے یعنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راضی ہو گیا اور یہ لوگ بھی اللہ سے راضی ہیں۔''

## اہل اللہ فاقے اور پیوندی لباس میں بھی خوش اور مطمئن رہتے ہیں

ظاہری تکلیف بھی سہی، فاقہ اور پیوندی لباس بھی سہی، لیکن دل ان کا مطمئن ہے۔ کس سبب سے مطمئن ہے؟ ذکر اللہ کی غذائے روحانی سے مطمئن ہے۔ حق تعالیٰ کی محبت سے ان کی سمجھ نورانی ہوتی ہے۔ یہ دل کو سمجھا لیتے ہیں کہ میرا پیدا کرنے والا مجھے اسی حال میں رکھنا پسند کرتا ہے اور اسی میں میرا نفع ہے، کیوں کہ وہ ہمارے پالنے والے ہیں، وہ ربّ العالمین ہیں تو رحمٰن و رحیم بھی ہیں، بڑی رحمت سے پرورش فرماتے ہیں اور وہ حکیمِ مطلق بھی ہیں، جو خواہشات ہمارے لیے مضر ہیں خواہ ضررِ دنیوی کے اعتبار سے یا ضررِ اخروی کے اعتبار سے، ان کی حکمت اور رحمت ان خواہشات کے اسباب سے ہم کو دور رکھتی ہے۔ اگر دنیا کا کوئی کافر ڈاکٹر بھی ہمیں مشورہ دیتا ہے کہ تمہارے لیے مثلاً تین وقت کا فاقہ ضروری ہے، ورنہ سخت ضرر کا اندیشہ ہے، ہم بے چون و چرا خوشی خوشی فاقے کر لیتے ہیں، اس معالج سے غلطی کا بھی احتمال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات تو پاک ہے، حق تعالیٰ کا ہر تصرف بندوں کے ساتھ عینِ حکمت

ہے، اور یہ حکمت عینِ رحمت ہے، اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ ہر حال میں خوش رکھتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ راضی ہوجاتے ہیں تو ان کی رضا کا پر تو اس مقبول بندے کے قلب پر پڑتا ہے، جس کے فیض سے یہ بھی ہر وقت خوش رہتا ہے۔

## مقبول بندوں کو انتقال کے وقت حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت

اور جب اس مقبول بندے کا چل چلاؤ کا وقت ہوتا ہے تو ارشاد فرماتے ہیں:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ [۳۷۷]

”اے اطمینان والی رُوح!“سبحان اللہ! اس خطاب میں حق تعالیٰ نے بتادیا کہ میرے اس مقبول بندے کو میری یاد کی برکت سے دنیا ہی میں اطمینان حاصل تھا ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ تو اپنے پروردگار کی طرف چل۔ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً اس طرح سے کہ تو اللہ سے خوش اور اللہ تجھ سے خوش ہے۔

رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ میں تو اپنی خوشی کو مقدّم فرمایا تھا اور اب چل چلاؤ کا وقت ہے تو بندے کی خوشی کو مقدم فرمایا ہے، جس میں یہ لطیف اشارہ بتادیا کہ اب تک تو میری مرضیات کا تابع تھا اور اپنی خوشی کو میری خوشی پر قربان کرتا تھا، اب عالم بدل رہا ہے، اب صرف تیری خوشی رہے گی، اب تجھے اتنا دوں گا کہ تیری خوشی تھک جائے گی اور میری عطا دینے سے نہ تھکے گی۔ چناں چہ جنت میں مؤمن کی ہر خواہش پوری ہوگی۔

فائدہ: اُن آیتوں کی یہ تفسیر نہیں ہے، کیوں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ”بیان القرآن“میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا، جیسا کہ قرینۂ مقام بتاتا ہے، البتہ بعض روایات میں آیا ہے کہ مرنے کے وقت مؤمن سے یہ کہا جاتا ہے، لیکن ان روایات میں نہ تو تفسیر اس آیت کی مقصود ہے اور نہ وقتِ موت کی تخصیص، پس یہاں جو مضمون ان آیتوں سے متعلق ہے وہ حدیثوں سے ماخوذ ہے۔

---

[۳۷۷] الفجر: ۲۷

## ہر بندے کے ساتھ حق تعالیٰ کا الگ معاملہ ہے

دنیا میں بندے ہر طرح کے ہیں، کوئی راحت میں ہے، کوئی تکلیف میں ہے۔ ہر بندے کے ساتھ حق تعالیٰ کا معاملہ الگ ہے۔ ہر ایک کے ساتھ تربیت کا جداگانہ تعلق ہے۔ جس طرح شفاخانے میں بہت سے مریض آتے ہیں، مگر ہر مریض کا نسخہ الگ ہوتا ہے، کسی کے لیے کوئی دوا، کسی کے لیے کوئی دوا۔

بگوشِ گل چہ سخن گفتۂ کہ خندان است
بہ عندلیب چہ فرمودۂ کہ نالان است

آپ نے پھول کے کان میں کیا کہہ دیا ہے کہ وہ خنداں ہے، اور آپ نے بلبل سے کیا بات فرمادی ہے کہ وہ نالاں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ظلم سے پاک ہے، جس کے ساتھ جو معاملہ ہے وہی عینِ رحمت ہے اور وہی عینِ حکمت ہے، خواہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، جس طرح دنیا میں معالج کی تجویز کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں۔

## عالَمِ حادث عالَمِ غیب کا نمونہ ہے

پس اس عالم کے اندر جو بھی نمونے حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں وہ سب عالمِ غیب کے کارخانے کے پرتو ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ عالمِ شہادت یعنی دنیا عالمِ غیب کا نمونہ ہے۔ حق تعالیٰ کے تصرّفات سے راضی رہنا ہی عینِ عقل ہے اور یہی عینِ عبدیت ہے۔ عارفین کے اندر رضا بالقضاء، تفویض اور تسلیم کی شان غالب ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایسے موقع پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

یہ کس کا حوصلہ ہے کہ باغباں سے دریافت کرے کہ بلبل نے کیا کہا، پھول نے کیا سنا اور صبا نے کیا کیا۔

## بندوں کا کام بندگی ہے، چون وچرا نہیں

دنیا میں ہم چون وچرا کے لیے پیدا نہیں فرمائے گئے، ہم بندے ہیں اور بندگی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ یہ تمام اشکالات واعتراضات اسی وقت تک ہیں جب تک محبت نہیں پیدا ہوتی، ورنہ محبت تو ذکرِ محبوب سے فرصت ہی نہیں دیتی۔ عاشق کی شان تو یہ ہوتی ہے ؎

ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
اِلّا حدیثِ یار کہ تکرار می کنیم

جو کچھ ہم نے پڑھا تھا سب فراموش کر بیٹھے، مگر اب محبوب کا ذکر ہے اور اسی کا تکرار کرتا ہوں۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اب بھی مجذوب جو محروم پذیرائی ہے
کیا جنوں میں ابھی آمیزشِ دانائی ہے

حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ عجیب شانِ وجد سے فرمایا کرتے تھے ؎

ماقصّۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجُز حکایتِ مہر و وفا مپرس

ہم نے سکندر اور دارا کا قصہ نہیں پڑھا ہے، ہم سے بجز مہر ووفا کی حکایت کے کچھ نہ پوچھو۔

## مجنوں کی حکایت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مجنوں کی ایک حکایت لکھی ہے۔ ایک شخص نے دریا کے کنارے مجنوں کو دیکھا کہ ریت پر اپنی انگلی سے کچھ لکھ رہا ہے، اس نے دریافت کیا کہ اے مجنوں! کیا لکھ رہے ہو؟ ؎

گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں
می نویسی نامہ بہرِ کیست ایں

اے مجنونِ شیدا! یہ کیا کر رہے ہو، کس کے لیے یہ خط لکھ رہے ہو؟

مجنوں نے جواب دیا۔

گفت مشقِ نامِ لیلیٰ می کُنم
خاطرِ خود را تسلّی می دہم

"مجنوں نے جواب دیا کہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اور اسی طرح سے اپنے دل کو تسلّی دیتا ہوں۔"

جب ایک مُردار کی محبت میں یہ حال ہو جاتا ہے تو۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہرِ او اَولیٰ بود

عشقِ مولیٰ لیلیٰ سے کب کم ہو سکتا ہے؟ ان کے لیے گیند بن جانا اَولیٰ ہے، یعنی جس طرح گیند لوگوں کے پیروں سے ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے اسی طرح حق تعالیٰ کی محبت میں در بدر پھرنا زیادہ اَولیٰ ہے۔

## حق تعالیٰ کی محبت میں عجیب لذّت ہے

حق تعالیٰ کی محبت میں عجیب لذّت ہے، دنیا میں اس لذّت کے مقابلے میں کوئی لذت نہیں ہے۔ یہی لذّت عارفین کو سارے جہاں سے بے پرواہ کر دیتی ہے، لیکن اس بے پرواہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ لوگوں کے ساتھ اخلاق میں بے پرواہی برتتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قلب میں کسی مخلوق سے حرص اور طمع کا تعلق نہیں ہوتا۔

موحّد چہ برپائے ریزی زرش
چہ فولاد ہندی نہد برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس
ہمیں است بنیادِ توحید و بس

توحید جس کے قلب میں راسخ ہو جاتی ہے تو اس کے پاؤں پر خواہ تو سونے کا ڈھیر رکھ دے یا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھ دے لیکن وہ سونے کی طمع سے یا ہندی تلوار کے خوف سے توحید سے ہٹ نہیں سکتا۔ توحید کی قوّت کے فیض سے موحّد کو نہ کسی سے امید ہوتی ہے، نہ کسی سے ہراس ہوتا ہے اور اسی پر توحید کی بنیاد ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ جب رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو وہی گدڑی والا بزبانِ حال یہ کہتا ہے ؎

رُخِ زرّین من منگر کہ پائے آہنی دارم
چہ می دانی کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم

اے شخص! میرے زرد چہرے کو مت دیکھ، کیوں کہ میں آہنی پیر رکھتا ہوں۔ اے مخاطب! تجھ کو کیا معلوم کہ میں اپنے باطن میں کس شہنشاہِ حقیقی کو ہمنشین رکھتا ہوں۔

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

رُوبہے کہ ہست او را شیر پشت
بشکند کلّہ پلنگا را بمشت

جس لومڑی کو شیر کا سہارا نصیب ہو گیا تو وہ چیتے کا کلّہ ایک گھونسے سے پھاڑ دیتی ہے۔

پس یہی بندۂ ضعیف اور عاجز جب اپنے باطن میں حق تعالیٰ شانہٗ سے رابطہ قائم کرلیتا ہے تو اس کی ہمت اور اس کا حوصلہ عام انسانوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اسی روحانی قوت کے متعلق مولانا فرماتے ہیں کہ اہل اللہ بظاہر تو شکستہ حال ہوتے ہیں، لیکن ؎

ضعفِ قلب از تن بود در رُوح نَے
ضعف در کشتی بود در نوح نَے

یہ ضعف صرف ان کے جسم میں ہوتا ہے، ان کی روح میں ضعف نہیں ہے، ضعف صرف کشتی میں ہے حضرت نوح علیہ السلام میں نہیں ہے۔

یہی باطنی قوّت جو فیضِ توحید سے عطا ہوتی ہے اللہ والوں کو ماسوا اللہ سے مستغنی رکھتی ہے۔

## حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت غوث بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب شاہِ سنجر نے خط لکھا کہ حضرت! آپ کی خانقاہ کا بڑا خرچ ہے، اگر اجازت ہو تو میں آپ کے لیے ملک نیمروز وقف کردوں؟ تو کس استغنا کے ساتھ دو شعر لکھ کر بھیج دیے۔

چوں چترِ سنجری رُخِ بختم سیاہ باد
گر در دلم بود ہوس ملکِ سنجرم
آنگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
من مُلکِ نیمروز بیک جو نمی خرم

مثل شاہ سنجر کے چتر کے میرا نصیبہ سیاہ ہوجائے اگر میرے دل میں مُلکِ سنجر کی ہوس داخل ہو، جس وقت سے کہ میں نے آدھی رات کی سلطنت کی خبر پالی ہے میں ملکِ نیمروز کو ایک جَو کے عوض میں نہیں خرید سکتا۔ اللہ والوں کی شکستہ حالی کا سبب اللہ کی محبت ہے۔

## عشق سب آرائش وزیبایش کو ختم کردیتا ہے

یہ محبت کے لوازم سے ہے، جب دل میں عشقِ حق آتا ہے تو بدن کی آرایش اور زیبایش کی فرصت نہیں دیتا۔

سِہ نشانی عاشقاں را اے پسر
آہِ سرد و روئے زرد و چشمِ تر

عاشقوں کی تین نشانیاں ہیں: آہِ سرد، چہرۂ زرد اور چشمِ تر۔

## حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تین شعر

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؎

رُخ سے کاکل ہٹادیا کس نے
رات کو دن بنا دیا کس نے
حُسنِ لیلیٰ دکھا کے اے امدادؔ
مجھ کو مجنوں بنادیا کس نے

اور فرماتے ہیں؎

بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہنچے وہاں
گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

حق تعالیٰ کی عظمت کا استحضار اللہ والوں کو مٹا دیتا ہے۔

## حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فنائیت اور عبدیتِ کاملہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اگر تمہیں یہ دیکھنا منظور ہو کہ مُردہ زمین پر چل رہا ہے تو میرے ابو بکر صدیق کو دیکھو۔'' اللہ اکبر! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق کس قدر بلند عبدیت کی خوش خبری فرمائی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا کس درجے قوی استحضار حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب تھا کہ جس نے اپنے آپ کو اپنی ہستی سے اس درجے بے خبر کر دیا تھا، یعنی جس طرح مردہ بدستِ زندہ کا حال ہوتا ہے اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تفویض اور تسلیم کا حال غالب ہو کر مقام بن گیا تھا۔

## حضرت عزرائیل علیہ السلام پر غلبۂ عظمتِ الٰہیہ کا اثر

''تفسیرِ خازن'' میں لکھا ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام پر جب حق تعالیٰ

شانہٗ کی عظمت و جلالت کا ظہور ہوتا ہے تو سکڑ کر مثل چڑیا گوریا ہو جاتے ہیں۔

## حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحَدِّثُنَا وَنُحَدِّثُہٗ فَاِذَا حَضَرَتْہُ الصَّلٰوۃُ کَاَنَّہٗ لَمْ یَعْرِفْنَا وَلَمْ نَعْرِفْہُ[۱۷۴]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کرتے، مگر جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ کی یہ حالت ہو جاتی کہ گویا نہ آپ ہم کو پہچانتے ہیں اور نہ ہم آپ کو پہچانتے ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ

وَاِذَا سَمِعَ الْاَذَانَ کَاَنَّہٗ لَا یَعْرِفُ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ[۱۷۵]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اذان سنتے تو آپ کی یہ حالت ہو جاتی کہ گویا آپ کسی کو بھی نہیں پہچانتے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص اوقاتِ قرب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرب کے بعض اوقات ایسے گزرتے تھے کہ آپ بجز ذاتِ حق کے کسی کو نہ پہچان سکتے تھے۔

## حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

چناں چہ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ اس وقت حق تعالیٰ کی معیت اور قرب کی تجلّیات میں محو

---

۱۷۴ المغنی عن حمل الاسفار للعراقی: ۱/۱۵۰ (۳۹۹)

۱۷۵ احادیث الاحیاء للسبکی: ۱/۵

تھے، غلبۂ حضور مع الحق کا یہ عالم تھا کہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہچان نہ سکے اور دریافت فرمایا کہ مَنْ اَنْتِ تو کون ہے؟ عرض کیا: اَنَا عَائِشَۃُ میں عائشہ ہوں، پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پہچانا لہٰذا پھر دریافت کیا کہ مَنْ عَائِشَۃُ عائشہ کون؟ عرض کیا: بِنْتُ اَبِیْ بَکْرٍ ابوبکر کی بیٹی، پھر بھی آپ کو اس حالت سے افاقہ نہ ہوا، دریافت فرمایا کہ مَنْ اَبُوْبَکْرٍ ابوبکر کون ہیں؟ عرض کیا: اِبْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ ابو قحافہ کے بیٹے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ مَنْ اَبُوْقُحَافَۃَ ابو قحافہ کون؟ تب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر دہشت اور خوف کا غلبہ ہوا اور چپکے سے واپس ہو گئیں۔

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت سے افاقہ ہوا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سب ماجرا کہہ سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! میرے اور میرے اللہ کے درمیان ایک مخصوص وقت ہوتا ہے، اس وقت میں مجھے ایسا قرب نصیب ہوتا ہے کہ اس مقامِ قرب میں نہ تو کسی نبیٔ مرسل کی رسائی ہو سکتی ہے اور نہ کسی مقرب فرشتے کی[۱۷۶]۔

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں
کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

## حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی حالتِ خشیت نماز میں

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے

---

۱۷۶؎ قال الملا علی القاری فی الأسرار المرفوعة ۲۹۱/۱ (۳۹۲)، المکتب الاسلامی، حدیث: لی مع اللہ وقت لا یسع فیه ملك مقرب ولا نبی مرسل یذکره الصوفیة کثیرا وهو رسالة فی القشیری لکن بلفظ: لی وقت لا یسعنی فیه غیر ربی قلت: ویؤخذ منه أنه أراد بالملك المقرب جبریل وبالنبی المرسل نفسه الجلیل وفیه ایماء الی مقام الاستغراق باللقاء المعبر عنه بالسکر والمحو والفناء وقال فی المصنوع: ۱۵۱ (۲۵۹)، مکتبة المطبوعات الاسلامیة حدیث: لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب ولا نبی مرسل من کلام بعض الصوفیة ولیس بحدیث۔

تو استحضارِ عظمتِ حق سے آپ کے قلب سے ایسی آواز آتی تھی جیسے کوئی ہانڈی جوش کررہی ہو۔

یُسۡمَعُ لِصَدۡرِہٖ اَزِیۡزٌ کَاَزِیۡزِ الۡمِرۡجَلِ[۱۷۷]

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبدیّت

اس درجۂ قرب اور رفعتِ شانِ رسالت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبدیت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت استغفار فرمایا کرتے تھے، ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلۡبِیۡ فَاَسۡتَغۡفِرُ اللہَ فِی الۡیَوۡمِ وَاللَّیۡلَۃِ سَبۡعِیۡنَ مَرَّۃً[۱۷۸]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے قلب پر بھی غبار چھا جاتا ہے، سو شب وروز میں سترّ بار استغفار کرتا ہوں۔

ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ منتہی پر بھی تغیرات طاری ہوتے ہیں جو اس کی شان کے مناسب ہوتے ہیں، اسی تغیّرِ احوال کی وجہ سے ایک بار حضرت حنظلہ اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے اوپر نفاق کا شبہ ہوگیا اور دونوں حضرات گھبرائے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! جب ہم لوگ آپ کی مجلس میں ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا جنت اور جہنم ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور جب ہم اپنے بال بچوں میں مشغول ہوجاتے ہیں تو ایمان کی وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہی حالت باقی رہے جو ہمارے پاس رہتی ہے تو ملائکہ تم لوگوں سے مصافحہ کرنے لگیں تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں پر، لیکن سَاعَۃً کَذَا وَسَاعَۃً کَذَا یعنی کبھی یہ حالت مناسب ہے

---

[۱۷۷] السنن للنسائی: ۱/۱۷۹، باب البکاء فی الصلٰوۃ، ایچ ایم سعید

[۱۷۸] صحیح مسلم: ۲/۳۴۶، باب استحباب الاستغفار والاستکثار منہ، ایچ ایم سعید

کبھی وہ حالت مناسب ہے۔ اگر ہمیشہ ایک ہی حالت قائم رہے تو انتظامِ معاش وغیرہ منہدم ہوجائے، یعنی یہ تغیّرِ احوال کچھ مضر نہیں ہے، بلکہ اسی میں حکمت ہے، اسی کو حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینیم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم
اگر درویش بر حالے بماندے
سرِ دست از دو عالم بر فشاندے

سو سالک کو تغیّرِ احوال سے تنگ دل نہ ہونا چاہیے جب تک وہ معاصی تک نہ پہنچادیں، اور معاصی سے بچنا امر اختیاری ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تغیّر دوسرے سالکین کے تمکّن سے بھی ارفع ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمکن کے مقابلے میں تغیّر ہے۔

## تقریر اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ پاک اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ میں جو غین مذکور ہے وہ مانع یا منقصِ تجلّی نہیں ہے، کیوں کہ وہ تجلّی جو آپ کے قلب پر ہوتی ہے اس قدر قوی النور ہے کہ خود اس غین کو بھی منوّر کردیتی ہے۔ چناں چہ ظاہر بھی ہے کہ وہ تعلقات اور توجّہات اِلی الخلق جو مصداق ہیں اس غین کا اور عامۂ مؤمنین کے لیے ساترِ تجلیات ہیں، آپ کے لیے موجبِ زیادتِ قرب اور عینِ طاعت تھے، پس خود ان کی ظلمت جو اُن کی اصل وضع کا مقتضیٰ تھا بالکلیہ محو ہوگئی اور یہی حکم سب انبیاء علیہم السّلام کے لیے عام ہے، بخلاف اولیاء کے کہ اُن کے لیے حجبِ بشریہ کسی وقت ساترِ تجلیات ہوتے ہیں، گو قوی السترنہ ہوں۔ (از کلیدِ مثنوی، دفتر ششم، ص:۱۸۸)

### حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کن اُمور سے تھا؟

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مغفرت چاہنا کس بات سے تھا کہ آپ کی ذاتِ مبارکہ معصوم تھی؟

تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ قرب کے درجات ہوتے ہیں، جن کی حد نہیں ہے، نہ نبوّت کے درجاتِ قرب ختم ہوتے ہیں نہ ولایت کے، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا کسی معصیت سے نہ تھا، بلکہ آپ کو جو ترقی درجاتِ قرب میں عطا ہوتی تھی تو ماسبق کے اعتبار سے استغفار فرماتے تھے، یعنی قرب کا ماسبق کا درجہ مابعد کے درجے سے کمتر معلوم ہوتا تھا اور خیال ہوتا تھا کہ اب تک کون سی چیز قرب کے اس درجۂ عالی پر پہنچنے میں مانع تھی، پس آپ اس چیز کو ذنب سے تعبیر فرما کر استغفار فرماتے تھے۔ یہ حضرات مغزِدین جانتے تھے۔

## قرب کے درجات کے غیر متناہی ہونے کا ثبوت

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا

اے ایمان والو! ایمان لاؤ۔

قرب اور یقین کے غیر متناہی مراتب کا ثبوت اس آیت سے ہوتا ہے۔ ہمارے مرشدِ پاک حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر ''بیان القرآن'' کے حاشیہ ''مسائل السلوک'' میں اس آیت کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ ایمان لانے والوں کو ایمان لانے کا حکم فرمانا بظاہر تحصیلِ حاصل معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ جب ایمان قلب میں موجود ہے تو پھر ایمان لانے کا حکم کیوں ہوا ہے؟ تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یقین کے مراتب بہت ہوتے ہیں۔ اتنے مراتب ہیں کہ ان کا احاطہ محال ہے، بمعنٰی لَاتَقِفُ عِنۡدَ حَدٍّ، کیوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ پاک اور اس کی صفتیں غیر محدود ہیں، پس مؤمنین سے ایمان لانے کا امر اس اعتبار سے ہے کہ فی الحال قلب میں جو درجہ یقین کا حاصل ہے اس کے اوپر کے مرتبے کی تحصیل کی کوشش کرتے رہو۔ اسی کو حضرت عارف رومی فرماتے ہیں ؎

اے برادر بے نہایت در گہیست
آنچہ بر وے می رسی بر دے مأیست

اے برادر! حق تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب کے غیر متناہی مراتب ہیں، جس مقامِ قرب پر

تم اس وقت فائز ہو اس پر قناعت کر کے ٹھہر نہ جاؤ، بلکہ اس کے اوپر کے مراتب کی فکر میں لگ جاؤ۔

## اصلی علم اور اصلی فکر کیا ہے؟

اصلی علم اور اصلی فکر یہ ہے جو بندوں کو اللہ تک پہنچادے ۔

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے
راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

'اصلی فکر وہ ہے جو کہ راستہ کھول دے اور اصلی راہ وہ ہے جو شہنشاہِ حقیقی یعنی حق تعالیٰ تک پہنچی ہوئی ہو۔

أَيُّهَا الْقَوْمُ الَّذِیْ فِی الْمَدْرَسَة
کُلُّ مَا حَصَّلْتُمُوْهُ وَسْوَسَة

علم نبود غیرِ علمِ عاشقی
مابقی تلبیسِ ابلیسِ شقی

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے وہ قوم! جو مدرسہ میں صرف درس و تدریس پر مطمئن ہے۔ جو کچھ تم لوگوں نے حاصل کیا وہ سب وسوسہ ہے کیوں کہ علمِ حقیقی تو صرف وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کر دے، اور جس علم نے حق تعالیٰ کی محبت قلب میں نہ پیدا کی وہ سب ابلیس شقی کا آلۂ مکر ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ عالمِ بے عمل کے پاس بیٹھنا بھی مضر ہے۔

## طلبا اور مدرسین کے لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

ہمارے حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ طلبا کو چاہیے کہ جب مدارس سے فارغ ہوں تو کم از کم چھ ماہ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ پڑیں، تاکہ جو کچھ

مدرسے میں حاصل کیا ہے اس پر عمل کرنے کی ہمت اور قوّت قلب میں پیدا ہوجاوے، دین فقط کتابوں کے نقوش کا نام نہیں ہے۔

## آج کل اہلِ علم اعمال سے غافل کیوں ہیں؟

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ پہلے تو ہمارے حضرات سے کچھ مستغنی سے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق عطا فرمائی، تھانہ بھون حاضر ہوئے اور حضرتِ والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم سے فائدہ حاصل کرکے فرمایا کہ افسوس! اب تک میں کیوں محروم رہا، میں تو سمجھتا تھا کہ مجھے کچھ آتا ہے، مگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے سامنے تو میں بالکل جاہل معلوم ہوتا ہوں۔

پھر تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ایک والہانہ تعلق ہوگیا، بفضلِ الٰہی سید صاحب مُجاز بیعت بھی ہوگئے، پھر ایسی نورانی سمجھ عطا ہوئی کہ ایک بار کسی نے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ مدارس کے طلبا اس زمانے میں عملی کوتاہیوں میں مبتلا ہیں؟

تو بہت عمدہ جواب دیا، فرمایا کہ ”دین مجموعہ ہے دو جز کا: ایک علمِ نبوت اور دوسرے نورِ نبوت، چوں کہ طلبا علمِ نبوت تو حاصل کرتے ہیں اور اللہ والوں سے نورِ نبوّت نہیں حاصل کرتے، اس لیے علم پر قوّتِ عملیہ سے محروم رہتے ہیں۔“

حق تعالیٰ نے میرے قلب میں اس کی تائید میں قرآنِ پاک کی ایک آیت ڈالی ہے، جس سے اس مضمون کی تائید اور تفصیل ہوجاتی ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۵﴾[۱۷۹]

اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا ہے اور کتابِ مبین نازل ہوئی ہے۔

بعض مفسرّین نے لکھا ہے کہ یہاں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کتاب کی تعلیم

---

۱۷۹؎ المآئدۃ:۱۵

حاصل کی، یعنی علمِ نبوت بھی حاصل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارکہ سے انوارِ نبوّت کو بھی اپنے سینوں میں حاصل کیا۔ علمِ نبوت کے نقوش تو کتابوں میں سے لیے جاسکتے ہیں لیکن انوارِ نبوت کا محل کاغذ نہیں بن سکتا، نور کا محل تو مؤمن کا قلب ہی ہوسکتا ہے، پس علومِ نبوت تو کتابوں سے کتابوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں اور انوارِ نبوّت سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں۔ اسی کو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

جو آگ کی خاصیّت وہ عشق کی خاصیّت
اک خانہ بخانہ ہے اک سینہ بسینہ ہے

## حدیث پڑھنے اور پڑھانے کا لُطف کب ہے؟

ہمارے حضرتِ والا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حدیث پڑھنے کا لطف تو جب ہی آتا ہے جب شاگرد بھی صاحبِ نسبت ہو اور استاد بھی صاحبِ نسبت ہو۔ طلبا میں جو عملی کوتاہیاں زیادہ بڑھتی جارہی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ اس زمانے میں طلبا صرف علمِ نبوّت مدارس میں حاصل کرلیتے ہیں اور نورِ نبوت کو کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے نہیں حاصل کرتے، پس کیوں نہ دین ادھورا رہے۔

دینِ کامل تو اسی وقت نصیب ہوسکتا ہے جب کہ اس کے دونوں اجزا حاصل کیے جائیں، یعنی علمِ نبوت بھی حاصل کریں اور بعد میں کسی صاحبِ نور سے نورِ نبوّت بھی حاصل کریں۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر جج اکبر الٰہ آبادی کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(اکبر الٰہ آبادی)

جج اکبر الٰہ آبادی مرحوم کے یہاں ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے

تھے، دیندار آدمی تھے اور بڑے ظریف الطبع تھے، صحبتِ اہل اللہ کی ترغیب میں نوجوان طبقے کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں ؎

نہیں سیکھا انہوں نے دین رہ کر شیخ کے گھر میں
پلے کالج کے چکّر میں مرے صاحب کے دفتر میں

(اکبر الٰہ آبادی)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار فرمانے پر جو تحقیق فرمائی ہے یہی تحقیق ہمارے حضرتِ والا کی بھی ہے، حضرت نے ''تفسیر بیان القرآن'' میں تحریر فرمایا ہے کہ لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ میں ذَنْب سے کیا مراد ہے.؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ[180]

تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کردے'' تو یہاں خطا سے مراد معصیت نہیں ہے، یہاں ذَنْب سے مراد ذنب مجازی ہے، کیوں کہ ہر نبی معصوم ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فعل عبادت تھا اور آپ کے لیے جس فعل کو ترک کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے تو اس فعلِ متروک سے دوسرا فعلِ مامور زیادہ عبادت تھی، پس جس عبادت سے اعلیٰ عبادت کی طرف آپ کو متوجہ فرمایا گیا تو اس اعلیٰ کے مقابلے میں ماسبق کو حق تعالیٰ شانہٗ نے مجازاً ذنب فرما کر اس کی مغفرت کی بشارت دے دی تاکہ آپ کو قلق نہ رہے، ورنہ ''مقربّاں رابیش بود حیرانی'' کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملولِ خاطر ہوتے۔

## حضرت آدم علیہ السلام کا عصیان نسیان تھا

حضرت آدم علیہ السّلام کے متعلق حق تعالیٰ شانہٗ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی ﴿۱۲۱﴾[181]

[180] الفتح:۲
[181] طٰہٰ:۱۲۱

اور آدم علیہ السلام سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے۔

تو اس کا جواب حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

فَنَسِیَ وَ لَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا ﴿۱۱۵﴾[۱۸۲]

سو اُن سے غفلت ہو گئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔

اب یہ سوال ہوتا ہے کہ جب نسیان تھا تو اس کو عصیان سے تعبیر کیوں فرمایا؟ تو اس کا جواب حق تعالیٰ شانہٗ نے بہت عجیب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے میرے دل میں ڈالا ہے، جس کے اندر طریق اور سلوک سے متعلق ایک لذیذ اور نافع تقریر ہے اور حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید مذکور سے اس کے بیان کی ہمت بھی ہو گئی، جب اکابر سلف کی تائید ہو جاتی ہے تو قلب کو اطمینان ہو جاتا ہے، تقریر یہ ہے:

### حضرت آدم علیہ السلام کے نسیان کو عصیان سے تعبیر فرمانے پر ایک عجیب تقریر

نِسیانِ حضرت آدم علیہ السلام کو عصیان سے تعبیر فرمانے کے ساتھ حق تعالیٰ نے اپنی صفتِ ربوبیت کا ذکر فرمایا ہے: وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی "اور آدم علیہ السّلام سے اپنے رب کا قصور ہو گیا" یہاں رب فرما کر یہ بتا دیا کہ نسیان کو عصیان کے عنوان سے تعبیر فرمانے میں حضرت آدم علیہ السّلام کی تربیت مقصود ہے۔ چناں چہ عصیان میں جو شانِ عتاب ہے اس کے استحضار سے حضرت آدم علیہ السّلام کے قلبِ مبارک پر ایسی ندامت اور شکستگی طاری ہوئی کہ آپ اس حُزن اور ندامت کی راہ سے عبدیت کے اس عالی مرتبے پر فائز ہو گئے جس مرتبے پر کہ علمِ الٰہی میں آپ کو تاجِ خلافت عطا ہونا تجویز ہوا تھا، غلبۂ حزن اور ندامت سے آپ کی عبدیت کے بیج کو پختہ کرنا تھا، تاکہ عبدیتِ آدم علیہ السّلام خلافتِ الٰہیہ کا بار اٹھا سکے۔

## حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری کا اثر

علی آزاد سید عبد الجلیل صاحب بلگرامی نے اپنی کتاب "سبحۃ المرجان" میں

۱۸۲؎ طٰہٰ:۱۱۵

لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر جب حق تعالیٰ شانہ' کا عتاب ظاہر ہوا تو آپ اس قدر روئے کہ آپ کے گریہ وزاری کے آنسوؤں سے چھوٹے چھوٹے چشمے پیدا ہو گئے۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تاجرِ ما جنس درد از راہِ دور آوردہ است
از برائے داغ دل آتش زطور آوردہ است
سیلِ خوں از سینۂ گرمم رواں کردست عِشق
نازم اعجازش کہ طوفاں از تنور آوردہ است

پھر حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کے جمع شدہ آنسوؤں کے چشموں سے خوشبو دار پھول کے درخت پیدا فرمائے۔

یہ روایت اگرچہ کہیں حدیثوں میں نہیں دیکھی ہے لیکن انہوں نے کہیں سے اس کو نقل کیا ہو گا، بہر حال کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، کیوں کہ یہ آنسو بھی تو بڑے قیمتی تھے۔

عِلم الٰہی میں تو آپ خلیفۃ اللہ فی الارض بنا کر ہی پیدا فرمائے گئے تھے، جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً[۱۸۳]

اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں ضرور بناؤں گا زمین میں ایک نائب۔

لیکن یہ خلافت کس راہ سے ملے گی؟ پہلے رُلا لیں گے تب دیں گے۔

## اس راہ میں صاحب الحزن بہت جلد ترقی کرتا ہے

حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ صاحب الحزن بہت

---

۱۸۳؎ البقرۃ:۳۰

جلد حق تعالیٰ کے راستے کو قطع کرتا ہے، اور جب کسی سالک کا خط آتا کہ حضرت! آج کل قبضِ باطنی سے دل غمگین رہتا ہے، تو تحریر فرمادیتے کہ دلگیر نہ ہوں، یہ حالتِ قبض من جملہ حالاتِ رفیعہ سے ہے، اگر ہمیشہ بسط کی حالت طاری رہے تو انسان عُجب و پندار میں مبتلا ہو جائے۔

تربیت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ نِسیان کو عصیان سے تعبیر فرمادیا جائے، کیوں کہ وہ ربّ بھی ہیں اور حکیمِ مطلق بھی ہیں، ان کی تربیت حکمت کے ساتھ ہوتی ہے۔ تربیت کہتے ہیں کسی شے کو تدریجاً اس کے اُس درجۂ کمال کو پہنچادینا جو درجہ کہ علمِ الٰہی میں بربنائے حکمتِ الٰہیہ اس شئے کے لیے تجویز ہو چکا ہے۔

وَ عَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ میں جو ربوبیت ہے اسی شانِ ربوبیت کو حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کے قلبِ مبارک پر منکشف فرمادیا:

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ[۱۸۴]

بعد ازاں حاصل کرلیے آدم علیہ السّلام نے اپنے رب سے چند الفاظ۔

رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ۫ وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۲۳﴾

اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا، اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ فرمائیں گے تو ہم بڑے ٹوٹے میں پڑ جائیں گے۔

اس دعا میں بھی صِفتِ ربوبیت کی تلقین فرمائی گئی ؎

عجیب لطائف علومِ قرآں کے ہیں
جب چاہتے ہیں پردہ اٹھادیتے ہیں
مخدرات سراپردہ ہائے قرآنی
چہ دلبراند کہ دل می برند پنہانی

---

[۱۸۴] البقرة: ۳۷

پھر حق تعالیٰ نے صِفتِ ربوبیت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيۡهِ وَ هَدٰى ﴿١٢٢﴾ [١٨٥]

پھر اُن کے ربّ نے مقبول بنالیا، سو اُن پر توجہ فرمائی اور راہ پر قائم رکھا۔

ربوبیتِ الٰہیہ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو ندامت اور زاری کی راہ سے آپ کی شایانِ شان مرتبۂ عبدیت پر پہنچا کر اس پر خلافت کا تاج رکھ دیا۔ اتنے مراحل سے گزار کر خلیفۃ اللہ فی الارض کی پگڑی دے دی گئی تھی۔ کیسے کیسے امور راہ میں پیش آجاتے ہیں۔ جس کو مقتدا بناتے ہیں اس کو خوب پختہ کرکے بناتے ہیں تب دوسروں کی رہبری سپرد فرماتے ہیں۔

اب جب سب کام مکمل ہوگیا، یعنی گریہ وزاری سے تربیتِ خاص کی نگرانی میں حضرت آدم علیہ السّلام کی عبدیت کامل اور اکمل ہوکر تاجِ خلافت سے مشرف ہوگئی تو حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ اب آپ کی تسلّی فرمادی جائے، کیوں کہ غلبۂ حزن کی حالت میں بربنائے بشریت خلافت کا کام کماحقہٗ انجام دینے سے اعضا قاصر رہتے۔

## لوازمِ بشریہ کا انفکاک کاملین سے بھی نہیں ہوتا ہے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوازمِ بشریہ کا انفکاک کاملین سے بھی نہیں ہوتا ہے، اسبابِ خوشی ورنج سے کاملین بھی متأثر ہوتے ہیں، ورنہ جو حکمتیں طبائعِ بشریہ سے متعلق ہیں مثلاً مسرّت پر شکر اور رنج پر صبر ورضا وغیرہ فوت ہوجائیں۔ پس ضرورت ہوئی کہ اب آپ کی تسلی فرماکر آپ کا غم بھلادیا جائے اور انبساط کے ساتھ کارِ خلافت کی انجام دہی میں لگ جائیں۔

چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں: فَنَسِيَ وَ لَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا ۔ ”آپ کا عصیان تو نسیان تھا، ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ کے قلب میں اس چُوک کا ارادہ نہ تھا۔“

دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض طبائع اپنی شرافت کی بنا پر آقا کی ناراضگی

---

[١٨٥] طٰهٰ:١٢٢

سے اس قدر منفعل ہوتی ہیں کہ ان کی شکستگی اور ندامت کو دیکھ کر آقا کا کرم جوش میں آجاتا ہے اور آقا خود سمجھانے لگتا ہے کہ جاؤ بے فکر رہو، خوب دل لگا کر کام کرو، وہی غم لیے نہ پڑے رہو، انسان ہی سے غلطی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح مقربانِ بارگاہِ حق اپنی معمولی چُوک سے اس قدر منفعل اور شکستہ ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ کبائر کے ارتکاب سے بھی ندامت کے اس رفیع مقام پر نہیں پہنچتے، جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مقربِ بارگاہ کے سامنے حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اپنی ذلت و عبدیت ہوتی ہے، اسی امر کے پیش نظر بزرگوں نے لکھا ہے کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّءَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ اور صوفیا کا قول مشہور ہے ”مقرباں رابیش بود حیرانی۔“

## بڑوں کی معمولی چُوک کو بھی اہمیت دی جاتی ہے

بڑوں کی معمولی چُوک کو بھی اہمیت دی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؂

وَصلَتِ عامہ حجابِ خاص داں
طاعتِ عامہ گناہِ خاصگاں

## عوام کا مقامِ قرب خواص کے لیے حجاب ہوتا ہے

حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عوام کا مقامِ قرب خواص کے لیے مقامِ حجاب ہے، اور عوام کی عبادت خواص کے لیے معصیت ہے۔ وصال کا ترجمہ قرب سے اس لیے کیا کہ؂

قربِ او را وصال می گویند
وصلِ او را محَال می گویند

”ان کے قرب کو مجازاً وصال کہتے ہیں اور ان کے وصل بالمعنیٰ الحقیقی کو محال کہتے ہیں۔“

عوام کی طاقت چوں کہ اخلاص اور خشیت کی روح سے خالی ہوتی ہے اس لیے یہ طاعت عامہ مقربانِ حق کے لیے معصیت اور گستاخی ہے۔

حضرت آدم علیہ السّلام کو چوں کہ مقتدا بنانا تھا اس لیے شانِ مقتدائیت کا اقتضا یہ تھا کہ آپ کے نسیان کو عصیان سے تعبیر فرمایا جائے، اس تعبیر سے حضرت آدم علیہ السّلام کی رفعتِ شان کا ظہور ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت عارف فرماتے ہیں ؎

گر خفاشے رفت در کور و کبود

باز سلطاں دیدہ را بارے چہ بود

اگر خفاش (چمگادڑ) کور و کبود گندی نالی میں چلا گیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، کیوں کہ اس کی فطرت ہی ظلمت پسند واقع ہوئی ہے، لیکن وہ باز جو سلطان کا مقرب ہے تو اس مصاحبِ آفتاب کا تاریکی اور ظلمت (اندھیری) کی طرف مائل ہونا بے شک تعجب خیز امر ہے۔

حق تعالیٰ کی ربوبیت کی شانیں غیر محدود ہیں۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ[۱۸۶] وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔ تعبیرِ عصیان سے جو ربوبیت مقصود تھی اس کی تکمیل کے بعد حق تعالیٰ نے اس شانِ ربوبیت کو دوسری شانِ ربوبیت سے بدل دیا، یعنی تعبیرِ عصیان کو تعبیرِ نسیان سے بدل کر آپ کے غم زدہ اور ٹوٹے ہوئے دل پر نسیان کا مرہم رکھ دیا، تاکہ اب کارخانۂ خلافت کا کاروبار گرم ہو جائے۔ یہ قرآنی لطائف ہیں جن کے اندر اہلِ طریق کے لیے احوالِ باطنیہ سے متعلق مفید مضامین حق سبحانہٗ تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے کہلا دیے ہیں۔

## حضرت سلیمان علیہ السّلام کی عبدیت

حضرت سلیمان علیہ السّلام کے سامنے ہُدہُد نے جب تذکرہ کیا کہ مُلکِ سبا میں بلقیس (جو ایک جنّیہ کی لڑکی تھی) کی بڑی بادشاہت دیکھ کر آیا ہوں، تو آپ نے اس کے نام ایک خط لکھ کر دیا کہ اس کا جواب لاؤ۔

---

۱۸۶؎ الرحمٰن: ۲۹

سورۂ نمل میں حق تعالیٰ نے اس واقعے کو بیان فرمایا ہے، سبحان اللہ !خط کا عنوان عجیب شانِ عبدیت لیے ہوئے ہے، خط کا عنوان یہ ہے:

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾[۱۸۷]

وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، تم لوگ میرے مقابلے میں تکبر مت کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلے آؤ۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اپنے والا نامہ میں اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ تحریر فرمایا، اپنے نام کے ساتھ اپنا کوئی لقب نہیں لکھا، حالاں کہ آپ اتنے بڑے بادشاہ تھے کہ آپ کی حکومت انسانوں کے علاوہ جِنّوں پر اور تمام پرندوں پر بھی تھی، آپ تمام پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ اس شان کی سلطنت کے باوجود آپ نے اپنے والا نامہ میں صرف اپنا نام تحریر فرمایا، حق تعالیٰ شانہٗ کا نام جہاں ہو وہاں عبودیت کا مقتضٰی یہی تھا کہ ؎

تو مباش اصلاً کمال این است و بس
رو درو گم شو وصال این است و بس

تو بالکل نہ رہ یعنی اپنے کو مٹادے، یہی مٹانا بندگی کے لیے کمال ہے، جا اپنے ٹمٹماتے ہوئے فانی چراغِ ہستی کو اس حقیقی باقی آفتابِ حق کی جلالت و عظمتِ شان کے سامنے فنا کردے، بس اسی کا نام وصال ہے ؎

پیش یوسف نازش و خوبی مکن
جُز نیازِ آہِ یعقوبی مکن
چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش
ہمچو او باگریہ و آشوب باش

(عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی جلالت و عظمتِ شان کے سامنے تم بجز بے چارگی اور

---

[۱۸۷] النمل: ۳۰

عاجزی کے اظہار کے ناز اور خوبی مت دکھاؤ۔ جب تم یوسف نہیں ہو، یعنی باعتبار اپنی ذات کے فانی، عاجز، محتاج ہو تو حضرت یعقوب علیہ السّلام کی طرح گریہ وزاری کی راہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختیار کرو۔

مگر اللہ تعالیٰ نے اس سادے عنوان میں عجیب اثر پیدا فرمادیا، کیوں کہ:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰہُ

جو اپنے کو اللہ کے لیے گرا دیتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ بلند فرمادیتا ہے۔

چناں چہ جب یہ والا نامہ بلقیس نے دیکھا تو اس کا دل مرعوب ہوگیا، اور اس نے اپنے درباریوں سے کہا یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ[۱۸۸] اے اہل دربار! میرے پاس ایک خط باوقعت ڈالا گیا ہے۔

پھر بلقیس نے درباریوں سے کہا کہ اس خط کے جواب میں، میں کچھ تحفے بھیجتی ہوں، اگر حضرت سلیمان علیہ السّلام نے قبول کرلیا تو سمجھ لینا کہ دنیادار ہیں، ان کا مقابلہ کچھ مشکل نہیں ہوگا اور اگر انہوں نے تحفے واپس کردیے تو یقین کرلینا کہ وہ اللہ کے سچے نبی ہیں، اس صورت میں ان کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا۔ چناں چہ جب تحفے واپس آگئے تو بلقیس کو یقین آگیا کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام اللہ کے نبی ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اپنے اہلِ دربار سے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا ہے کہ بلقیس کا تخت قبل اس کے کہ وہ میرے پاس مطیع ہوکر آویں حاضر کردے۔ ایک قوی جنّ نے جواب دیا کہ حضور! میں قبل اس کے کہ آپ اجلاس سے اٹھیں تخت کو حاضر کردوں گا اور عرض کیا:

وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴿۳۹﴾[۱۸۹]

اور میں اس پر طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوکر مضبوط اور امانت دار رکھنا چاہیے، قوّت اور امانت دونوں صفتیں ضروری ہیں۔

---

۱۸۸؎ النمل:۲۸

۱۸۹؎ النمل:۳۹

اہلِ دربار میں سے دوسرے شخص نے کہا کہ حضور! میں آپ کے سامنے آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لا کر حاضر کر سکتا ہوں۔ پس حضرت سلیمان علیہ السّلام کی آنکھ جھپکنے سے پہلے آپ کے سامنے بلقیس کے تخت کو اس شخص نے لا کر کھڑا کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام کی عبدیتِ رفیعہ اس مقام پر قابلِ عبرت ہے۔ فرماتے ہیں:

هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ ۖ لِیَبۡلُوَنِیۡۤ ءَاَشۡکُرُ اَمۡ اَکۡفُرُ ؕ وَ مَنۡ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیۡ غَنِیٌّ کَرِیۡمٌ ﴿۴۰﴾[۱۹۰]

حضرت سلیمان علیہ السّلام تخت کو روبرو دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے تاکہ وہ میری آزمایش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لیے شکر کرتا ہے، اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب غنی اور کریم ہے۔

سبحان اللہ! ہر ہر لفظ سے بندگی کی شان ظاہر ہو رہی ہے۔ کہیں سے اپنے اوپر نِگاہ نہیں ہے کہ میری سلطنت ایسی ہے یا میرے رفقاء ایسے ہیں، هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ سے نفس کی جڑ کاٹ دی۔ خاص بندوں کی نگاہ تو ہر وقت ان ہی کے فضل پر رہتی ہے، اپنے اوپر نگاہ عبودیت کی رہتی ہے اور اس فضل کو بھی اپنے لیے آزمایش سمجھتے ہیں، خاص بندوں کو عبودیت بھی نہایت بلند عطا کی جاتی ہے۔

## خواص بندے انعاماتِ الٰہیّہ کو امتحاناتِ الٰہیّہ سمجھتے ہیں

وہ انعاماتِ الٰہیہ کو امتحاناتِ الٰہیہ سمجھتے ہیں۔ عُجب اور پندار تو نااہلوں کو پیدا ہو جاتا ہے، ناکساں کم ظرف اور کم حوصلہ ہوتے ہیں۔ حوصلہ کہتے ہیں چڑیوں کے پیٹ میں جہاں ان کا دانہ جمع ہوتا ہے، ہندی زبان میں اس کو پوٹی کہتے ہیں، حوصلہ عربی لفظ ہے۔

حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے ”موضح القرآن“ میں هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ ”یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا ہے، اللہ کا

[۱۹۰] النمل: ۴۰

فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجے کو پہنچے، جن سے کرامت ہونے لگی۔“

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ سے مراد خود حضرت سلیمان علیہ السّلام ہیں۔

## عارفین اپنے اعمالِ حسنہ کو عطائے حق سمجھتے ہیں

عارفین کی یہی شان ہوتی ہے کہ ان کو جو کچھ بھلائیاں پہنچتی ہیں یا اُن سے جو کچھ اچھے اعمال صادر ہوتے ہیں ان کو اللہ کی عطا اور انعام سمجھتے ہیں، اپنے نفس کی طرف منسوب نہیں کرتے ہیں، اسی وجہ سے ان کو اپنی تکثیرِ عبادت و نوافل پر کبھی ناز نہیں پیدا ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ۫ وَ مَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِکَ ؕ[۱۹۱]

اے انسان! تجھ کو جو کوئی خوش حالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیش آتی ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آتی ہے وہ تیرے ہی سبب سے ہے۔

عارفین پر اس تعلیم کی وجہ سے ہر وقت ادب کی خاص شان غالب ہوتی ہے۔

## حضرت خضر علیہ السلام کا ادب

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی توڑنے کے فعل کو اپنی طرف منسوب فرمایا:

اَمَّا السَّفِیۡنَۃُ فَکَانَتۡ لِمَسٰکِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ فِی الۡبَحۡرِ فَاَرَدۡتُّ اَنۡ اَعِیۡبَہَا وَ کَانَ وَرَآءَہُمۡ مَّلِکٌ یَّاۡخُذُ کُلَّ سَفِیۡنَۃٍ غَصۡبًا ﴿۷۹﴾[۱۹۲]

وہ جو کشتی تھی سو چند غریب آدمیوں کی تھی، جو اس کے ذریعے سے دریا میں محنت مزدوری کیا کرتے تھے اور اس پر ان کی گزر اوقات ہوا کرتی تھی، سو میں نے چاہا کہ

[۱۹۱] النسآء:۷۹

[۱۹۲] الکھف:۷۹

اس میں عیب ڈال دوں، اور وجہ اس کی یہ تھی کہ ان لوگوں سے آگے کی طرف ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر اچھی کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا۔ سو اگر ان کی کشتی میں عیب نہ ڈالا جاتا تو اس کو بھی چھین لیتا، اور ان غریبوں کا ٹکڑا مارا جاتا۔ پس اس توڑنے میں یہ مصلحت تھی۔ (بیان القرآن)

حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو عیب دار کرنا اگرچہ خدا تعالیٰ ہی کے حکم سے تھا مگر ادباً اس فعل کی نسبت حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک کی طرف نہ کی اور یوں کہا کہ ''میں نے یہ چاہا۔'' اسی طرح جس لڑکے کو حکمِ خدا سے مار ڈالا اس کو بھی اپنی طرف منسوب کیا:

فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَکٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾ [۱۹۳]

پس ہم کو یہ منظور ہوا کہ بجائے اس کے ان کا پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔

اور جب اس دیوار کا ذکر آیا ہے جس کی بنیاد میں دو یتیم بچوں کا مدفونہ مال تھا، اس کے متعلق یوں عرض کیا:

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖۗ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ

سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جاویں اور اپنا دفینہ نکال لیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے دونوں کاموں کو یعنی کشتی کے عیب دار کرنے اور لڑکے کے مار ڈالنے کے ارادوں کو اپنی طرف منسوب کیا اور دیوار اٹھانے کے ارادے کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ عبدیتِ کاملہ کی یہی شان ہوتی ہے، حالاں کہ ہر کام خدا تعالیٰ ہی کے حکم سے کیا تھا، جیسا کہ آگے فرماتے ہیں: وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ [۱۹۴] اور کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ لیکن کیسا ادب کو نباہا ہے۔ سبحان اللہ!

---

۱۹۳؎ الکھف: ۸۱

۱۹۴؎ الکھف: ۸۲

## قصۂ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تفسیری لطائف

اس مقام پر ایک عجیب بات یاد پڑی۔ ایک مفسّر علی مہائمی گزرے ہیں۔ ان کی قبر بمبئی میں ہے۔ میں ان کے مزار پر حاضر ہوا ہوں۔ اپنی تفسیر ''مہائمی'' میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے جن افعال پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اشکال ہوا وہ سب امور خود اُن پر بیت چکے تھے۔ اگر اپنے اندر غور کرتے تو ہر اشکال کا حل خود اپنے اندر موجود پاتے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ جس کشتی میں چھید کر دینے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اشکال ہوا کہ اب اس کشتی کے سوار ہلاک ہو جائیں گے تو خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بحکمِ خدا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے تو ایک صندوقچے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا، کیوں کہ فرعون کو نجومیوں نے یہ خبر دی تھی کہ اس سال بنی اسرائیل میں ایک بچہ ایسا پیدا ہو گا جو تیری ہلاکت اور زوالِ سلطنت کا سبب ہو گا۔ پس اس ظالم نے حکم جاری کر رکھا تھا کہ اس سال بنی اسرائیل میں جتنے بچے پیدا ہوں سب قتل کر دیے جائیں۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ کو الہام فرمایا کہ جب تک ان کا اخفا ممکن ہو تم ان کو دودھ پلاؤ، پھر جب تم کو اس کی نسبت جاسوسوں کے مطلع ہونے کا اندیشہ ہو تو بے خوف و خطر ان کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دینا اور تم نہ تو ان کے غرق ہونے سے اندیشہ کرنا اور نہ مفارقت پر غم کرنا، کیوں کہ ہم ضرور ان کو تمہارے ہی پاس واپس پہنچادیں گے، پھر اپنے وقت میں ان کو پیغمبر بنائیں گے۔

غرض وہ اسی طرح دودھ پلاتی رہیں، پھر جب افشائے راز کا خوف ہوا تو صندوق میں بند کر کے اللہ کے نام پر دریائے نیل میں چھوڑ دیا۔ اس کی کوئی شاخ فرعون کے محل میں جاتی تھی یا تفریحاً فرعون کے متعلقین دریا کی سیر کو نکلے تھے۔

غرض وہ صندوق کنارے پر لگا تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو مع صندوق کے اٹھالیا، تاکہ وہ ان لوگوں کے لیے دشمن اور غم کا باعث بنیں۔ بلاشبہ

فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین اس بارے میں بہت چُوکے کہ اپنے دشمن کو اپنی بغل میں پالا، اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام صندوق سے نکال کر فرعون کے پاس لائے گئے تو فرعون کی بی بی حضرت آسیہ نے فرعون سے کہا کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، یعنی اس کو دیکھ کر جی خوش ہوا کرے گا، تو اس کو قتل مت کر، عجب نہیں کہ بڑا ہو کر ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں۔

اور ان لوگوں کو انجام کی خبر نہ تھی کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے ہاتھ فرعون کی سلطنت غارت ہو گی۔ ادھر یہ قصہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل خیالاتِ مختلفہ کے ہجوم سے بے قرار ہو گیا، اور بے قراری بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ ایسی سخت بے قراری کہ قریب تھا کہ غایت بے قراری سے وہ موسیٰ علیہ السلام کا حال سب پر ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کیے رہیں کہ یہ ہمارے وعدے پر یقین کیے بیٹھی رہیں۔ غرض بہ مشکل انہوں نے دل کو سنبھالا اور تدبیر شروع کی۔ وہ یہ کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السّلام کی بہن یعنی اپنی بیٹی سے کہا: ذرا موسیٰ کا سُراغ تو لگا۔ سو وہ چلیں، اور یہ معلوم کر کے کہ صندوق محل میں کُھلا ہے محل میں پہنچیں، اور موسیٰ علیہ السلام کو دور سے دیکھا اور ان لوگوں کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ ان کی بہن ہیں اور اس فکر میں آئی ہیں، اور ہم نے پہلے ہی سے یعنی جب سے صندوق سے نکلے تھے موسیٰ علیہ السّلام پر دودھ پلانے والیوں کی بندش کر رکھی تھی یعنی کسی کا دودھ نہ لیتے تھے۔ سو وہ اس حال کو دیکھ کر موقع پا کر کہنے لگیں: کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتا بتاؤں جو تمہارے لیے اس بچے کی پرورش کریں اور دل سے اس کی خیر خواہی کریں؟ ان لوگوں نے ایسے وقت میں کہ دودھ پلانے کی مشکل پڑ رہی تھی اس مشورے کو غنیمت سمجھا اور ایسے گھرانے کا پتا پوچھا۔ انہوں نے اپنی والدہ کا پتا بتا دیا۔

چناں چہ وہ بلائی گئیں، اور موسیٰ علیہ السّلام اپنی والدہ کی گود میں دے دیے گئے اور جاتے ہی دودھ پینا شروع کر دیا، اور ان لوگوں کی اجازت سے چین سے اپنے گھر لے آئیں۔ گاہے گاہے لے جا کر ان کو دکھلا آتیں۔

غرض حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح ان کی والدہ کے پاس اپنے وعدے کے موافق واپس پہنچادیا، تاکہ اپنی اولاد کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تاکہ فراق کے غم میں نہ رہیں اور تاکہ مرتبۂ معاینہ میں اُس بات کو اور زیادہ یقین کے ساتھ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔" (بیان القرآن، سورۂ قصص)

اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو اس سال کے نوزائیدہ بچوں کے قتلِ عام کے تحت کیوں نہیں قتل کیا؟ اس کی وجہ حق تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں:

وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ﴿۳۹﴾[۱۹۵]

اور میں نے تمہارے اوپر یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے کے اوپر اپنی طرف سے ایک اثرِ محبت ڈال دیا، تاکہ جو تم کو دیکھے پیار کرے اور تاکہ تم میری خاص نگرانی میں پرورش پاؤ۔ (بیان القرآن، سورۂ طٰہٰ)

چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو جو دیکھتا تھا اسے بے اختیار پیار آتا تھا۔ پس اس طرح حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے رسول حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی تربیت اپنے اور اپنے رسول کے دشمن فرعون کے گھر میں کرائی، حالاں کہ فرعون نے نجومیوں کی خبر سے کیا کیا انتظامات کر رکھے تھے، مگر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَجُنُوْدَھُمَا کَانُوْا خٰطِئِیْنَ ﴿۸﴾[۱۹۶]

بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین بہت چُوکے۔

یہ ترجمہ ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ یہاں "خطا" کا ترجمہ "چُوک" سے فرمایا ہے۔

اور دوسرا اشکال جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو ایک بے گناہ لڑکے کے قتل سے پیدا ہوا تھا تو حضرت خضر علیہ السّلام نے تو حکمِ خدا سے اس کو قتل کیا تھا، کیوں کہ وہ

---

[۱۹۵] طٰہٰ: ۳۹

[۱۹۶] القصص: ۸

لڑکا بالغ ہو کر کافر ہوتا، اور ماں باپ پر اس کی طغیانی اور سرکشی کا اثر پڑتا، اور ماں باپ نیک ایمان دار تھے، اس لیے حق تعالیٰ نے والدین کی راحت کی خاطر اس لڑکے کے قتل کا حکم فرمایا۔ یہ وجہ تو خود حضرت خضر علیہ السّلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اشکال ظاہر کرنے پر بیان فرمائی تھی، لیکن صاحبِ ''تفسیر علی مہائمی'' اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر یہ معاملہ خود گزر چکا تھا، کیوں کہ ایک مظلوم اسرائیلی کی حمایت میں ایک قبطی شخص کو ایک ایسا گھونسہ رسید کیا کہ اس کا کام ہی تمام ہوگیا۔ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ تو موسیٰ نے اس کو ایک گھونسہ مارا سو اس کا کام ہی تمام کر دیا۔ یعنی اتفاق سے وہ مر ہی گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اس خلافِ توقع نتیجے سے بہت پچھتائے اور عرض کیا:

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝۱۶ [۱۹۷]

اے میرے پروردگار! مجھ سے قصور ہو گیا، آپ معاف کر دیجیے۔ سو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ بلاشبہ وہ غفور رحیم ہے۔

## حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی عبدیتِ کاملہ

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جس شخص کو گھونسہ مارا تھا وہ فرعونی تھا، بوجۂ حربی ہونے کے اس کا قتل مباح تھا۔ نیز ارادہ محض تادیب کا تھا قتل کا نہ تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی عبدیتِ کاملہ نے خلافِ اولیٰ کو کمالِ خوف سے گناہ سمجھا، کیوں کہ اَولیٰ یہ تھا کہ زیادہ زور سے گھونسہ نہ مارا جاتا، پس خلافِ اَولیٰ کو کمال خشیتِ الٰہی سے معصیت سمجھ کر عرض کیا: ''اے میرے پروردگار! مجھ سے قصور ہو گیا۔''

تیسرا اشکال، دو یتیم بچوں کی دیوار کو جو عن قریب منہدم ہونے کو تھی جب حکمِ الٰہی سے حضرت خضر علیہ السّلام نے درست کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ بدون عوض یہ کام کیوں کیا۔ جب کہ ہم دونوں بھوک سے پریشان ہیں:

---

[۱۹۷] القصص: ۱۶

قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَیۡهِ اَجۡرًا ﴿۷۷﴾[۱۹۸]

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا: اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت ہی لے لیتے۔

کیوں کہ اس گاؤں کے لوگوں نے مسافر کا حق نہ سمجھا کہ ہم لوگوں کو اپنا مہمان بنا لیتے، کیا ضرورت تھی کہ ان کی دیوار مفت بنا دی جائے؟" (موضح القرآن)

صاحبِ "تفسیر علی مہائمی" تحریر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر گزر چکا تھا۔ چناں چہ جب اس قبطی کو ایک گھونسہ مارا اور وہ مر گیا اور یہ خبر فرعون تک پہنچی تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے متعلق درباریوں سے مشورہ کیا اور اخیر رائے موسیٰ علیہ السّلام کو قتل کرنے کی قرار پائی۔ اس مجمع میں ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے محب و خیر خواہ تھے، وہ دوڑے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور اس خبر کی اطلاع دے کر مشورہ دیا کہ آپ یہاں سے چل دیجیے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے دعا کی:

رَبِّ نَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۱﴾

اے میرے پروردگار! مجھ کو ان ظالموں سے بچا لیجیے۔

پھر یہ دعا کر کے حضرت موسیٰ علیہ السّلام توکّلاً علی اللہ غیبی القاء سے مدین کی طرف ہو لیے۔ جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو اس پر مختلف آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا، جو اس کنویں سے کھینچ کھینچ کر اپنے مواشی کو پانی پلا رہے تھے اور ایک طرف کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ اپنی بکریاں روکے کھڑی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اُن سے پوچھا کہ تمہارا کیا مطلب ہے؟ وہ دونوں بولیں کہ ہمارا معمول یہ ہے کہ ہم اپنے جانوروں کو اس وقت تک پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ چرواہے جو کنویں پر پانی پلا رہے ہیں پانی پلا کر جانوروں کو ہٹا کر نہ لے جائیں۔ ایک تو حیا کے سبب، دوسرے مَردوں سے مزاحمت ناتوانوں سے کب ہو سکتی ہے؟ اور اس حالت میں تو ہم آتے بھی نہیں مگر ہمارے باپ

---

۱۹۸۔ الکھف: ۷۷

بہت بوڑھے ہیں اور گھر پر اور کوئی کام کرنے والا نہیں، اور کام ضروری ہے، اس مجبوری سے ہم کو آنا پڑتا ہے۔

پس یہ سن کر موسیٰ علیہ السّلام کو رحم آیا اور انہوں نے ان کے لیے پانی کھینچ کر ان کے جانوروں کو پلایا اور ان کو انتظار اور پانی کھینچنے کی تکلیف سے بچایا۔ پھر وہاں سے ہٹ کر ایک سائے کی جگہ میں جا بیٹھے۔ پھر جناب باری تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! اس وقت جو نعمت بھی قلیل یا کثیر آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا سخت حاجت مند ہوں (کیوں کہ اس سفر میں کچھ کھانے پینے کو نہ ملا تھا) حق تعالیٰ نے اس کا یہ سامان کیا کہ وہ دونوں بیبیاں اپنے گھر لوٹ کر گئیں تو باپ نے معمول سے جلدی آجانے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السّلام کا تمام قصّہ بیان کیا۔ انہوں نے ایک لڑکی کو بھیجا کہ ان کو بلا لاؤ۔ موسیٰ علیہ السّلام کے پاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی، جو کہ اہلِ شرافت کی طبعی حالت ہے اور آکر کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں، تاکہ تم کو صلہ دیں کہ تم نے ہماری خاطر ہمارے جانوروں کو پانی پلا دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ۔ میں اولادِ ابراہیم سے ہوں۔ اجنبیہ کو بے وجہ بے قصد دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ غرض اس طرح ان بزرگ کے پاس پہنچے۔ یہ بزرگ یعنی لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السّلام تھے۔ حضرت شعیب علیہ السّلام نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو تسلّی دی اور فرمایا کہ اب اندیشہ نہ کرو، تم ظالم لوگوں سے بچ آئے۔ (بیان القرآن، سورۂ قصص)

صاحبِ ''تفسیر علی مہائمی'' تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بدون اجرت طے کیے حضرت شعیب علیہ السّلام کے جانوروں کو پانی پلایا، اور پانی پلا کر الگ سائے میں بیٹھ کر حق تعالیٰ سے دعا کی:

رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ﴿۲۴﴾[۱۹۹]

---

[۱۹۹] القصص:۲۴

اے میرے پروردگار! جو نعمت بھی قلیل یا کثیر آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا سخت حاجت مند ہوں۔

حالاں کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام چاہتے تو کچھ اجرت ٹھہرا لیتے، مگر باوجود بھوک کی حاجت کے بدون اجرت کام کردیا، اور یہ معاملہ حضرت خضر علیہ السّلام نے کیا تو اس پر اعتراض فرمایا۔ یہ قرآنی لطائف ہیں جو حق تعالیٰ شانہٗ اپنے مقبول بندوں کو القاء فرمادیتے ہیں۔

## حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت خضر علیہ السّلام کے واقعے سے عوام کو ایک دھوکا اور اس پر تنبیہ

حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے اس قصے سے بعض لوگوں کو یہ دھوکا لگا کہ علمِ باطن جو حضرت خضر علیہ السّلام کو حاصل تھا، علمِ شریعت سے جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو حاصل تھا افضل ہے، ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام حضرت خضر علیہ السّلام کی شاگردی کیوں اختیار فرماتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اولوالعزم پیغمبر ہیں اور انبیائے اولوالعزم کے برابر دوسرے کو یہ علم نہیں ہوتا، لیکن قصّہ یہ ہوا کہ ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بنی اسرائیل میں وعظ فرمایا تو کسی نے پوچھا کہ اس وقت آدمیوں میں سب سے بڑا عالم کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں۔ مطلب یہ تھا کہ ان علوم میں کہ جن کو قرب الی اللہ کی تحصیل میں دخل ہے، میرے برابر کوئی نہیں، لیکن چوں کہ ظاہراً لفظ مطلق تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ آپ کو احتیاط فی الکلام کی تعلیم دی جائے، اس لیے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا بندہ مجمع البحرین میں تم سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے۔

مطلب یہ تھا کہ بعض علوم میں وہ زیادہ ہیں، گو ان علوم کو قربِ الٰہی میں دخل نہ ہو، پس یہاں حضرت خضر علیہ السّلام کی فضیلتِ جزوی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی فضیلتِ کلّی کے منافی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو حضرت خضر علیہ السّلام کی شاگردی کا حکم نہیں ہوا تھا، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی مصلحت کے لیے از خود حضرت خضر علیہ السّلام کی مصاحبت کا اپنے اوپر التزام فرمالیا تھا۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: جن بزرگوں کے سپرد دین کی خدمت ہوتی ہے یہ قطب الارشاد اولیاء اللہ افضل ہیں ان اولیاء اللہ سے جن کے سپرد تکوینی خدمات کی جاتی ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجاذیب کی صحبت سے کچھ نفع نہیں ہوتا، کیوں کہ وہ تو وہی کریں گے جو ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے، اور قطب الارشاد حضرات سے دین کا نفع تو ظاہر ہی ہے، لیکن وہ مباح مقاصدِ دنیویہ کے لیے بھی نافع ہیں، اس طور سے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، اور حدیث شریف میں ہے: لَا یُرَدُّ الْقَضَاءُ اِلَّا بِالدُّعَاءِ یعنی قضائے الٰہی نافذ ہونے کے بعد بھی دعا کی برکت سے واپس ہوجاتی ہے۔ اس تقدیر کا نام تقدیرِ معلّق ہے۔ علمِ الٰہی میں اس قسم کی قضا مشروط ہوتی ہے کہ مثلاً فلاں بندہ جب دعا کرے گا تو یہ بلا فلاں بندے پر نازل نہ ہوگی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کا واقعہ ارشاد فرمایا تھا کہ انہوں نے کسی بزرگ کے متعلق لوحِ محفوظ میں دیکھا کہ جہنمی لکھا ہوا ہے، پھر انہوں نے دعا کی، کچھ دن کے بعد پھر کشف ہوا، دیکھتے ہیں کہ اب لوحِ محفوظ میں ان ہی بزرگ کے متعلق جنتی لکھا ہوا ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ادب اور ان کی عبدیتِ کاملہ

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی عبدیت اور شانِ ادب کو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَّذِیۡ خَلَقَنِیۡ فَھُوَ یَھۡدِیۡنِ ﴿۷۸﴾ وَ الَّذِیۡ ھُوَ یُطۡعِمُنِیۡ وَ یَسۡقِیۡنِ ﴿۷۹﴾ وَ اِذَا مَرِضۡتُ فَھُوَ یَشۡفِیۡنِ ﴿۸۰﴾[200]

---

[200] الشعرآء: ۷۸-۸۰

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک ایسی ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا، پھر وہی میری مصلحتوں تک راہ نمائی کرتا ہے، یعنی عقل اور فہم دیتا ہے، جس سے نفع وضرر کو سمجھتا ہوں اور جو کہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں جس کے بعد شفا ہو جاتی ہے تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔ (بیان القرآن)

حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ **وَ اِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِيۡنِ** کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ مرض جو کہ ایک گونہ نقص یعنی عیب کی بات ہے اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی طرف منسوب کیا، اور آگے جو فرمایا:

**وَ الَّذِىۡ يُمِيۡتُنِىۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡنِ ﴿۸۱﴾**

اور جو مجھ کو وقت پر موت دے گا، پھر قیامت کے روز مجھ کو زندہ کرے گا۔

تو موت کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف جو کی اس میں شبہ نہ کیا جاوے کہ موت بھی تو عیب اور نقص ہے، پھر اس کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کیوں کی؟ کیوں کہ موت کا دینا بوجۂ عموم کے نقص سے نکل گیا۔

آگے حضرت ابراہیم علیہ السّلام عرض کرتے ہیں: **وَالَّذِىۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ يَّغۡفِرَ لِىۡ خَطِيۡٓـئَتِىۡ يَوۡمَ الدِّيۡنِ ﴿۸۲﴾**[۲۰۱] اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری خطاؤں کو قیامت کے روز معاف کر دے گا۔" اس میں دو ادب ہیں:

ایک تو یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام معصوم اور خلیل اللہ تھے، لیکن اس درجے مقبولیت اور محبوبیت اور معصومیت کے باوجود اپنی اجتہادی چُوک کو خطیئہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے سامنے اپنی عبودیت کا یہی حق تھا۔

دوسرا ادب یہ تھا کہ باوجود رسالت اور خُلّت کے اپنی مغفرت کے لیے یقین کا لفظ نہیں استعمال فرمایا، تاکہ اللہ تعالیٰ پر کسی امر کا واجب ہونا ظاہر نہ ہو۔ عبدیتِ کاملہ کا مقتضا یہی تھا کہ حق تعالیٰ سے مغفرت کی امید رکھی جائے۔ (از بیان القرآن)

---

[۲۰۱] الشعرآء: ۸۲-۸۱

# حضرت نوح علیہ السلام کا ادب اور ان کی عبدیتِ کاملہ

حضرت نوح علیہ السّلام کا بیٹا کنعان جب کفر کے سبب سے طوفان میں غرق ہونے لگا تو حضرت نوح علیہ السّلام نے اس کے غرق ہونے سے قبل اس امید پر کہ شاید حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کے دل میں ایمان القاء فرمادے اور یہ ایمان لے آوے، حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور آپ کا یہ وعدہ بالکل سچا ہے کہ گھر والوں میں جو ایمان والے ہیں ان کو بچالوں گا، اور گویہ کنعان سرِ دست ایمان والا اور مستحقِ نجات نہیں ہے لیکن آپ احکم الحاکمین ہیں اور بڑی قدرت والے ہیں:

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾

اے میرے رب! میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور آپ احکم الحاکمین ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نوح! یہ شخص ہمارے علمِ ازلی میں تمہارے ان گھر والوں میں نہیں جو ایمان لا کر نجات پاویں گے، یعنی اس کی قسمت میں ایمان نہیں ہے، بلکہ یہ خاتمے تک تباہ کار یعنی کافر رہنے والا ہے۔ سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کی تم کو خبر نہیں، یعنی ایسے امرِ محتمل کی دُعا مت کرو، میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم آیندہ نادان نہ بن جاؤ:

فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾[۲۰۲]

(اے نوح) مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کی تم کو خبر نہیں میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادان نہ بن جاؤ۔

حضرت نوح علیہ السّلام نے جب شانِ عتاب دیکھی تو کانپ گئے، اور دعا میں جو کلمات عرض کیے ان کے اندر کس درجہ ادب اور عبودیت ہے، فوراً عرض کیا کہ:

۲۰۲؎ هود: ۴۵-۴۶

رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۴۷﴾

اے میرے رب! میں اس امر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ سے ایسے امر کی درخواست کروں جس کی مجھ کو خبر نہ ہو، اور اگر آپ میری مغفرت نہ فرماویں گے اور مجھ پر رحم نہ فرماویں گے تو میں تو بالکل تباہ ہی ہو جاؤں گا۔

شانِ عتاب میں جو عنوان تھا فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ اسی عنوان کا ادب حضرت نوح علیہ السّلام نے اپنی دعا رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ میں کیا ہے۔

## حضرت یوسف علیہ السلام کی عبدیت کاملہ

حضرت زلیخا علیہا السّلام کے بارے میں سیدنا حضرت یوسف علیہ السّلام کی براءت کے سلسلہ میں خود حضرت زلیخا علیہا السّلام کے خاندان کے ایک بچّے نے شہادت دی کہ

وَ شَہِدَ شَاہِدٌ مِّنۡ اَہۡلِہَا ۚ اِنۡ کَانَ قَمِیۡصُہٗ قُدَّ مِنۡ قُبُلٍ فَصَدَقَتۡ وَ ہُوَ مِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۲۶﴾ وَ اِنۡ کَانَ قَمِیۡصُہٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ فَکَذَبَتۡ وَ ہُوَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۲۷﴾

اور اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے جو شیر خوار بچہ تھا اور حضرت یوسف علیہ السّلام کے معجزے سے بول پڑا، آپ کی براءت پر شہادت دی کہ ان کا کُرتہ اگر آگے سے پھٹا ہے تو تنزلاً و تبرعاً تسلیم کر لیا کہ عورت سچی اور یہ جھوٹے، اور اگر کُرتہ پیچھے سے پھٹا تو عادتاً یقینی ہے کہ عورت جھوٹی اور یہ سچّے۔

دوسری شہادت حضرت یوسف علیہ السّلام کے اس ساتھی کی ہے جس نے قید خانہ میں آپ کے اندر بزرگی کے آثار پا کر آپ سے یوں عرض کیا یُوۡسُفُ اَیُّہَا الصِّدِّیۡقُ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ عجیب ترجمہ تحریر فرماتے ہیں ”اے یوسف!

اے صدق مجسم۔" سبحان اللہ! یہ ترجمہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، وجد آجاتا ہے۔

پیرِ ماسرّ عالم مستی
بادلِ ہوشیار می گوید

تیسری شہادت ان عورتوں کی ہے، جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السّلام کے حُسن کو دیکھتے ہی بجائے لیموں کاٹنے کے اپنی اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں تھیں، جب ان عورتوں سے عزیزِ مصر نے دریافت کیا کہ

مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ

عزیز مصر نے ان عورتوں سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف علیہ السّلام سے اپنے مطلب کی خواہش کی (یعنی ایک نے خواہش کی اور بقیہ نے اس کی اعانت کی کہ اعانت بھی مثل فعل کے ہے) عورتوں نے جواب دیا کہ حَاشَ للہ ہم کو ان میں ذرا بھی تو برائی کی بات معلوم نہیں ہوئی۔

چوتھی شہادت خود عزیز مصر کی بیوی کی ہے، جب اس نے دیکھ لیا کہ حق ظاہر ہو گیا

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾[۲۰۳]

خود عزیزِ مصر کی بیوی نے دیکھا کہ حق ظاہر ہو گیا تو عزیزِ مصر سے کہنے لگیں کہ اب تو حق بات سب پر ظاہر ہو ہی گئی، اب اخفا بے کار ہے، سچ یہی ہے کہ میں نے ان سے اپنے مطلب کی خواہش ظاہر کی تھی اور بے شک اس بات میں کہ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ حضرت یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔

حق تعالیٰ بھی شہادت دے رہے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السّلام نے مجھ سے اس اضطراب کی حالت میں دعا کی:

---

۲۰۳؎ یوسف:۵۱

رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ ۚ وَ اِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ کَیۡدَہُنَّ اَصۡبُ اِلَیۡہِنَّ وَ اَکُنۡ مِّنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۳۳﴾ فَاسۡتَجَابَ لَہٗ رَبُّہٗ فَصَرَفَ عَنۡہُ کَیۡدَہُنَّ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۴﴾ [۲۰۴]

حضرت یوسف علیہ السّلام نے (جو یہ باتیں سنیں اور دیکھا کہ یہ عورت تو بے ڈھب پیچھے پڑی ہے اور سب اسی کی ہاں میں ہاں ملاتی ہیں، تو) حق تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب! جس (واہیات) کام کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلارہی ہیں اس سے تو جیل خانے میں جاناہی مجھ کو زیادہ پسند ہے، اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہیں کریں گے تو ان کی صلاح کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔ سو اُن کی دعا اُن کے رب نے قبول کی، اور ان عورتوں کے داؤ پیچ کو ان سے دور رکھا، بے شک وہ دعاؤں کا بہت سننے والا اور ان کے احوال کا خوب جاننے والا ہے۔

اتنی شہادتوں کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام کی عبدیتِ کاملہ کو دیکھیے، فرماتے ہیں:

وَ مَاۤ اُبَرِّیُٔ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾ [۲۰۵]

میں اپنے نفس کو (بالذات) بَری (اور پاک) نہیں بتلاتا (کیوں کہ) نفس تو (ہر ایک کا) بُری ہی بات بتلاتا ہے، بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے (اور اس امر بالسّوء کا مادّہ نہ رکھے، جیسے انبیاء علیہم السّلام کے نفوس ہوتے ہیں، مطمئنّہ، جن میں یوسف علیہ السلام کا نفس بھی داخل ہے، خلاصۂ مطلب یہ ہوا کہ میری نزاہت و عظمت میرے نفس کا ذاتی کمال نہیں کہ تخلّف محال ہو، بلکہ رحمت و عنایتِ الٰہیہ کا اثر ہے اس لیے وہ امر بِالسُّوء نہیں کرتا، ورنہ جیسے اوروں کے نفوس ہیں ویساہی میرا ہوتا) بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔ (بیان القرآن)

نفس کی صفت اَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡءِ بروزن فَعَّالَۃٌ صیغۂ مبالغہ ہے، یعنی بہت امر

---

[۲۰۴] یوسف: ۳۳۔۳۴

[۲۰۵] یوسف: ۵۳

کرنے والا بُری باتوں کا۔ پھر یہی نفس جب بُری باتوں سے توبہ کرلے تو مرتبۂ توبہ میں یہ نفس لَوَّامَہ کہلاتا ہے۔ اب توبہ کی برکت سے حق تعالیٰ کی رحمت وعنایت اس پر ہوتی ہے، جس کے اثر سے یہ نفس مطمئنہ ہوجاتا ہے۔ پھر جب دنیا سے چل چلاؤ ہوتا ہے تو دو خطاب اس کو اور عطا ہوتے ہیں: رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً اے نفس مطمئنہ! تو اللہ سے راضی اور اللہ تجھ سے راضی۔

دونوں جانب سے اشارے ہوچکے
ہم تمہارے تم ہمارے ہوچکے

## نفس کے پانچ خطابات

پس اس نفس کے پانچ خطابات ہیں:۔ امّارہ بالسّوء، لوّامہ، مطمئنہ، راضیہ، مرضیہ۔ حق تعالیٰ کے مقبول بندوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر ہمیشہ بدگمان رہتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السّلام نے اپنی عبودیت اور عجز کو عظمتِ الٰہیہ کے سامنے پیش کردیا، کہ میں اپنے نفس کو بَری نہیں بتلاتا، نفس تو بُری ہی بات بتلاتا ہے۔

اور حق تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السّلام کے اس قول پر یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کیوں کہہ رہے ہو جب کہ ہم آپ کی براءت پر شہادت دے رہے ہیں، اس سے یہ بتادیا کہ بندوں کی طرف سے ہم کو یہی پسند ہے۔

یہاں تک تو اپنی عبدیتِ کاملہ کا اظہار تھا، آگے حق تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ کا حق ادا فرمارہے ہیں: اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ بجز اس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔

عارفین کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اپنی طاعات و حسنات کو حق تعالیٰ کی رحمت اور عنایت سمجھتے ہیں۔ جن اعضا سے ہم عبادت کرتے ہیں وہ بھی تو ان ہی کے دیے ہوئے ہیں، اور ان اعضا میں قوتیں کام کرنے کی کہاں سے آئیں؟ ایسے جوڑ دار اعضا جو قیام، رکوع، سجدے میں بآسانی پھیلتے اور سُکڑتے ہیں کس نے پیدا کیے؟ کیا ہمارا ہے جو ہم اپنے وجود کا نام لیتے ہیں؟

# لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ....الخ کی عجیب تقریر

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ دعا جنّت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔[۲۰۶] اس میں فنائیت اور عبدیت کی عجیب تعلیم ہے، بندوں کی طرف سے درخواست ہورہی ہے کہ اے علو اور عظمت والی ذات! آپ اپنی بلندی اور رفعتِ شان کا استحضار مجھ کو نصیب فرمادیجیے تاکہ میں اپنی نگاہ میں پست ہوجاؤں، اور اپنی عظمت و کبریائی کا استحضار مجھ پر غالب فرمادیجیے تاکہ میں اپنی نگاہ میں حقیر ہوجاؤں۔

علی اور عظیم دوناموں کی برکت سے استعانت کی درخواست ہورہی ہے۔ عُلو کے مقابلے میں پستی اور عظمت کے مقابلے میں حقارت ہے، اس دعا میں حق تعالیٰ کی یہ دونوں صفتیں بندوں سے یہ مطالبہ کررہی ہیں کہ میرے علو کے سامنے پست ہوجاؤ اور میری عظمت کے سامنے حقیر ہوجاؤ، جب یہ نعمتیں مل گئیں تو سب کچھ مل گیا، یہی پستی اور نیستی تو حاصلِ عبدیت ہے، ''بندگی نبود بجز افگندگی۔'' بندگی اسی کا نام ہے کہ اپنے کو مٹادے ؎

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نگیرد فضلِ شاہ

بندگی کا راستہ فہمِ خاطر تیز کرنے کا نام نہیں ہے، بغیر شکستگی کے حق تعالیٰ کا فضل دستگیری نہیں فرماتا ہے۔

جب علو اور عظمتِ الٰہیہ کا غلبہ ہوا تو اپنی حقیقت معلوم ہوئی کہ ہم تو محض مٹی کے ایک ڈھیر ہیں اور جب ہم نہایت ضعیف اور عاجز ہیں تو حق تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کے شایانِ شان کیسے عبادت ہوسکتی ہے؟ اور غلامی کا حق ادا کرنا ضروری ہے، پس کوئی چارہ نہ دیکھا بجز اپنی عاجزی اور بے چارگی کے اظہار کے اور حق تعالیٰ سے استعانت طلب

---

[۲۰۶] صحیح البخاری: ۱۰۹۹/۲، باب قولہ وکان اللہ سمیعا بصیرا، المکتبۃ القدیمیۃ

کرنے کے، لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں کو درخواست کا مضمون بتلادیا کہ اس طرح سے عرض کرو کہ اے اللہ! نہ گناہوں سے پھرنے کی طاقت ہے نہ نیک اعمال کرنے کی قوت ہے مگر آپ کے دوناموں علیّ اور عظیم کی مدد سے۔

اس دعا میں اپنی بے چارگی پیشِ نظر ہے کہ ہم ضعیف ہیں، ہماری نگاہ تو صرف آپ کے کرم پر ہے، بس اس حقیر پر کرم فرمادیجیے، کہ اس کی نگاہ جب صرف ہماری ذات پر ہے تو اس کو محروم کیسے کروں۔ میرے علو اور میری عظمت کی شان کے خلاف ہے کہ میں ایسے عاجز پر رحم نہ کروں اور خالی ہاتھ اپنے دربار سے واپس کردوں۔

جب اپنے حول اور قوت پر نگاہ ہوتی ہے اس وقت وہاں سے مدد نہیں آتی، کیوں کہ رحمت کا پانی نشیب اور پستی تلاش کرتا ہے، یہی راز ہے کہ جب مؤذن حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ''آؤ نماز کے لیے'' کہے تو لَبَّیْکَ یَارَبِّیْ! حاضر ہوں اے میرے رب کی تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی، بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت اپنی عاجزی اور ضعف ظاہر کرو، یعنی لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہو۔ ''اے اللہ! نہیں طاقت ہے گناہوں سے پھرنے کی اور نیک عمل کرنے کی مگر آپ کی مدد سے۔''

ایک بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز سے قبل لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کو اس کے معنیٰ کا خیال کرکے پڑھ لیا کرے تو اس کی نماز بہت عمدہ نماز ہوگی اور کثرتِ وساوس سے محفوظ رہے گی۔

اب کوئی کہے کہ صاحب! یہاں تو جو کچھ حول اور قوّت تھی اس کی بھی نفی ہورہی ہے، تو خزانہ جنت کا بھلا کیا ہاتھ لگے گا؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ سلب اور نفی کس سے ہورہی ہے؟ اپنے بودے لچر نفس سے، اور اس حول اور قوّت کو کہاں جوڑا جارہا ہے؟ اس ذاتِ پاک کے خزانے سے جو باقی ہے۔ یہ خبر حکم میں انشاء کے ہے، یعنی أَسْأَلُکَ الْحَوْلَ وَالْقُوَّۃَ بِعَوْنِ اللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پس ازراہِ نیستی و عبودیت سلب و نفیٔ حول اور قوت سے جلبِ رحمت کا سوال ہے، اور جب اُن کی رحمت ہماری دستگیری فرمانے لگے تو سمجھ لو

کہ جنت کا خزانہ مل گیا۔ جب یہاں رحمت فرمانے لگے تو وہاں بھی محروم نہ فرمائیں گے، اور ان کی رحمت جب سائلین کو بھیک عطا کرتی ہے تو وہ عطا اُن کی شان کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ پس بندہ جب بھیک کا پیالہ اپنے فانی حول اور قوّت سے خالی کر کے حق تعالیٰ کے دربار میں پیش کر دیتا ہے تو حق تعالیٰ کا کرم جوش میں آکر جنت کا خزانہ سونپ دیتا ہے، جس کے ثمرات اور نعمتوں کو کبھی فنا نہیں، مَا عِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ بَاقٍ ؕ "جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔"

جب اپنے حول اور اپنی قوت کو بندہ اپنی ذات سے نفی کر کے حق تعالیٰ کے خزانے میں جمع کر دیتا ہے تو حق تعالیٰ کے یہاں سے عطا فرمودہ حول اور قوّت سے جو اعمالِ حسنہ پیدا ہوتے ہیں وہ غیر فانی ہوتے ہیں، اور اس کی غیر فانی جزا اور ثمرات جنّت تک پہنچا دیتے ہیں، حتیٰ کہ شہداء جس جسم کو حق تعالیٰ کی راہ میں قربان کرتے ہیں وہ جسم بھی باقی ہو جاتا ہے، وہ ایسے باقی ہے کہ ان کے خزانے میں پہنچ کر فانی بھی باقی ہو جاتا ہے، کیوں کہ حق تعالیٰ نے قاعدۂ کلیہ بیان فرمادیا مَا عِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ بَاقٍ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو حق تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔

پس انسان اپنی تمام قوتِ بینائی، شنوائی، گویائی کو اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق چلتا ہے، دیکھتا ہے، سنتا ہے، تو یہ سب اعمال باقی بن جاتے ہیں، اور خزانۂ الٰہیہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔

رنگِ صدق و رنگِ تقویٰ و یقیں
تا ابد باقی بود بر عابدیں

پس اپنی قوتوں کی نفی کر کے باقی سے تعلق جوڑ لو۔ حق تعالیٰ کی عنایت سے جو حول اور قوّت عطا ہو گی وہ ایسی باقی ہو گی کہ مع اپنے ثمرات اعمالِ حَسنہ کے تم کو جنّت میں لے جاوے گی، اور اپنی خواہشاتِ نفسانیہ میں اگر یہ قوّتیں خرچ ہوتی رہیں گی تو وہ سب فانی ہو کر مستوجبِ سزا ہوتی ہیں۔

ہدایت اور اصلاح کے لیے اس ورد کی کثرت نہایت مفید ہے اور عجیب التاثیر ہے۔ کم از کم پانچ سو مرتبہ اگر یہ ورد لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھ لیا جاوے تو گناہوں سے بچنے کی ہمت اور نیک اعمال کرنے کی قوت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو جاتی ہے۔ اگر اتنا نہ ہو سکے تو ستّر ہی بار پڑھ لیا جاوے۔ عبادت کرتے کرتے اگر اپنے اوپر خود بینی والی نگاہ پڑنے لگے تو فوراً اس وِرد کو اس کے معانی کا خیال کر کے پڑھنے لگے، اس وِرد کی برکت سے شیطانی قدم تکبّر اور خود بینی کا اکھڑ جاتا ہے۔

گناہوں سے پھرنے کی طاقت کی درخواست کو مقدم فرمایا ہے، کیوں کہ ہر گناہ سببِ ناراضگیٔ حق ہے اور نیکی کی توفیق فضل و رحمتِ حق ہے، پس جلبِ رحمتِ حق کے لیے دفعِ ناراضگیٔ حق کا تقدم ضروری ہے۔ جو شخص اصلاحِ نفس سے عاجز ہو رہا ہو اس کے لیے اس وِرد کی کثرت از بس نافع ہے۔ حضرت میاں چاند شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو اکثر یہی وِرد تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

اس راہ میں فنائیت اور عاجزی ہی سے کام چلتا ہے۔ بڑے بڑے عابدین ناز اور تکبّر کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، ان کو معرفت نہ تھی، اگر اللہ کی عظمت کو پہچانتے تو ہرگز کبھی اپنے اعمالِ حسنہ اور طاعات پر نظر نہ جاتی۔ اللہ والے اگر کبھی اپنے اندر وسوسہ بھی کبر کا محسوس کر لیتے ہیں تو فوراً نفس کا مزاج درست کر دیتے ہیں۔

## واقعۂ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں ایک مشک پانی سے بھری ہوئی اپنی پشت پر رکھ کر کسی غریب مسلمان کے دروازے پر آواز دی کہ دروازہ کھولو، بہشتی پانی بھرے گا، لوگوں نے عرض کیا: یا امیر المؤمنین! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ خلیفۃ المسلمین ہیں، آپ کو سقّہ بننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ ارشاد فرمایا کہ میرے نفس میں خیال گزرا کہ عمر کے پاس قیصر و کسریٰ کے وفود آتے ہیں، پس میں نے اپنے نفس کا یہ علاج کیا ہے، تا کہ نفس کا مزاج درست ہو جائے۔

اللہ اکبر! عارفین کی یہی شان ہوتی ہے۔ عارفین تو عبادت کر کے ڈرتے رہتے ہیں کہ نہ معلوم کوئی گستاخی نہ ہوگئی ہو، سید العابدین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی عظمت کے شایانِ شان آپ کی غلامی کا ہم سے حق ادا نہ ہوسکا، تو پھر کس کا منہ ہے جو دعویٰ کرے ادائیگیٔ حقِ عبدیت کا؟ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ مغفرت بدون رحمتِ حق کے محض اعمال سے نہ ہوگی۔

## کوئی شخص محض اعمال سے نہ بخشا جائے گا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”کوئی شخص محض اپنے اعمال سے نہ بخشا جائے گا۔“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا: ”ہاں! میں بھی نہیں بخشا جاؤں گا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لیں۔“

ہمارے اعمال درحقیقت جزا کے قابل نہیں ہیں، کیوں کہ ہم ناقص ہیں، ہماری ذات میں احتیاج اور ضعف داخل ہے، ہمارے اعضا سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں ان میں نقصان ہوتا ہے۔

## اعمال پر جزا دراصل عطا ہے

قرآنِ پاک میں جہاں جہاں بندوں کے اعمال پر جزا کا وعدہ آیا ہے تو وہ درحقیقت ہمارے ٹوٹے پھوٹے اعمال کی جزا نہیں ہوگی، بلکہ وہ حق تعالیٰ کی عطا ہوگی۔ اس حقیقت کو حق تعالیٰ شانہٗ نے تصریحاً ارشاد بھی فرمادیا ہے: جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا (ان نیکیوں کا بدلہ ملے گا جو کہ کافی انعام ہوگا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب کی طرف سے) یعنی تمہارے اعمال تو جزا کے قابل نہ تھے، لیکن چوں کہ ان ناقص اعمال کا تعلق تمہارے اعضا سے تھا اس وجہ سے ہم نے غایتِ کرم سے حوصلہ افزائی کے طور پر ان انعامات کا نام جزا رکھ دیا، تاکہ تمہارا دل خوش ہوجائے، ورنہ یہ جزا درحقیقت ہماری طرف سے عطا ہی ہوگی۔

# حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آخری وصیت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب خنجر لگا اور شہادت کا وقت قریب آ پہنچا تو آپ نے آخری وصیت یہ فرمائی کہ اپنے کو سب سے بُرا سمجھنا، جو اپنے کو اچھا سمجھے گا ہلاک ہو جائے گا۔ اتنے میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے (یہ رومی نہ تھے، لیکن اہلِ روم ان کو پکڑ کر لے گئے تھے اس لیے رومی کا لقب پڑ گیا تھا) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حالتِ نزع میں دیکھ کر رونے لگے، وَاعُمَرَاہُ، وَاحَبِیْبَاہُ، وَااَخَاہُ"[۲۰۷] کہنے لگے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا بات فرمائی؟ ایسی بات فرمائی جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، دوسروں کو بندگی سکھا گئے، ارشاد فرمایا: "اے صہیب! میری تعریف مت کرو، اگر حق تعالیٰ مجھے کسی عمل پر اجر نہ دیں صرف برابر سرابر چھوڑ دیں تو میں اس کو غنیمت سمجھوں گا۔"

یہ حضرات دین کی سمجھ رکھنے والے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مَنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ فَقَدْ عُذِّبَ[۲۰۸] "جس سے حساب میں کُرید ہوگی قیامت کے دن تو سمجھ لو کہ بس اس کی خیر نہیں، وہ عذاب میں پکڑ لیا گیا۔"

اسی لیے اس دعا کی تعلیم دی گئی کہ:

اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

اے اللہ! قیامت کے دن مجھ سے حساب آسان فرما۔

اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ذرّہٴ سایہ عنایت بہتر است
از ہزاراں کوششِ طاعت پرست

ایک ذرّہ عنایتِ حق کا سایہ بہتر ہے طاعت پرست کی ہزاروں کوشش سے

---

[۲۰۷] تاریخ المدینۃ لابن الشیبۃ: ۳/۹۰۷، مقتل عمر بن الخطاب وامر الشوریٰ، مطبوعہ جدۃ

[۲۰۸] صحیح البخاری: ۲/۹۶۷ (۶۵۷۵)، باب من نوقش الحساب عذب، المکتبۃ المظھریۃ

زانکہ شیطاں خشتِ طاعت بر کند
گر دو صد خشت است خود را کند

اس واسطے کہ شیطان عبادت کی اینٹ ہٹادیتا ہے، اور دو سو اینٹیں بھی ہوں تب بھی اس کے اندر اپنا راستہ کرلیتا ہے۔

یعنی طاعات میں ریا و نمود کی آمیزش کرکے طاعات کو خراب کردیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو سالک کسی اللہ والے سے دین کی باریک سمجھ نہیں حاصل کرتا ہے اس کی ہر عبادت میں نفس اور شیطان کا شمول ہو جاتا ہے۔

## عابدِ بے سمجھ

عابدِ بے سمجھ چند رکعت نفلیں اور کچھ ذکر و تلاوت کے بعد دوسروں سے اپنے کو افضل سمجھنے لگتا ہے اور دوسروں کو حقیر اور گناہ گار سمجھ کر خلوت میں اپنے ناز اور پندار کی بت پرستی میں مبتلا رہتا ہے، ایسے ہی خلوت نشینوں کے متعلق حضرت سعدی فرماتے ہیں۔

خیالاتِ نادانِ خلوت نشیں
بہم بر کند عاقبت کفر و دیں

جاہل بے سمجھ خلوت نشیں کے خیالات بالآخر کفر اور دین کو خلط ملط کردیتے ہیں۔

ایسے شخص کی یہ خلوت نشینی اور بھی موجبِ ہلاکت ہے، کیوں کہ مخلوق سے تو الگ ہوا لیکن اپنے نفس سے نہ الگ ہوا۔

## حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے دو شعر میں اپنے پیر کی دو نصیحتیں بیان فرمائی ہیں، فرماتے ہیں۔

مرا پیر دانائے فرّخ شہاب
دو اندر ز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش
دویم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے پیر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں دو نصیحتیں ارشاد کی ہیں: ایک تو یہ کہ اپنے اوپر کبھی نگاہ خود بینی کی مت ڈالنا، دوسرے یہ کہ کسی دوسرے پر بد بیں مت ہونا۔

## خلوت نشینی کب محمود ہے؟

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی خلوت اختیار کرے تو یہ سمجھ کر کرے کہ ہم گناہ گار ہیں اور بُرے ہیں، مخلوق ہماری بُرائی اور شر سے محفوظ رہے گی اور جو شخص مخلوق کو بُرا اور بد عمل سمجھ کر خلوت نشین ہو جائے یہ نہایت بُرا شخص ہے، تکبّر میں مبتلا ہے، اس کی نیت درست نہیں ہے۔ کاملین نے تو اپنے کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھا ہے، کیوں کہ اپنے خاتمے کا حال نہیں معلوم کہ کیا ہو گا۔ پس اس اعتبار سے تو فی الحال جانور ہم سے اچھے ہیں، کیوں کہ ان کے لیے حساب کتاب جنّت جہنم کچھ نہیں ہے۔

ازیں بر ملائک شرف داشتند
کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

"اولیاء اللہ اس سبب سے فرشتوں سے فوقیت لے جاتے ہیں کہ اپنے کو کتے سے بھی بہتر نہیں سمجھتے ہیں۔"

## حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

ہمارے دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں اس نیت سے بیعت کر لیتا ہوں کہ قیامت کے دن مُرید پیر کو جہنم میں جاتا ہوا دیکھ کر ترس کھائے گا، ہاتھ پکڑنے کی لاج آوے گی، شاید اسی کی برکت سے بخش دیا جاؤں۔

اللہ اکبر! یہ شیخ العرب والعجم کے کلمات ہیں۔ یہ ہیں اولیائے اللہ، یہی ولایت

کی نشانی ہے کہ اپنے کو سب سے کمتر سمجھتے ہیں۔ جاہل پیر خود کو مریدوں سے افضل سمجھتا ہے، جاہل استاد شاگردوں سے اپنے کو افضل سمجھتا ہے، لیکن اللہ والے بظاہر تو مریدوں اور شاگردوں کی تربیت کے لیے ڈانٹ ڈپٹ بھی کرتے ہیں لیکن وہ سوچتے ہیں کہ مرغی کے نیچے کبھی بط اور ہُما کے انڈے بھی رکھ دیے جاتے ہیں، ان انڈوں سے جو بچّے نکلیں گے وہ مرغی سے افضل ہوں گے، البتہ تربیت کا حق اپنی جگہ پر ہو گا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اپنے کو دوسروں سے کمتر سمجھنے کے لیے احتمال کافی ہے، یقینی علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے۔ کاملین اپنے نفس کی عُجب اور کبر سے ہر وقت نگرانی رکھتے ہیں اور اپنے متعلقین کو بھی نفس کی چالوں سے باخبر کرتے رہتے ہیں۔

## سچا پیر

سچا پیر طالب کے لب و لہجے اور اس کی گفتگو، اس کی چال ڈھال، اس کے اندازِ نشست میں تکبر کی لہروں کا پتا بتاتا ہے۔ طالب کو ہر قدم پر روک ٹوک کرتا ہے۔ اس کی تمام حرکات و سکنات میں اس کی نفسانی چالوں کی نگرانی کرتا رہتا ہے، اور جہاں سے نفس کی رگ ابھری ہوئی دیکھتا ہے وہیں ڈانٹ ڈپٹ سے اس رگِ بد کو کچل دیتا ہے، اسی کا نام پائمالی ہے۔

قال را بگزار مردِ حال شو
پیشِ مردِ کاملے پامال شو

شیخ کی ایک معتدبہ صحبت اٹھانے کے بعد طالب میں دین کی باریک سمجھ پیدا ہو جاتی ہے۔

## غفلت کے تالے

غفلت کے تالے قلب کے ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ وہی تالے ہوتے ہیں جن کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے: اَللّٰھُمَّ افْتَحْ أَقْفَالَ قُلُوْبِنَا[۲۰۹]

---

۲۰۹؎ کنز العمال: ۷/۶۹۹ (۲۰۹۹۰)، فصل رابع فی الاذان والترغیب فیہ... الخ، مؤسسۃ الرسالۃ

"اے اللہ! ہمارے دلوں کے تالوں کو کھول دیجیے۔" اب یہ طالب خود بھی اپنے نفس کو ہر سوراخ سے دیکھ لیتا ہے اور ریا و تکبّر کے اثر کو اپنے لب و لہجے میں اپنی چال میں نشست و برخاست میں پہچان لیتا ہے، اور ہر وقت اپنے کو تراش و خراش کا محتاج پاتا ہے، اور مرتے دم تک اس نگرانی سے فرصت نہیں پاتا ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمے آخر دمے فارغ مباش

اس مقام پر عارف جب نورِ بصیرت سے اپنے نفس کو مثل سانپ کے ہر سوراخ تن سے سر نکالتے ہوئے مشاہدہ کرتا ہے تو بے ساختہ بزبانِ حال کہہ اٹھتا ہے ؎

## عارف کی مناجات

نالہ کردم کہ توعلّام الغیوب
زیرِ سنگِ مکرِ بد مارا مکوب

اے علّام الغیوب! میں تجھ سے اپنے نفسِ نافرجام کا نالہ کرتا ہوں کہ اس مکرِ بد کے پتھر کے نیچے مجھے کوٹنے سے پناہ دیجیے۔

دستِ ماچوپائے ما را می خورد
بے امانِ تو کسے جاں کے برد

جب ہمارا ہاتھ ہی ہمارے پیر کو کھائے لیتا ہے تو آپ کی امان کے بغیر کوئی جان کو محفوظ کب لے جاسکتا ہے ؎

اے خدا آں کن کہ از تو می سزد
کہ ز ہر سوراخ مارم می گزد

اے خدا! وہ معاملہ فرمایئے جو آپ کے لائق ہے، یعنی عنایتِ کاملہ، کیوں کہ ہر سوراخ سے میرے نفس کا سانپ مجھے ڈس رہا ہے۔

خوش سلامت ما بساحل باز بر
اے رسیدہ دستِ تو در بحر و بر

اے وہ ذات کہ آپ کا دستِ قدرت بحر و بر میں ہر جگہ ہے! اپنی اس قدرتِ کاملہ کے صدقے میں سلامتی کے ساتھ میری کشتی کو ساحل تک پہنچا دیجیے۔

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی
گرچہ جوئے خون بود نیلش کنی

اے اللہ! آپ اپنی قدرت میں وہ اثرِ کیمیاوی رکھتے ہیں کہ میرے دریائے خون، یعنی اخلاقِ رذیلہ (بُری عادتوں) کو دریائے نیل یعنی اخلاقِ حمیدہ (اچھی عادتوں) سے تبدیل فرماسکتے ہیں۔

## اصلاحِ نفس کے لیے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ارشاد فرمودہ دعا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو نفس کی چالوں سے بچنے کے لیے عجیب جامع دعا تعلیم فرمائی ہے، اس دعا کو ہر روز کم از کم ستّر بار ضرور معمول بنالینا چاہیے۔ دنیا اور آخرت دونوں جہاں کی درستی اس دعا کی برکت سے ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ،
وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ

اے حقیقی زندہ! اے حقیقی سنبھالنے والے! میری ہر حالت کو درست کر دیجیے، اور مجھے پلک جھپکنے تک کو بھی میرے نفس کے حوالے نہ کیجیے۔

جب آدمی اس راستے کو قطع کرتا ہے اور کسی عارفِ کامل کی صحبت میسّر ہو جاتی ہے تب نفس کے خفیہ مکائد کا ادراک ہوتا ہے۔

## کبھی اخلاقِ حمیدہ اور اخلاقِ رذیلہ میں نفس خلط کر دیتا ہے

کبھی اخلاقِ رذیلہ اور اخلاقِ حمیدہ دونوں میں نفس خلط کر دیتا ہے۔ بے سمجھ سالک

کی تواضع کو حدِ ناشکری تک پہنچادیتا ہے۔ اس کی تحدیث بالنعمت میں ریا اور فخر شامل ہو جاتا ہے اور اس کو پتا بھی نہیں لگتا۔ اسی طرح استغنا عن الخلق یعنی مخلوق سے بے پروائی کو بد خلقی کی حد تک پہنچادیتا ہے۔ یہ شیخ مبصّر کا کام ہے، جو سالک کو آگاہ کرتا ہے کہ تمہاری اس تواضع میں کفرانِ نعمت ہے، یا تمہاری اس تحدیث نعمت میں ریا اور تفاخر داخل ہے، تمہارا یہ استغناء عن الخلق غلبۂ توحید سے ناشی نہیں بلکہ تکبّر کے سبب ہے۔

## استغنا از تکبّر اور استغنا از غلبۂ توحید کا فرق

غلبۂ توحید سے جس استغنا کی شان بزرگوں پر غالب ہو جاتی ہے اس میں تواضع کا اثر ہوتا ہے، کسی کی دل آزاری نہیں ہوتی، اور جو استغنا تکبّر سے پیدا ہوتی ہے اس میں مخلوق کے ساتھ خشکی اور بد خلقی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بحرِ تلخ و بحرِ شیریں ہمعناں
درمیانِ شاں برزخ لا یبغیاں

دریائے شور یعنی اخلاقِ رذیلہ اور دریائے شیریں یعنی اخلاقِ حمیدہ دونوں دوش بدوش چلتے ہیں، لیکن ان کے درمیان فرق ہوتا ہے، جس کو شیخ کامل نورِ فراست سے سمجھ لیتا ہے اور اس کی صحبت کے فیض سے طالب میں بھی یہ سمجھ پیدا ہو جاتی ہے۔

## مبتدی کے لیے تحدیث بالنّعمت جائز نہیں ہے

ہمارے حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مبتدی کے لیے تحدیث بالنعمت جائز نہیں، کیوں کہ ابھی اس کے اندر اخلاص کا رسوخ نہیں، عادتاً اس کا ریا سے محفوظ رہنا ممکن ہے، تحدیث بالنعمت کا مقام منتہی کا ہے۔

## مدارات اور مداہنت کا فرق

اسی طرح مدارات اور مداہنت میں فرق ہو جاتا ہے۔ جو محقق پیر ہوتا ہے وہ دونوں کے فرق سے طالب کو آگاہ کرتا ہے۔ ہمارے حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ

نے مدارات اور مداہنت کا یہ فرق ارشاد فرمایا ہے کہ مدارات کا حاصل اہلِ جہل کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ وہ دین کی طرف آجاویں، اور اہلِ شر کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ ان کے شر سے حفاظت رہے، اور یہ دونوں امر مطلوب ہیں۔ اوّل تو خود دین میں مقصود ہے، ثانی مقصود میں معین ہے، کیوں کہ شریر کی ایذاء میں مبتلا ہو جانے سے احیاناً طاعت میں بھی اور اکثر تبلیغ میں بھی خلل پڑ جاتا ہے۔

اور مداہنت بددینوں کے ساتھ نرمی کرنا ہے، تاکہ ان سے مال اور جاہ کا نفع حاصل کرے۔ مدارات کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **بُعِثْتُ بِمُدَارَاةِ النَّاسِ (وَهَبْ عَنْ جَابِرٍ** رضی اللہ عنہ**)**[۲۱۰] ”میں صفتِ مدارات کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔“ (اور بعثت کے مقاصد میں یہ صفت معین ہے) عارفِ سالک اور غیر عارف سالک میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

## خوفِ ریا سے ترکِ عبادت بھی ریا ہے

غیر عارف سالک کبھی ریا کے خوف سے عبادت ہی ترک کر دیتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ریا کے خوف سے عبادت کا ترک کرنا بھی ریا ہے۔

## اخلاص کا طریقہ

بس رضائے الٰہی کی نیت سے عبادت شروع کر دو۔ اصل تو نیت کی درستی ہے، پھر بھی اگر وسوسہ ریا کا آوے تو وہ ریا نہیں ہے۔ ریا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو خود بخود چپک جاوے۔

## ریا کی حقیقت

ریا کا تحقق جب ہی ہوتا ہے جب رضائے مخلوق کے لیے عبادت کی نیت کی

---

۲۱۰ کنز العمال: ۴۰۷/۳ (۱۶۹)، فصل حرف المیم المداراة، مؤسسة الرسالة

جائے۔ وسوسۂ ریا اور چیز ہے ریا اور چیز ہے، جیسے کہ آئینے کے اوپر مکھی بیٹھ جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ اندر مکھی بیٹھی ہوئی ہے، حالاں کہ آئینے کے اندر نہیں ہے، باہر بیٹھی ہے، اسی طرح وسوسہ قلب کے باہر ہوتا ہے مگر سالک کو اندر معلوم ہوتا ہے، پس وہ پریشان ہوتا ہے، یہ سب حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات ہیں۔

## حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ۷۱ سال کی عمر میں اپنے ایک معمول سے رجوع

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ بڑے محقق عارف تھے اور حد درجہ حق پرست تھے۔ حضرت کے یہاں پہلے ضابطہ تھا کہ جب کوئی نووارد آئے تو بدون سوال کیے ہوئے خود بتادے کہ میں فلاں ہوں، فلاں جگہ سے آیا ہوں اور فلاں مقصد کے لیے حاضر ہوا ہوں، لیکن جب حضرت والا کی نظرِ مبارک سے یہ حدیث گزری کہ **بِالدَّاخِلِ دَهْشَةٌ فَتَلَقَّوْهُ بِمَرْحَبًا**[۲۱۱] **(للدیلمی)** "نئے آنے والے کو اجنبیت کے سبب ایک قسم کی حیرت زدگی یعنی بدحواسی ہوتی ہے سو اس کی آؤ بھگت کرلیا کرو،" تاکہ اس کی طبیعت کُھل کر مانوس ہوجائے، اور حواس بجا ہوجاویں اور ہر قول و فعل کا موقع سمجھ کر نہ خود پریشان ہو نہ دوسرے کو پریشان کرے۔

حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیث میری نظر سے اس وقت گزری جب کہ میری عمر ۷۱ سال کو پہنچ چکی، اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی برکت سے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ اب آنے والے سے میں خود اس کا مقام اور غرضِ آمد اور اس مقام میں جو مشغلہ تھا اس کو پوچھ لیا کرتا ہوں، اس سے ضروری حالت معلوم ہوجاتی ہے اور وہ مانوس ہوجاتا ہے۔ کیسی حق پرستی تھی کہ اپنا کچّا چٹھا سب بیان فرمادیا۔ اہلِ حق کی یہی شان ہوتی ہے کہ خلق سے نظر اٹھ جاتی ہے صرف رضائے حق مقصود ہوتی ہے۔

## سالک غیر عارف اور عارف کا فرق

سالکِ غیر عارف عبادت کرکے یا وعظ بیان کرکے واہ واہ کا منتظر رہتا ہے اور

[۲۱۱] کنزالعمال:۹/۱۵۶(۲۵۴۹۹)،باب السلام وفضائلہ واحکامہ وآدابہ،مؤسسۃ الرسالۃ

عارف عبادت کرکے یا وعظ بیان کرکے حق تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے کہ اے اللہ! جو کچھ میرے نفس کی شرکت ہوگئی ہو اس کی معافی چاہتا ہوں۔ حسنات کرکے شرمندہ ہونا اور استغفار کرنا یہ عارفین کا کام ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے ان کو اپنی ہر غلامی ناقص معلوم ہوتی ہے اور اعمالِ حسنہ کرکے خود کو کچھ سمجھنا یہ جاہل عابدوں کا کام ہے۔ بے صحبت اور تربیت کے اہلِ علم بھی نفس کے ان مکائد سے محفوظ نہیں رہ سکتے، کسی کو مال کا پندار ہے، کسی کو جاہ کا پندار، کسی کو علم کا پندار ہے۔

## اپنی فنائیت کا دعویٰ کرنا خود تکبّر کی نشانی ہے

کسی کو عبادت کا پندار ہے اور کسی کو اس امر کا پندار کہ میں پندار سے نجات پاگیا۔

گفتی بت پندار شکستم رستم
ایں بت کہ پندار شکستی باقیست

اے مخاطب! تونے کہا کہ میں نے پندار کے بت کو توڑ دیا اور میں خلاصی پاگیا، تو تیرا یہ دعویٰ کہ میں نے پندار کے بت کو توڑ دیا یہ خود ایک بت باقی رہ گیا ہے۔

## یہ راستہ بڑا نازک ہے

یہ راستہ بڑا نازک راستہ ہے، نفس کی شرکت ایسے طور پر ہوجاتی ہے کہ آدمی کو پتا نہیں چلتا ہے۔

## اصرار علی المعصیت کے ساتھ صاحبِ نسبت ہونے کا دعویٰ باطل ہے

اسی طرح بعض لوگ نافرمانیوں کو اپنے احوال اور کیفیات کی بنا پر نسبت کے لیے مضر نہیں سمجھتے، جیسا کہ اہلِ باطل اپنے وجد اور غلبۂ شوق سے بقائے نسبتِ باطنیہ پر استدلال کرتے ہیں۔ ہمارے حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اصرار علی المعاصی کے ساتھ بھی اگر ذوق اور کیفیت باقی رہے تو یہ استدراج ہے، ہرگز علامتِ قبول نہیں، کیوں کہ نسبت کی تعریف یہ ہے کہ عبد کی جانب سے حق کے ساتھ

ذکر و طاعت کا تعلق ہو اور حق کی جانب سے عبد کے ساتھ رضا کا تعلق ہو، اور ظاہر ہے کہ معاصی کے ساتھ رضا کہاں۔ اسی طرح بعض وقت اپنے معتقدین اور احباب کے اندر اندازِ نشست میں تکبّر شامل ہو جاتا ہے، آنکھوں کے کھولنے اور بند کرنے میں نفس شامل ہو جاتا ہے، لب و لہجے میں نفس کا اثر ہو جاتا ہے۔

بس حق تعالیٰ جب دستگیری فرماتے ہیں اور اپنی راہ کی سمجھ عطا فرماتے ہیں تو عارف اپنے خطرات اور وساوس تک کی نگرانی کرتا رہتا ہے، اور خاموش بیٹھا ہے مگر حق تعالیٰ کے ساتھ اس کا دل ہی دل میں مناجات کا عالم جاری ہے۔

خامُش اند و نعرۂ تکرارِ شاں
می رود تا عرش و تختِ یارِ شاں

عارفین خاموش ہیں لیکن ان کے تکرار کے نعرے محبوبِ حقیقی کے عرش تک پہنچتے رہتے ہیں۔

## شرکِ خفی کے متعلق ایک حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلشِّرْكُ اَخْفٰی فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ عَلَی الصَّفَا[۲۱۲]

شرک میری امت میں صاف چٹان پر چیونٹی کے چلنے کی آواز سے بھی زیادہ خفی ہو گا۔

**فائدہ:** اس حدیث میں وہ امر مذکور ہے جو اہلِ ارشاد سالکانِ طریق کو جتلاتے رہتے ہیں، یعنی اعمالِ باطنیہ میں تدقیق اور کاوش کرتے ہیں، تاکہ اخلاص ہاتھ سے نہ جاوے اور اہلِ ظاہر اس کو غلو اور تشدّد شمار کرتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ ظاہر کو عمق نہیں حاصل ہوتا ہے، اہلِ دین پر اعتراض کا منشا ہمیشہ جہل ہوتا ہے۔

## ایک اشکال اور اس کا جواب

ایک عالم صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۲۱۲ کنزالعمال:۳/۷۵۰(۵۰۱)، الکتاب الثالث فی الاخلاق، مؤسسة الرسالة

کے زمانے میں صرف اللہ اللہ کا ذکر جو فی زمانہ مشایخ مریدوں کو تعلیم کرتے ہیں ثابت نہیں۔ میں نے ان کو وہی جواب دیا جو ہمارے حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارکہ کے فیض سے نسبت عطا ہو جاتی تھی، ایمان کے ساتھ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا تھا وہ اُسی وقت صاحبِ نسبت ہو جاتا تھا، بعد کو رسوخِ نسبت کے لیے علمائے ربّانیّین نے ذکرِ بسیط تجویز کیا، کیوں کہ ذکرِ مفرد بہ نسبت ذکرِ مرکب کے جلد اوقع فی النفس اور راسخ ہوتا ہے، اور کثرتِ ذکرُ اللہ کا ثبوت قرآن میں موجود ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا اور اپنے اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔ اور تکرارِ مفرد کا ثبوت حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں بھی ثابت ہے، مثلاً سورۂ انشقاق کسی کو یاد کرنا ہوتی تو اِذَا السَّمَآءُ، اِذَا السَّمَآءُ بار بار رٹتے تھے، حالاں کہ اِذَا السَّمَآءُ کے کیا معنٰی ہیں، تو معلوم ہوا کہ اس طور پر رٹنا یعنی تکرار کلمۂ مفرد کا رسوخ کے لیے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی ثابت تھا۔

## حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے بڑا علم عطا کیا تھا۔ ایک بار ارشاد فرمانے لگے کہ اگر ایک ہزار دنیا کے عقلا کسی مسئلے پر اعتراض لے کر ایک طرف بیٹھے ہوں اور مجھے پانچ منٹ کا موقع دیا جائے میں ان شاء اللہ پانچ منٹ میں سب کو لاجواب کر دوں گا، حالاں کہ میں ایک ادنیٰ طالب علم ہوں، علماء کی شان تو بہت بڑی ہے۔

## عارفین کا اپنی نیت کی تحقیق کرنا

عارفین ہر کام میں اپنی نیت کی درستی کرتے ہیں۔ قلب کی گہرائی تک اُن کی نگاہ پہنچتی ہے، دل کو خوب ٹٹولتے ہیں کہ یہ کام جو میں کر رہا ہوں یہ اللہ کی خوشنودی کے لیے کر رہا ہوں یا کسی اور مقصد کے لیے؟ کیوں کہ حق تعالیٰ کی معیتِ خاصّہ سے اُن کو

ہر وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ہمارے باطن کے تمام خطرات ووساوس پر بھی نظر رکھتے ہیں، پس وہ شرکتِ نفس سے دل کو خوب پاک کرکے پاک نیت سے ہر کام کی بنیاد رکھتے ہیں، پھر اس کام میں اخلاص کے انوار ہی انوار ہوتے ہیں ؎

کعبہ را ہر دم تجلّی می فزود
کیں ز اخلاصاب ابراہیم بود

(عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ)

کعبے پر ہر وقت تجلیاتِ الٰہیہ کی افزونی ہوتی رہتی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کس اخلاص سے کعبے کی تعمیر فرمائی تھی کہ جس کی ایسی برکات کعبے پر ظاہر ہورہی ہیں۔

## واقعۂ حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ یاد پڑا۔ایک بار آپ کی ایک کافر سے کُشتی ہوئی، آپ نے جب اس کافر کی پیٹھ لگادی تو اس نے آپ کے رُوئے مبارک پر تھوک دیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو چھوڑ دیا، اس کافر کو سخت حیرانی ہوئی اور حیرت سے دریافت کیا کہ باوجود پورا قابو پالینے کے آپ نے مجھ کو کیوں چھوڑدیا؟ ارشاد فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میں اللہ کے لیے تجھ کو قتل کرتا، لیکن جب تو نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو میرے نفس میں انتقامی ہیجان پیدا ہوگیا، اگر اس حالت میں تجھ کو قتل کرتا تو نفس کے لیے یہ کام ہوتا، اخلاص کے ساتھ یہ کام نہ ہوتا۔اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

از علی آموز اخلاصِ عمل
شیر حق را داں منزّہ از دغل

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اخلاص فی العمل سیکھو، شیر حق کو کھوٹ سے پاک سمجھو۔

گفت من تیغ از پئے حق میزنم
بندۂ حقّم نہ مامورِ تنم

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں حق تعالیٰ کی رضا کے لیے تلوار چلاتا ہوں، بندۂ حق ہوں، بندۂ تن نہیں ہوں۔

شیر حقّم نیستم شیر ہوا
فعلِ من بر دینِ من باشد گوا

میں شیر حق ہوں، شیر ہوائے نفس نہیں ہوں، میرا فعل میرے دین کی حقانیت پر گواہ ہے۔

نقشِ حق را ہم بامرِ حق شکن
بر زجاجہ دوست سنگ دوست زن

نقشِ حق کو (یعنی مخلوقاتِ الٰہیہ کو) امرِ حق سے توڑو، دوست کے شیشے کو دوست ہی کے پتھر سے یعنی امرِ حق سے توڑ دو، اپنے نفس سے نہیں۔

## حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ عبدیت

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مکّہ میں مولانا رحمت اللہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! ترکی کے سلطان کے یہاں تشریف لے چلیے۔ مولانا رحمت اللہ صاحب کو سلطانِ ترکی بہت مانتا تھا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو جواب ارشاد فرمایا ہے اس میں عجیب شانِ عبدیت ہے، فرمایا کہ ''بھائی! فقیر کا جانا مناسب نہیں، البتہ سلطانِ عادل کی دعا مقبول ہوتی ہے، تو آپ میرا اسلام کہہ دیجیے گا، اسی جواب میں دعا بھی ہو جاوے گی۔''

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب میں استغنا کا بھی حق ادا فرمایا اور دعا کی طلب اور احتیاج ظاہر فرما کر اپنے نفس کا بھی قلع قمع کر دیا، تاکہ یہ استغنا محمود ہو، خلطِ تکبّر سے استغنائے مذموم نہ ہو جاوے۔

بے سمجھ سالک اگر اس کے پاس کوئی امیر ملنے کو جاوے تو اس کے ساتھ بد خلقی سے پیش آتا ہے اور اسی کو کمال سمجھتا ہے۔ عارف سالک کی نظر اس حدیث پر ہوتی ہے:

اِذَا اَتَاکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ[۲۱۳]

جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آوے تو اس کی عظمت کرو۔

جب امیر فقیر کے دروازے پر آگیا تو اب وہ اچھا امیر ہے، کیوں کہ نِعْمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ کا مصداق ہے۔ اب اس کے ساتھ بد خلقی کے ساتھ پیش آنا نفس کا تکبر ہے، اس راہ میں بڑی تراش و خراش کرنی پڑتی ہے تب کہیں اخلاص نصیب ہوتا ہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان حضرات کا اخلاص بیان فرمایا ہے، یعنی اپنے رب کی عبادت سے ان کا مقصد محض رضائے حق ہوتی ہے۔ یہ لوگ صرف ذاتِ حق کے طالب ہیں۔ بعض لوگ کثرتِ ذکر اور کثرتِ نوافل میں تو مشغول ہوتے ہیں مگر اخلاص نہ ہونے کے سبب عمر بھر ریاضت اور محنت کے باوجود مقصود سے محروم رہتے ہیں۔

## ایک بڑے میاں کا واقعہ جو خلافت حاصل کرنے کی نیت سے ذکر و شغل کرتے تھے

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک بڑے میاں عمر بھر خدمت کرتے رہے، ایک روز عرض کیا کہ حضرت! مجھے کچھ نفع نہ ہوا، ارشاد فرمایا کہ اپنی نیت ظاہر کرو، کس نیت سے میرے پاس اتنے زمانے سے ذکر و شغل میں مصروف ہو؟ عرض کیا کہ حضرت! نیت یہ تھی کہ کچھ دن ریاضت و مجاہدے کے بعد آپ جب خلافت عطا فرماویں گے تو دوسروں کو اللہ اللہ کرنا سکھاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ بظاہر تو نیت اچھی ہے لیکن اس کے باطن میں اس کا منشا جو ہے وہ سخت خطرناک ہے، یعنی طلبِ منصب کا بت چھپا ہوا تھا، اسی سبب سے آپ محروم رہے۔ نیت میں صرف رضائے حق ہونا چاہیے، پھر اس کے بعد حق تعالیٰ جو انعامات عطا فرماویں ان کا کرم ہے، مگر اپنی طرف سے غیرِ حق کو مقصود نہ بنانا چاہیے۔

---

۲۱۳ سنن ابن ماجۃ: ۲/۳۹۹ (۳۷۱۲)، المکتبۃ الرحمانیۃ

از خدا غیرِ خدا را خواستن
ظن افزونیست کلی کاستن

خدا تعالیٰ کی عبادت سے غیرِ خدا کو مطلوب بنانا ظن افزونی ہے اور سب کچھ گنوا دینا ہے۔

تعلیم اور تلقین کا منصب بے شک دین ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس منصب کو شیخِ کامل کسی طالب کے سپرد کر دے خود اس کی طلب قلب میں نہ ہو، اور اگر طلب قلب میں ہو تو یہ حجابِ راہ ہے۔ اسی کو حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

## اپنی طرف سے طلبِ منصب کا منشا نفس پرستی ہے

"منصبِ تعلیم نوعِ شہوتے ست" تعلیم کے منصب کی طلب بھی خواہشاتِ نفسانیہ کی ایک قسم ہے۔

## شانِ عاشق

جو سچا طالب اور عاشق ہوتا ہے وہ تو یہ کہتا ہے ؎

منصبِ کانم ز رویت محجب است
عینِ معزولی ست نامش منصب است

جو منصب کہ میرے لیے آپ کے دیدار سے حجاب ہے عینِ معزولی ہے، نام اس کا منصب ہے۔

عاملِ عشق است معزولش مکن
جز بعشقِ خویش مشغولش مکن

یہ عاملِ عشق ہے، اس کو معزول نہ کیجیے، بجز اپنے عشق کے اس کو مشغول نہ کیجیے۔

عشق ارزد صد چو خرقہ کا لبُد
کہ حیاتے دارد و حِسِّ خرد

عشق قالب جیسے سو خرقوں کی قیمت رکھتا ہے جو قالب کہ حیات اور حس اور عقل رکھتا ہے۔

خاصہ خرقہ ملکِ دنیا کابتر است
پنج دانگِ ہستیش دردِ سر است

خصوصاً خرقۂ ملک دنیا وہ تو بالکل ہی ناقص ہے، اس کی پنج دانگ ہستی دردِ سر ہے۔

ملکِ دنیا تن پرستاں را حلال
ما غلامِ عشق ملکِ لا زوال

ملکِ دنیا تن پرستوں کو نصیب ہو اور ہم عشاق تو ملکِ عشق بے زوال کے غلام ہیں۔

## عشق کی نصیحت

عشق می گوید بگوشم پست پست
صید بودن بہتر از صیادی است

عشق میرے کان میں چپکے چپکے کہتا ہے کہ شکارِ عشق رہنا شکاری بننے سے بہتر ہے۔

بر درم ساکن شو و بے خانہ باش
دعویٔ شمعی مکن پروانہ باش

اور عشق یہ کہتا ہے کہ میرے دروازے پر سکونت کرلے اور بے خانہ رہ، شمع ہونے کا دعویٰ مت کر، پروانہ ہی بن کر رہ۔

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم

نعرۂ مستانہ محبوب کی یاد میں مجھے اچھا لگتا ہے، ابد تک اے جان! اسی طرح میں مست رہنا چاہتا ہوں۔

## حدیث شریف متعلق بأولیائے خستہ حال وپراگندہ بال

حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ مستانِ خدا ایسے ہیں کہ بظاہر عشقِ حق نے ان کو بے سر و سامان خستہ حال کر رکھا ہے، یہاں تک کہ ان کے کپڑے بھی میلے ہوتے ہیں اور پراگندہ بال ہوتے ہیں، اگر کسی کے دروازے پر جائیں تو دھکے دیے جائیں، یعنی جہاں جائیں کوئی کھڑا نہیں ہونے دیتا، مگر عند اللہ ان کا یہ درجہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھا بیٹھیں یعنی ان کے منہ سے نکل جاوے کہ قسم ہے اللہ ایسا ہی کردیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو سچا کر دیتے ہیں۔

**فائدہ:** اس حدیث سے تین امر ثابت ہوئے: ایک یہ کہ بعضے اولیاء اللہ ظاہر میں ذلیل و خوار ہوتے ہیں تو ولایت کے لیے وجاہتِ دنیویہ لازم نہیں۔ دوسرا یہ کہ بعض اولیاء اللہ کی یہ خاص شان بھی ہوتی ہے کہ جو کچھ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے اللہ تعالیٰ پورا کر دیتے ہیں۔ اور تیسرا امر رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللہِ لَاَبَرَّہٗ[۲۱۴] میں رُبَّ جو ہے وہ تقلیل کے لیے ہے، سب اولیاء اللہ کے لیے ایسا ہونا لازم نہیں بلکہ بعض ترکِ دُعا کو ترجیح دیتے ہیں، ہر ایک کی شان جدا ہے۔

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم
شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستادہ کنم

اس راہ میں اخلاص ہی اصل پونجی ہے، اگر اخلاص نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

## ذکر میں کیفیت کا انتظار نہ چاہیے

بعض لوگ ذکر اللہ میں کیفیات کے منتظر ہوتے ہیں۔ ایک صاحب نے

---

۲۱۴ کنز العمال: ۱۵۲/۳ (۵۹۲۴)، الکتاب الثالث فی الاخلاق، مؤسسۃ الرسالۃ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! اللہ اللہ تو کرتا ہوں لیکن کوئی نفع نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے محقق تھے، ارشاد فرمایا کہ یہ کیا کم ہے کہ تم اللہ کا نام لیتے ہو، یہ توفیق معمولی نعمت ہے؟ جب پہلا اللہ کہنا قبول ہو جاتا ہے تب دوسری بار اللہ کا نام منہ سے نکلتا ہے، اگر قبول نہ ہوتا تو دوسری بار نام لینے کی توفیق سلب فرمالیتے۔

گفت آں اللہ تو لبیکِ ماست
آں نیاز و درد و سوزت پیکِ ماست
ترس و عشقِ تو کمند شوقِ ماست
زیر ہر لبیک تو لبیک ہاست
ذکرِ حق پاک است چوں پاکی رسید
رخت بربندد بروں آید پلید
می گریزد ضدہا از ضدہا
شب گریزد چوں بر افروزد ضیا
چوں در آید نامِ پاک اندر دہاں
نَے پلیدی ماند وَنَے آں دہاں
اُذْکُرُوا اللہ شاہِ ما دستور داد
اندر آتش دید ما را نور داد
چہ کشد ایں نار را نورِ خدا
نورِ ابراہیم را ساز اوستا

## ترجمہ

۱) حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیرا اللہ کہنے کے بعد پھر اللہ کہنا یہی حق تعالیٰ کی طرف سے لبیک ہے، اور تیرا نیاز اور دردِ عشق اور سوز حق تعالیٰ کی طرف سے پیغام ہے۔

# ایک ذاکر کی حکایت

قصہ یہ ہے کہ ایک بار ایک ذاکر بندے سے ابلیس نے کہا کہ تو اللہ اللہ پکارتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو کوئی جواب آتا نہیں ہے، پھر کیوں تو سر دُھنتا ہے؟ یہ بے چارہ بہت ملولِ خاطر ہوا، خواب میں حضرت خضر علیہ السّلام کی زیارت نصیب ہوئی، اس بے چارے نے اپنا ماجرا عرض کیا کہ اُدھر سے کوئی جواب آتا نہیں، مجھے خوف ہے کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا دروازہ بند کر دیا ہے، تو حضرت خضر علیہ السّلام نے فرمایا کہ ’’گفت آں اللہ تو لبیک ماست۔‘‘

۲) یہ تیرا خوف اور یہ تیرا عشق حق تعالیٰ کی طرف سے کمند شوق ہے، جس کے ذریعے تجھے جذب فرمالیتے ہیں، تیرے ہر لبیک کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف سے بہت سے لبیک مخفی ہیں۔

۳) بعض لوگوں کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ ہماری زبان ناپاک گناہ گار ہے، اس ناپاک زبان سے ہم اللہ کا نام کیسے لیں؟ تو اس کا جواب حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ذکرِ حق پاک ہے، جب تم اس کا ذکر کروگے تو اس نام پاک کی پاکی تم کو بھی پاک کر دے گی اور تمہاری ناپاکی اور پلیدی اپنا بستر باندھ کر رخصت ہو جاوے گی۔

۴) ہر ضد اپنی ضد سے بھاگ جاتی ہے، چناں چہ جب دن نکلتا ہے تو رات بھاگ نکلتی ہے۔ اسی طرح ذکر کا نور جب تمہارے اندر پیدا ہوگا تمہاری تاریکی نکل جاوے گی۔

۵) جب وہ نام پاکِ حق تمہارے منہ سے نکلے گا تو نہ اُس وقت تمہاری پلیدی باقی رہے گی، نہ تمہارا وہ منہ رہے گا۔

۶) ہمارے شاہ نے ہمارے لیے **اُذْکُرُوْا** کے امر سے ذکر کا دستور بنایا ہے، کیوں کہ مجھے نفسانی خواہشات کی آگ میں اس شاہِ حقیقی نے دیکھا تو ہم کو اپنے نامِ پاک کا نور عطا فرمایا۔

۷) نارِ شہوت کو اگر بجھا سکتا ہے تو نورِ خدا ہی بجھا سکتا ہے، جس طرح آتشِ نمرود کو نورِ ابراہیمی نے گلزار کر دیا تھا، پس اسی نور کو حاصل کرو۔

# ذکر کی پابندی ہی اصل مطلوب ہے

اس راہ میں ذکر کی پابندی ہی اصل کامیابی ہے، خواہ ذوق وشوق حاصل ہو یا نہ ہو۔ یہ کیفیات محمود تو ہیں مگر مطلوب نہیں ہیں، ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جذبات ہی پہ اپنے نہ مجذوب شاد رہ
جذبات ہیچ ہیں جو مرتّب عمل نہ ہو

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم
کہ اصلے ندارد دمے بے قدم

طریق کے اندر قدم چاہیے، یعنی عمل درکار ہے، نہ کہ دم یعنی کیفیت، کیوں کہ وہ کیفیت جو عملی قدم کے ساتھ مقرون نہ ہو بے اصل ہے۔

# مقصود اعمال ہیں، نہ کہ کشف وکرامت وغیرہ

اس راہ میں اعمالِ حسنہ کی توفیق اگر ہے تو سب کچھ حاصل ہے، خواہ کشف وکرامت، ذوق وشوق، وجد اور استغراق کچھ نہ حاصل ہو، کیوں کہ شریعت میں عمل مطلوب ہے۔ ترقی کا مدار اعمال پر ہے، جو اختیاری ہیں، اور کیفیات چوں کہ غیر اختیاری ہیں اس لیے ان کو قرب اور بُعد سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ حق تعالیٰ اگر کسی کو عطا فرماویں تو انعاماتِ الٰہیہ ہیں، اُن پر شکر بجالاوے۔ رونے کو جی چاہے رولے، ہنسنے کو جی چاہے ہنس لے، مگر ان کو مطلوب نہ سمجھے کہ ان کے نہ ہونے سے ملولِ خاطر ہو۔ بہت سے نادان سالکوں نے اس راہ میں جب ذوق وشوق میں کمی محسوس کی تو اپنے کو مردود سمجھ کر بالکل ہی بیٹھ رہے اور دنیا وآخرت دونوں کھو بیٹھے۔ کسی شیخِ مبصر کی راہ بری میں اگر کام کرتے تو وہ اس وقت میں سنبھال لیتا، اور کہتا کہ کام میں لگے رہو، کامیابی تو کام ہی سے ہوگی، کیفیات نہ رہیں تو نہ سہی۔

روزہا گر رفت گو رو باک نیست
توبماں باقی کہ چوں تو پاک نیست

دنیا میں سب سے بڑی نعمت اور مطلوب شے عمل ہے، یعنی مرضئ الٰہی کے مطابق زندگی گزارے۔

## رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً کی تفسیر اعمالِ حسنہ سے

ہمارے مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ نے ''بیان القرآن'' میں حسنۃ کی تفسیر اعمالِ حسنہ سے فرمائی ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ اس آیت رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً سے ہمارے زمانے کے طالبانِ دنیا کو شبہ پڑ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں طالبانِ دنیا کی مدح فرمائی ہے جب کہ وہ طالبِ آخرت کے بھی ہوں، اور یہ بڑی غلطی ہے، کیوں کہ اٰتِنَا کا مفعول بہ حسنۃ ہے، اور دنیا مفعول فیہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا ظرف طلب ہے، خود مطلوب نہیں، بلکہ مطلوب حسنۃ ہے۔

خلاصہ یہ کہ لوگ اس کے طالب ہیں کہ ہم کو دنیا میں رہتے ہوئے حسنۃ یعنی وہ حالت جو آپ کے نزدیک مستحسن اور پسندیدہ ہو، عنایت کی جاوے، اور اصل پسندیدہ اعمالِ حسنہ ہیں، پس بالذات وہ مطلوب ہوئے، اور دنیا کے جس قدر حصے کو ان اعمالِ حسنہ میں دخل ہے خواہ مال ہو یا صحت ہو، وہ البتہ اس حسنۃ کے تابع ہو کر بالعرض و بالغیر مطلوب ہو جاوے گا، بخلاف اس وقت کی تعلیم و طرزِ عمل کے جس میں دنیا کو مطلوب بالذات اور آخرت کو محض برائے نام قرار دے رکھا ہے، حاشا و کلّا اس کو آیت سے مس بھی نہیں ہے، غایت مافی الباب اگر طلبِ دنیا میں حلال و حرام کی حدود شکستہ نہ کی جاویں تو اباحت کا حکم کر دیا جائے گا لیکن مباحِ شرعی ہونے سے مطلوبِ شرعی ہونا لازم نہیں خوب سمجھ لو۔ (از بیان القرآن، سورۂ بقرہ)

بعض مفسرین نے حسنۃ کی تفسیر علمِ دین سے کی ہے، اس معنیٰ کے اعتبار سے کہ اعمالِ حَسَنَہ کا مدار علمِ دین پر ہے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے اس تفسیر کی تائید ہو جاتی ہے۔

# سالک کا صحیح مسلک

الغرض اپنی طرف سے اس راہ میں سالک کا یہی مسلک ہونا چاہیے کہ۔

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

پھر اگر شیخ اجازت فرمادے تو اپنے کو نا اہل سمجھتے ہوئے دین کی خدمت میں لگ جائے۔ شیخ کی اجازت کی برکت سے اب حق تعالیٰ کی غیبی امداد ہمراہ ہوگی، مگر اپنے تمام انعاماتِ ظاہرہ وباطنہ کو محض فضل اور عنایتِ حق سمجھتا رہے، کبھی اپنے اوپر نگاہ نہ جائے کہ میں ایسا متقی اور نیک ہوں کہ اب دوسروں کی راہ بری کے قابل ہوں۔ اگر یہ خیال آیا تو سمجھ لو کہ بس اب شیطان کا تسلط ہو رہا ہے۔

بندگیٔ او بہ از سُلطانی است
کہ اَنَا خَیْرٌ دم شیطانی است

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی بندگی اور غلامی سلطانی سے بہتر ہے، کیوں کہ اَنَا خَیْرٌ یہ شیطانی پھونک ہے، اسی زہریلے مادّے یعنی تکبّر سے خود بھی مردود ہے اور بنی آدم کو اسی راہ سے مردود بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ پس جب یہ خیال آوے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

"شیطان اگر وسوسہ ڈالے تو ہماری پناہ میں آجاؤ۔"

# علاجِ وسوسۂ شیطانی

وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ[۲۱۵]

ایک دفعہ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ سے شیطان کے قدم اُکھڑ جاتے ہیں، اور اسی کو تین بار پڑھ کر بائیں طرف قلب پر تھتکار دے۔ حضرات صحابہ

۲۱۵ حٰمٓ السجدۃ :۳۶

رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بڑھ کر کون ولی ہو سکتا ہے مگر حق تعالیٰ ان کی تمام پرہیز گاری اور دینداری کو اپنی عنایت فرمارہے ہیں:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۸﴾[۲۱۶]

لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دل میں مرغوب کر دیا اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی، ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام سے راہِ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ جاننے والا، حکمت والا ہے۔

## ایک علمِ عظیم

ان آیتوں سے حق تعالیٰ نے طریق سے متعلق ایک علمِ عظیم عطا فرمایا ہے، وہ یہ کہ سالک اپنے ایمان اور اعمالِ حسنہ کو نیز کفر اور فسق اور نافرمانیوں سے نفرتِ اعتقادیہ طبعیہ کو محض فضلِ الٰہی سمجھے، کبھی اپنے ذکر اور شغل اور مجاہدے کا ثمرہ نہ سمجھے، کیوں کہ یہ ذکر، شغل اور مجاہدات فی نفسہٖ ان احوالِ محمودہ کے لیے علّت نہیں ہیں، البتہ یہ رحمتِ الٰہیہ کی تحصیل کے اسباب ہیں۔ چناں چہ ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اُن تمام نعمتوں کو (یعنی ایمان کا دل میں محبوب اور مرغوب ہو جانا، کفر اور فسق و معاصی کا قلب میں مکروہ و مبغوض ہو جانا) اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کسی مجاہدے اور ریاضت کی طرف ان نعمتوں کی نسبت نہیں فرمائی۔ اس میں فنائیت کی عجیب تعلیم ہے، اور نصِ قطعی سے اس فنائیت کی تعلیم مل جاتی ہے، جو حضرات صوفیا اپنے متعلقین کو اہتمام کے ساتھ بتلایا کرتے ہیں۔ سورۂ نجم میں حق تعالیٰ نے ہمیں اپنے کو مقدس سمجھنے سے منع فرمایا ہے اور عجیب عنوان سے نہی فرمائی ہے، جس میں تکبر کا علاج بھی موجود ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

---

[۲۱۶] الحجرٰت: ۷،۸

هُوَ اَعۡلَمُ بِكُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّةٌ فِىۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ‌ ۚ فَلَا تُزَكُّوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ‌ ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾[۲۱۷]

وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے، تو تم اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو، تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

اسی کو حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نفس از بس مدحہا فرعون شد
کن ذلیل النّفس ہوناً لا تسد

مولانا فرماتے ہیں کہ نفس لوگوں کی تعریف سے فرعون ہوجاتا ہے، پس تم ذلیل النفس رہو اور ہرگز سرداری مت طلب کرو۔

فنائیتِ تامّہ کے بعد اب یہ حضرات اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس بشارت کے اہل ہوں گے کہ ان کو اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ کا خطاب دیا جائے، تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہوجائے، کیوں کہ اس ایمان اور ان اعمال کا تعلق بظاہر تو ان کے اعضا سے ہے، گویہ اعضا بھی ہمارے ہی عطا فرمودہ ہیں، لیکن ہماری عطا اور بندہ نوازی کا مقتضا یہی ہے کہ ہم اس ادنیٰ تعلق اور ملابست پر ان کو اَلرّٰشِدُوۡنَ کا لقب مرحمت فرمادیں، اور فنائیتِ تامّہ چوں کہ ان کو حاصل ہوچکی ہے اس لیے اندیشہ نازو پندار کا نہیں رہا، بلکہ یہ مقبولین ہمارا شکر ہی بجالائیں گے کہ حَبَّبَ اور كَرَّهَ کے فاعل تو میاں ہیں، ورنہ ہم کو ایمان کی مرغوبیت اور یہ کراہت مِنَ الۡكُفۡرِ وَالۡفُسُوۡقِ وَالۡعِصۡيَانِ کہاں سے نصیب ہوتی۔ پس باوجود اس کے کہ یہ سب کچھ اعمال واحوال ان ہی کی عطاہیں پھر رشد کی جو نسبت ہماری طرف فرمائی گئی ہے یہ محض بندہ نوازی نہیں تو اور کیا ہے ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل
میرے مولا یہ تیری مہربانی

آگے حق تعالیٰ نے اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ فرمانے کے بعد انعام کو صراحت سے بھی

[۲۱۷] النجم: ۳۲

ارشاد فرمادیا کہ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً یعنی یوں تو حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ[۲۱۸] سے یہ امر متبادر اور ظاہر تھا کہ جب ہمارے یہ اعمالِ حسنہ اور احوالِ محمودہ سب عطائے حق ہیں تو تحسین کے قابل وہی ذات منعمِ حقیقی کی ہے، ہم تو محض مٹی کے ایک ڈھیر ہیں، یہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ کا فرمانا محض بندہ نوازی اور میاں کی حوصلہ افزائی ہے ؎

کارِ زلفِ تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً فرما کر اسی کو اور مؤکد فرما دیا کہ خبر دار! کبھی واہمہ بھی اس کا دل میں گزرنے نہ پائے کہ ہم کچھ ہوگئے ہیں کہ ایسے ایسے اعمال اور اخلاقِ حسنہ ہم سے صادر ہونے لگے، یہ محض اللہ کا فضل ہے اور نعمتِ الٰہیہ ہے۔ یہ علوم اور یہ فیوض سب ہمارے بڑے میاں کا فیض ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی کا صدقہ ہے۔ اس راہ میں سچا پیر جس کو مل جائے تو سمجھو بڑی نعمت ہاتھ لگی۔ جاہل اور اناڑی پیر سے تو مرید زندگی بھر تنگ بھی رہتا ہے اور محروم کا محروم رہتا ہے۔ جاہل پیر کی اصلاح بے سمجھی اور نادانی کی اصلاح ہوتی ہے۔ وہ ہر رذیلہ کا نعوذ باللہ! جڑ سے قلع قمع کرنا چاہتا ہے اور اس پر قدرت حاصل نہیں، کیوں کہ رذائلِ نفسانیہ تو انسان کی فطرت اور جبلّت میں داخل ہیں۔

## رذائل کا امالہ مطلوب ہے نہ کہ ازالہ

امراضِ جسمانیہ تو بالکلیہ اچھے ہوسکتے ہیں لیکن نفسانی رذائل کا قلع قمع نہیں ہو سکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَكَانِهٖ فَصَدِّقُوْهُ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ زَالَ عَنْ جِبِلَّتِهٖ فَلَا تُصَدِّقُوْهُ[۲۱۹]

---

۲۱۸ الحجرٰت:۷

۲۱۹ حجۃ اللہ البالغۃ:۱/۶۳،باب اختلاف الناس فی جبلتھم، دار الجیل، بیروت

اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اس خبر کی تصدیق کر دو، لیکن اگر یہ سنو کہ کوئی شخص اپنی جبلت سے ہٹ گیا تو مت تصدیق کرنا۔

رذائل کے اندر حکمتیں ہیں، یہ مخلوقاتِ الٰہیہ ہیں۔ ع

نیست باطل ہر چہ یزداں آفرید

یہ غصّہ و شہوت وغیرہ بے کار نہیں پیدا کیے گئے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ازالہ رذائل کا ناممکن ہے تو پھر اصلاح کیسے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصلاح کا طریقہ ازالہ ہی نہیں ہے، جو ازالہ کرنا چاہے وہ اناڑی پیر ہے۔ جاہل غیر محقق ازالے کی کوشش کرتا ہے اور طالب کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ اصلاح نام ہے ان رذائل کے امالے کا۔ یہ خدائی مشین کے پُرزے ہیں، ان کو اکھیڑ نا نہ چاہیے، ان سے کام لینا چاہیے۔

شہوتِ دنیا مثال گلخن است
کہ ازو حمّامِ تقویٰ روشن است

ان رذائل سے کام لینا چاہیے، وہ کام کیا ہے؟ وہ ایسا کام ہے کہ اسی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ان کو ایندھن بنا کر تقوے کا کھانا پکانا چاہیے۔ ہر بُری خواہش کو تقوے کی بھٹی میں ڈال دو، تقوے کا حمّام روشن ہو جاوے گا۔

اگر نفس کے یہ بُرے تقاضے انسان میں موجود نہ ہوتے تو پھر امتحان کس بات کا ہوتا؟ ان رذائل کا جو بمنزلۂ ایندھن دیے گئے ہیں، اگر ہم ان کو کھانے لگیں گے یعنی ان کے مقتضا پر عمل کرنے لگیں تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ ہر رذیلے کو اس کے صحیح مصرف کی طرف پھیر دینا یہی اس کی اصلاح ہے، مثلاً غصہ ہے، اللہ کی نافرمانی میں صَرف کرنے کے بجائے اس کو جہاد میں کفار پر خرچ کیا جائے، اپنے نفس کی نافرمانی پر اپنے اوپر کیا جائے، یہی اس کا امالہ ہے۔

صحابہ کی شدت کا جب مصرف صحیح ہو گیا تو وہ شدت محمود ہو گئی اور حق تعالیٰ تعریف فرمارہے ہیں: اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ اگر مادہ ہی شدت کا نہ رکھا گیا ہوتا تو کفار پر شدت کہاں سے لاتے؟ اسی طرح محبت کا مادّہ بھی نہ رکھا گیا ہوتا تو رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ

کیسے ہوتے؟ جو محبت کہ بُری جگہ صَرف ہو وہ مذموم ہے، وہی محبت صحیح مصرف میں صرف ہو محمود ہے۔ اللہ اور رسول اور تمام ایمان والوں کے ساتھ جب محبت کرنے لگے تو اب امالہ ہو گیا۔ اسی طرح بخل ہے، پہلے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے جی رُکتا تھا اب اس کا مصرف بدل دیا، بُرے کاموں میں خرچ سے رُکنے لگے، اور پہلے بُرے کاموں میں خوب خرچ کرنا اچھا معلوم ہوتا تھا اب نیک کاموں میں خرچ کرنے لگے۔

ریا ہے، پہلے مخلوق کو دکھانے کے لیے عبادت کی جاتی تھی، اب اس کا مصرف بدل کر اس کی اصلاح کر دی گئی، اب اللہ میاں کو اپنی عبادت دکھا رہے ہیں۔ جو اینٹھ مروڑ اور اکڑ کر چلنا ایمان والوں کے لیے حرام تھا موقعِ جہاد پر کفار پر رُعب جمانے کے لیے وہی اینٹھ مروڑ اور اکڑ کر شجاعت دکھاتے ہوئے چلنا پسندیدہ اور امرِ محمود ہے، بلکہ اس وقت اگر دشمنوں کو خاکساری دکھائے گا تو محروم ہو جائے گا، اس وقت میں تواضع حرام ہے۔

اسی طرح پہلے حسد ایمان والوں کے ساتھ کرتا تھا اب ہر ایمان والے کے لیے دعا کرتا ہے اور کافروں کی طرف اس حسد کا امالہ کر دیا گیا۔ اے اللہ! دشمنانِ اسلام کو برباد کر دے۔

اب اگر یہ رذائل پیدا ہی نہ کیے گئے ہوتے ان سے یہ کام کیسے لیا جاتا؟ سخت غلطی ہے جو لوگ رذائل کا ازالہ اور قلع قمع کی فکر کرتے ہیں۔ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نیست باطل ہر چہ یزداں آفرید
از غضب از حِلم و زنضج مکید

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ رذائل فی نفسہٖ قبیح نہیں ہیں، غلط مصرف میں استعمال سے رذیلہ ہیں اور صحیح مصرف میں استعمال سے حمیدہ ہیں۔ اصلاحِ اخلاق کا حاصل ازالۂ رذائل نہیں ہے، مصارفِ صحیحہ کی طرف پھیر دینا ہی ان کی اصلاح ہے، ازالے کی فکر کرنا حکمتِ الٰہیہ کو فوت کرنا ہے۔

دین کا تمام تر مدار سمجھ پر ہے۔ جس کی سمجھ جس قدر اونچی ہوتی ہے اسی قدر وہ

مقرب ہوتا ہے، اس کی دینی سمجھ بہت رفیع اور باریک بیں ہوجاتی ہے اور اسی سمجھ سے توحید پر استدلال کرتا ہے۔ وہ عقل سے غور کرتا ہے، کہ دنیا میں کوئی چیز جب عاقل انسان بناتا ہے تو بنانے سے پہلے اپنی صنعت کا مقصد ذہن میں متعین کرلیتا ہے، اگر بدون کسی مقصد کے کوئی شخص کوئی چیز تیار کرلے تو اس کو پاگل اور دیوانہ کہا جاتا ہے۔ پھر حق تعالیٰ تو حکیمِ مطلق ہیں، ان کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہونا ناممکن اور شانِ الوہیت کے منافی ہے۔ اس امر کو عقلاً تسلیم کرنے کے بعد اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سارا جہاں آسمان، زمین، چاند، سورج، ستارے، چرند، پرند، جمادات، نباتات انسان کی حفاظت اور تربیت کے لیے مخلوق ہوئے ہیں تو یہ انسان جس کے لیے اتنے وسیع کارخانے کا اہتمام کیا گیا ہے اس کو کس رفیع اور اہم مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟

یہ ایک اہم سوال ہے جو عقلاً انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اب اس کا جواب کون دے؟ اس عظیم ترین مقصد کا علم کس سے حاصل کیا جائے؟ یہ بھی ایک عقلی مسئلہ ہے، جس کا جواب خود انسان کی عقل دیتی ہے کہ ہماری پیدائش کا صحیح مقصد ہمارا پیدا کرنے والا ہی جان سکتا ہے۔ بندوں کی طرف سے حالاً اور اضطراراً جب یہ سوال پیدا ہوا تو حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمتِ کاملہ نے بندوں کے اس اضطراری سوال کا جواب ارشاد فرمادیا:

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾[۲۲۰]

اور میں نے جن اور انسان کو عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سیّد المفسرین ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! ان کو علمِ تفسیر میں خاص درک و فہم عطا فرما۔ چناں چہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی ''تفسیر ابنِ عباس'' میں لِيَعۡبُدُوۡنِ کی تفسیر لِيَعۡرِفُوۡنِ[۲۲۱] سے فرمائی ہے، اور صاحبِ ''جلالین'' نے بھی

۲۲۰؎ الذّٰریٰت:۵۶

۲۲۱؎ روح المعانی:۲۵/۲۷، الذّٰریٰت (۵۶)، دار احیاء التراث، بیروت

اسی تفسیر کو لیا ہے، یعنی جن اور انسان کو میں نے اس لیے پیدا کیا تا کہ مجھے پہچان لیں۔

## عالمِ اَرواح سے رُوح کو منتقل کرنے کی حکمت

عالمِ ارواح میں تمہاری معرفت کی تکمیل نہ ہو سکتی تھی، کیوں کہ روحِ مجرّد میں بھوک اور پیاس نہ تھی۔ عبادت کے لیے اعضاء نہ تھے کہ رکوع، سجدہ اور قیام میں وہ اعضاء مختلف شکلوں میں طاعت اور بندگی کر سکتے، پھر ہم نے انسان کو اس جسم کے ساتھ سراپا محتاج بنا کر اس عالم میں پیدا فرمایا، تا کہ ہر قدم پر حاجت مند ہو کر ہمیں حاجت روائی کے لیے پکارے اور ہر حاجت سے ہماری صفات کی معرفت حاصل کرے۔

روحِ مجرّد کو عالمِ ارواح میں نہ بھوک لگتی نہ پیاس، اُس وقت بندہ میری ربوبیت اور رزّاقیت کو کیا سمجھتا۔ اب جس وقت بھوک اور پیاس سے مضطر ہو گا اس وقت کھانا کھا کر، ٹھنڈا پانی پی کر بے اختیار ہمارا شکر ادا کرے گا۔ جب اپنے گناہوں سے توبہ کرے گا اور ندامت کے آنسو بہائے گا تو میری رحمت توبہ قبول کرے گی، اور گناہ کی مغفرت کرے گی، اس وقت میرے بندے کو میری رحمانیت اور غفاریت اور توابیت کی معرفت ہو گی۔ میں اس کے گناہوں کو دیکھتے ہوئے اس کی ستّاری کروں گا، اس وقت اُسے میری ستّاریت کی معرفت ہو گی، اور باوجود میرے قادرِ مطلق ہونے کے انتقام نہ لینے سے میرے کرم اور حلم کی معرفت ہو گی، اور کبھی حد سے گزر جانے پر کسی سرکش قوم پر عذاب نازل کروں گا اس وقت میرے ذوالانتقام اور شدید العقاب اور قہار ہونے کی معرفت ہو گی، اور یہ واقعات دوسری بستیوں کے لیے عبرت بنیں گے۔

علیٰ ہذا القیاس سارے عالم میں میری ربوبیت کے ساتھ میرے تمام اسمائے حسنیٰ کا ظہور مخلوقات میں ہر وقت مشاہدہ کر کے میرے ربّ العالمین ہونے کی معرفت حاصل ہو جاوے گی۔ پس عالمِ ارواح سے دنیا میں بھیجنے کا اور بے شمار حاجتوں کے ساتھ پیدا کرنے کا مقصد محض یہی ہے کہ میرے بندے مجھ کو مع میری صفات کے پہچان لیں اور میری محبت کی دولت سے مالا مال ہو جائیں۔ یہ بات عالمِ ارواح میں روحِ محض کے لیے ممکن نہ تھی۔ نہ وہاں حاجات تھیں کہ بھوک، پیاس اور دوسری احتیاج سے

صفاتِ الٰہیہ کی پہچان ہوتی، نہ ہاتھ پاؤں اور زبان تھے کہ نماز روزہ اور دیگر عبادتوں سے حق تعالیٰ کی محبت کی تکمیل ہوتی۔ عالمِ ارواح میں چوں کہ روح پر اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ کی آواز سے ایک خاص کیفیت معرفت اور محبت کی طاری تھی اس لیے اس محویت کی لذّت کو اس عالمِ ناسوت میں نہ پاکر دردِ فراق سے بے چین ہوگئی اور ہجر کی شکایت کرنے لگی، کما قال العارف الرومی رحمہ اللہ تعالٰی ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند
و از جدائی ہا شکایت می کند

## صراطِ مستقیم رُوح کے لیے دوائے ہجر ہے

تو اس ہجر کی دوا حق تعالیٰ نے بھیج دی اور فرمادیا کہ یہ عالمِ ناسوت تمہارے لیے حَرۡثُ الۡاٰخِرَۃ ہے، یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ وہاں تو چیونٹی کی طرح صرف بیج رہتے اور یہاں اب تمہاری ترقی ہوگی۔ اب اس بیج کے پھول پھل دنیا میں ظاہر ہوں گے۔ بیج کی ترقی تو کھیتی ہی سے ہوتی ہے۔ شکایت کی کیا وجہ ہے؟ میں نے تجھے لق و دق میدان کے یا سمندر کی موجوں کے سپرد نہیں کیا، نہ تجھے تیرے نفس کے حوالے کیا، بلکہ تیری طرف سے وکالتاً ہم نے صراطِ مستقیم کی درخواست کا مضمون نازل فرمایا جس کا نام ہم نے سورۂ فاتحہ رکھا ہے، چوں کہ دنیا میں آکر تعلقات بڑھ گئے، میاں بیوی کے تعلقات، استاد شاگرد کے تعلقات، باپ بیٹے کے تعلقات، پڑوسیوں کے تعلقات اور اپنے نفس کے تعلقات، پھر ان تعلقات کے حقوق سامنے آئے اور ہمارے حقوق بھی پیشِ نظر ہوئے، اُدھر نفس کے اندر خواہشات یعنی غضب و شہوت وغیرہ کے تقاضے محسوس ہوئے اور ان خواہشات کے متعلق یہ تشویش ہوئی کہ ان کو کہاں صَرف کیا جائے؟ کہاں صَرف نہ کیا جائے؟ مصارفِ صحیحہ اور مصارفِ غیر صحیحہ کا فرق کیسے معلوم ہو؟ تو ہم نے بندوں کو ان پریشانیوں کے حوالے نہیں کردیا، ہم نے بندوں کی طرف سے صراطِ مستقیم کی درخواست کا مضمون نازل فرمایا۔

مانگنے کو بھی ہمیں فرما دیا
مانگنے کا ڈھنگ بھی بتلا دیا
بلکہ مضمون بھی ہر اک درخواست کا
تو نے یا رب ہم کو سب سکھلا دیا

یہی صراطِ مستقیم جو سورۂ فاتحہ میں مذکور ہے یہی دوائے ہجر ہے، یعنی انعام والے بندوں میں سے کسی کا دامن پکڑ لو اور صراطِ مستقیم پر چلنا اُن کی صحبت میں رہ کر سیکھ لو، بس پھر دیکھو گے کہ اس بیج میں کیسے کیسے پھول پھل آتے ہیں۔ کہاں تو عالمِ ارواح میں مثل چیونٹی کے تھے اور اب ہماری اطاعت کی برکت سے کیا سے کیا ہو گئے۔ اب تمہارے مقابلے میں نہ آسمان ہے نہ زمین ہے۔

بادہ جوشش گدائے جوش ماست
چرخ در گردش اسیر ہوشِ ماست

مولانا فرماتے ہیں کہ ”بادہ اپنے جوش و مستی میں ہمارے جوش کا غلام ہے اور آسمان اپنی گردش میں ہمارے ہوش کا قیدی ہے۔“

عجب کیا جو ہمیں عالم بایں وسعت بھی زنداں تھا
میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا

صراطِ مستقیم کے خلاف نفس کا جی چاہتا ہے، سامنے غیر محرم حسین ہے، نفس گوشۂ چشم سے دیکھنا چاہتا ہے، سالک نفس سے کہتا ہے کہ میاں آنکھوں کی خیانت سے باخبر ہیں، يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت سے باخبر ہیں، اور سینے کے اندر ہم جو کچھ نافرمانیوں کے خیالات پکاتے ہیں اس سے بھی باخبر ہیں۔

یہ سوچ کر سالک آنکھوں کو نیچی کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اس اطاعت و تابعداری کو دیکھ رہے ہیں کہ میرا بندہ بدون مجھ کو دیکھے مجھ سے اتنا ڈرتا ہے اتنا ڈرتا ہے کہ گوشۂ چشم کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بڑے قدر دان ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ بندہ میرا بندہ بھی ہے اور میرا دوست بھی ہے:

نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ

ہم تمہارے دوست ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

غلام کو دوست بنانا معمولی انعام نہیں ہے۔ دنیا کے اندر کوئی بادشاہ کسی غلام کو دوست نہیں کہتا ہے۔ اس میں اپنی توہین سمجھتا ہے۔ کتنا ہی جاں نثار غلام ہو لیکن اس کو اپنا دوست کہتے ہوئے شرمائیں گے۔ اس کو کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ ہماری لاکھوں جانیں اس ربّ العالمین، احکم الحاکمین پر قربان ہو جائیں، یہ ان ہی کا کرم ہے کہ قرآن میں اپنے بندوں کو اولیاء کے خطاب سے نوازا ہے۔ دنیا کے بادشاہ بھی آدمی ہیں اور ان کا غلام بھی آدمی ہے، اس جنسی مشارکت کے باوجود غلام کو دوست کہنے سے فرقِ مراتب کا لحاظ ان کو عار دلاتا ہے۔

اور کہاں بندۂ حادث، مخلوق، ضعیف، سراپا محتاج اور کہاں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک! لیکن حق تعالیٰ کی رحمت اور محبت کو دیکھنا چاہیے کہ غلاموں کو اپنا دوست فرمایا ہے۔

ایک جگہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَ ھُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ ہم بندوں کے گناہوں کو کیوں بخش دیتے ہیں؟ میری شانِ غفاریت اور غفوریت کا ظہور کیوں ہوتا ہے؟ محبت کے مارے، ہم وَدُوۡدٌ بھی تو ہیں، ہمیں اپنے بندوں سے بڑی محبت ہے۔ حق تعالیٰ کی اپنے بندوں پر اس قدر رحمت ہے کہ فرماتے ہیں کہ اگر تم ہماری رحمت سے ناامید ہو گئے تو کافر ہو جاؤ گے۔ اللہ اکبر! کس قدر رحمت کی شان اس عنوان میں موجود ہے، جہنم کے عذاب سے ڈرا کر اپنی رحمت کا امیدوار بنا رہے ہیں۔

ایک عالم نے پچاس برس حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کا وعظ کیا تھا، جب ان کا انتقال ہو گیا تو حق تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میرے اس بندے نے پچاس برس تک میرے بندوں کو میری رحمت کا وعظ سنایا ہے، مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس بندے سے حساب لوں، لے جاؤ اس کو جنّت میں داخل کر دو، میں نے اپنی رحمت سے اس کو بخش دیا۔

حاصل یہ ہے کہ عالمِ ارواح سے اس عالمِ ناسوت میں حق تعالیٰ نے ہمیں اس لیے بھیجا کہ ہم وہاں جو مثل بیج کے تھے، یہاں اس کی کھیتی ہو، اور اس کے پھل پھول ظاہر ہوں۔ اس بیج کے پھل پھول کیسے حاصل ہوتے ہیں؟ آخرت کی کھیتی کا کیا طریقہ

ہے اور پھل پھول سے مراد کون سا پھل پھول ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ دنیا میں ڈر کر رہنا، صراطِ مستقیم سے قدم ہٹنے نہ پائے، گوشۂ چشم کو بھی بچانا کہ کہیں ملوّث نہ ہو جائے، کانوں کو بچانا بُری باتوں کے سننے سے، لب و لہجے کو بچانا کہ اینٹھ مروڑ اور تکبّر نہ شامل ہو، آنکھوں کا تیور کے بدلنے میں نگاہ رکھنا کہ انانیت کی شان نہ پیدا ہو جائے، ہر حرکت و سکون میں، ہر سانس میں ڈرنا کہ کہیں اس بات سے میاں ناراض نہ ہو جائیں، اسی کا نام آخرت کی کھیتی ہے۔ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ کھیتی کی مثال سے عجیب بات بتادی کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، بیج گھر سے نکالا گیا، لیکن کھیت میں اس کی ترقی ہوگی، جب ایک بیج سینکڑوں دانے اور پھل پھول اپنے اندر دیکھتا ہے تب اس کو ہجر کی مصلحت معلوم ہوتی ہے۔

پس اس خوف اور ڈر سے جو ہر وقت جائز و ناجائز حلال و حرام کی فکر لگی ہوئی اسی کی بدولت ولایت عطا ہوتی ہے۔ اسی تقوے کی برکت سے اس بیج میں کیسے کیسے پھل لگتے ہیں، کوئی صدیق ہو رہا ہے، کوئی فاروق ہو رہا ہے، کوئی غوث ہو رہا ہے۔ اسی ڈر سے کیسے کیسے ابدال، اقطاب، اوتاد، نجباء، نقباء ان ہی انسانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ تقوے کی صفت ایسی صفت ہے جو نبوّت اور ولایت دونوں کے اندر مشترک ہے، لیکن نبوت کے ساتھ اضطراری ہے اور ولایت کے ساتھ اختیاری ہے۔

## عالمِ ارواح میں تقویٰ کے اسباب نہ تھے

عالمِ ارواح میں اس ڈر کا تحقق نہ ہوتا، کیوں کہ وہاں تقویٰ کے اسباب نہ تھے۔ تقویٰ کے اسباب کیا ہیں؟ شہواتِ نفسانیہ ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں؎

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است
کہ ازو حمامِ تقویٰ روشن است

عالم ارواح میں جب اعضاء ہی نہ تھے تو اعضاء کی خواہشات کہاں سے ہوتیں؟ اگر ایک اندھا کہے کہ میں نے کبھی کسی اجنبیہ عورت پر بُری نگاہ نہیں کی، تو اس کا یہ قول اس کے تقوے کے لیے دلیل نہ ہوگا، کیوں کہ اس کے پاس نہ تو اچھی نگاہ ہے نہ بری نگاہ ہے،

اسی طرح اگر عِنّین یعنی مادر زاد نامرد یہ کہے کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا، تو اس کا یہ قول اس کے تقویٰ کی دلیل کے لیے دلیل نہیں ہوسکتی، کیوں کہ اس کے اندر زنا کی قوت ہی نہیں ہے۔

اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے شعرِ مذکور میں فرمایا ہے کہ تقوے کا حمام تو جب ہی روشن ہوتا ہے جب خواہشاتِ نفسانیہ کا ایندھن بھی پاس موجود ہو۔ اللہ کے خوف سے ہر بُری خواہش کے مقتضا پر عمل کرنے کے تقاضے کو جب تقوے کی بھٹی میں جلادیتا ہے تب تقوے کا حمام روشن ہوجاتا ہے اور تقوے کے نور سے حق تعالیٰ کا راستہ کھلتا جاتا ہے۔ وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ اختیار کرتے ہیں ہم اپنے راستوں کو ان کے لیے کھول دیتے ہیں۔"

حق تعالیٰ نے سبیل نہیں فرمایا ہے سُبُل فرمایا ہے، جو سبیل کی جمع ہے۔ سُبُل فرماکر یہ بتادیا کہ میرے قرب کے بہت سے راستے ہیں، کسی کو صبر کے ذریعے قرب عطا فرماتے ہیں، کسی کو شکر کے ذریعے قرب عطا فرماتے ہیں۔

عالمِ ارواح میں نہ تو مجاہدے کا سامان تھا، نہ تقویٰ کا سامان تھا، اور حق تعالیٰ نے مجاہدے اور تقوے کو شرطِ ولایت اور شرطِ قرب فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۲﴾ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾[۲۲۲]

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ خوب غور سے سن لو کہ اولیائے اللہ پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ آنے والا ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" اور وہ کون لوگ ہیں جو اللہ کے ولی ہیں اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾ جو لوگ کہ ایمان لائے اور جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اس آیت سے ہمارے حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ استدلال فرمایا

---

۲۲۲؎ یونس: ۶۲-۶۳

کرتے تھے کہ نبوت تو غیر اختیاری ہے لیکن ولایت کو بندوں کے اختیار میں دے دیا ہے، کیوں کہ ولایت کی دونوں شرطیں ایمان اور تقویٰ اختیاری ہیں، اور حضرت کبھی جوش میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ نبوت کا دروازہ تو بند ہو گیا ہے لیکن ولایت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے۔ اب بھی حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی کرسی پر بیٹھنے والے لوگ موجود ہیں۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است
خم و خم خانہ با مہر و نشان است

تقریرِ مذکور سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ رُوح کے لیے عالمِ ارواح میں اسبابِ قرب موجود نہ تھے، پس اُس عالم میں ہماری عبدیت حق تعالیٰ کی ولایت سے مشرف نہ ہو سکتی تھی، وہاں صرف بندے رہتے، حق تعالیٰ کے دوست نہ بن سکتے، کیوں کہ شرطِ ولایت کا یعنی ایمان بالغیب اور تقوے کا اسی عالمِ ناسوت میں انتظام کیا گیا ہے۔ پس رُوح کا عالمِ ارواح سے جدا ہو کر عالمِ ناسوت میں آنا صورتاً تو ہجر ہے لیکن معناً عینِ وصال اور قرب ہے۔

چناں چہ دنیا میں حق تعالیٰ کی اطاعت اور تقوے کی برکت سے قرب کے کیسے کیسے مراتب اولیاء اللہ کو عطا ہوتے ہیں اور روح کا تعلق جب تک اس جسدِ عنصری سے رہتا ہے مسلسل اعمالِ حسنہ کے ذریعے درجاتِ قرب میں ترقی ہوتی رہتی ہے، اور جس وقت روح بحکمِ الٰہی جسدِ عنصری سے اپنا تعلق منقطع کر کے عالمِ ناسوت سے چل دیتی ہے اسی وقت رُوح کی ترقی کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

عالمِ آخرت میں جو کچھ ثمرات اور درجات عطا ہوں گے وہ دنیا ہی کے اعمال اور مجاہدات کے نتائج ہوں گے۔ اس تقریرِ مذکور کے پیشِ نظر روح کو ہجر کی شکایت نہ ہونی چاہیے۔ طبیعت پر عقل کو غالب کر کے کام میں لگ جانا چاہیے۔ کام میں لگتے ہی ان شاء اللہ میاں کی طرف سے کرم کے ایسے جھونکے باطن میں محسوس ہوں گے کہ سارا دردِ فراق عینِ قرب معلوم ہو گا۔ جب اس بیج کے پھول پھل اپنے اندر دیکھو گے تب آنکھیں کھل جائیں گی کہ کہاں تو عالمِ ارواح میں مثل چیونٹی کے تھے اور اب ساٹھ ساٹھ گز کے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر جنّتی اپنے باپ حضرت آدم علیہ السّلام کے قد پر ہوگا یعنی ساٹھ گز کا، اور یہ تو ظاہری خلعت کا انعام ہے، باطن میں نہ جانے کیا کیا نعمتیں ہوں گی، سینہ ہوگا کہ قرب اور معرفت کے انوار موجیں مارتے ہوں گے۔ واہ رے بیج تو عالمِ ارواح میں کیا تھا اور اس عالم میں تو نے آکر کیا ترقی کی! ؎

نازہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے دوست
اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

حاصل یہ ہے کہ روح کو حق تعالیٰ سے جدائی کی جو شکایت تھی ''وز جدائی ہا شکایت می کند'' اس کے علاج کے لیے حق تعالیٰ نے صراطِ مستقیم نازل فرمائی، اور حکم فرمادیا کہ اسی صراطِ مستقیم پر چلو، اسی سے ہجر کی شکایت رفع ہوگی۔ جب ہماری اطاعت و فرماں برداری میں لگ جاؤ گے تو تمہاری جدائی میرے قرب سے بدل جائے گی اور اس قرب میں اس قدر ترقی ہوگی کہ عالمِ ارواح کی محویت اور وہاں کی استغراقی لذّت یہاں کے قرب کے سامنے بھول جاؤ گے، اس وقت جو ہجر کی شکایت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ابھی عقل پر طبیعت کا غلبہ ہے، چند روز جبراً نفس کو کام میں لگادو اور طبیعت پر عقل کو غالب کرکے استقامت کے ساتھ معمولات ذکر وغیرہ کی پابندی کرلو، چند ہی روز میں یہ دنیا تمہارے لیے باعتبارِ قرب اور اُنس کے عالمِ ارواح سے بڑھ کر ہوجاوے گی، اور ایک عجیب ستھری زندگی ہم تمہیں عطا فرمادیں گے۔ اس حیاتِ طیّبہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو ہم چاہتے ہیں وہی تم بھی چاہنے لگو گے، جس بات سے ہم خوش ہوتے ہیں اسی سے تم بھی خوش ہوگے، جو بات ہم کو ناپسند ہے وہی تم کو بھی ناپسند ہوگی۔

یعنی تمہاری خواہشات میری مرضیات کی تابع دار اور غلام بن جاویں گی، اور ہماری مرضیات تو پاک ہیں پس تمہاری مرضیات بھی ہماری مرضیات کی تابع داری کی برکت سے پاک ہوجاویں گی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے تمام اعضا سے پاکیزہ اعمال صادر ہوں گے، تمہارا ظاہر پاکیزہ ہوگا تمہارا باطن پاکیزہ ہوگا اور میری مرضی پر ہر وقت تمہاری نگاہ کی ٹکٹکی بندھی ہوگی کہ ہم کون سا عمل کریں کہ میاں ہم سے خوش ہوجائیں، اور ہر وقت خوف رہے گا کہ کوئی ایسی بات نہ ہوجائے کہ میرا اللہ مجھ سے

ناخوش ہو جائے۔ جب میری مرضی پر اس طرح تمہاری نگاہ جم کر رہ جاوے گی تو ہماری مرضی بھی تمہارے ساتھ ہو جاوے گی۔

ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے
دونوں جانب کے اشارے ہو چکے

کام تو کر کے دیکھو، زبانی قیل و قال سے کام نہیں چلتا ہے۔

کارکن کار بگزر از گفتار
اندریں راہ کار باید کار

کام میں لگ جاؤ اور چرب زبانی سے باز رہو۔ اس راہ میں کام درکار ہے۔ ترقی اعمال سے ہوتی ہے، نہ کہ محض گفتار سے۔

اس عالمِ ناسوت میں روح کے علوم بڑھ گئے، کیوں کہ حق تعالیٰ کے تمام اسمائے حُسنیٰ کی معرفت نصیب ہوگئی اور بندوں کے ساتھ تمام اسمائے حُسنیٰ کا تعلق ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ بندے کو جس قسم کی حاجت پیش ہو اسی حاجت کے مناسب حق تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام منتخب کر کے اس کا کثرت سے ورد کرے، تو وہ حاجت بہت جلد پوری ہو جاتی ہے، مثلاً کوئی رزق کی تنگی میں مبتلا ہے تو کثرت سے **یَامُغْنِیُ** کا ورد کرے۔ مغنی اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے، جس کے معنیٰ ”غنی کر دینے والی ذات“ کے ہیں۔ حق تعالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ کی توجہ بندوں کی تربیت کے ساتھ کام کرتی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں، تو اس صفتِ مغفرت ورحمت کے تعلق سے بندوں کو مغفور اور مرحوم کہا جاتا ہے۔ وہ رزاق ہیں تو بندے مرزوق ہیں۔ وہ ودود ہیں تو بندے مودود ہیں۔ وہ خالق ہیں تو بندے مخلوق ہیں۔ وہ صاحبِ غضب ہیں تو مجرمین مغضوب ہیں، علیٰ ہذا القیاس اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کی تفصیلی معرفت اسی عالم میں ارواح کو نصیب ہوئی ہے، اسی لیے فرماتے ہیں:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی معرفت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

لِيَعْبُدُوْنِ کی تفسیر لِيَعْرِفُوْنِ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب ہماری زندگی کا مقصد معرفت ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟

## اللہ تعالیٰ کی پہچان کا طریقہ

کیسے پہچانیں؟ تو اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں:

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾

رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔

یہ ترجمہ ہمارے مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، عجیب اور قابلِ وجد ترجمہ ہے۔ پھر یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ باخبر لوگ کیسے پہچانے جائیں؟ وہ علامات کیا ہیں جن کو دیکھ کر ہم سمجھ لیں کہ یہ بندہ اللہ تعالیٰ کا باخبر ہے؟ اس سوال کا جواب اسی آیت سے چند آیتوں کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

## قرآن کی روشنی میں عِبَادُ الرَّحْمٰن کی پہچان کی پہلی صفت

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا

اور حضرت رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کے مزاج میں تواضع ہے، تمام امور میں، اور اسی کا اثر چلنے میں بھی ظاہر ہوتا ہے، کیوں کہ یہ حق تعالیٰ کی عظمت سے باخبر ہیں، عظمتِ الٰہیہ کی معرفت اور اس کے استحضار سے دبے ہوئے چلتے ہیں۔ ہر وقت دھیان بندھا ہوا ہے کہ میاں دیکھ رہے ہیں، ان کے سامنے چل رہا ہوں۔ اس احسانی کیفیت کے اثر سے ان کی چال سے غلامی کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ ان کی رفتار کا ہون یعنی تذلّل اس امر پر مخبری کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی بندگی اور حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کو پہچان لیا ہے۔ عَلَى الْاَرْضِ فرمایا ہے، جس میں لطیف اشارہ یہ ہے کہ زمین تو چلنے کے لیے پیدا ہی کی گئی ہے، تمہارے قدموں سے اس کی پائمالی ہوتی ہی ہے، لیکن تم نیت اس کی پائمالی کی نہ کرو،

ورنہ زمین کا تو کوئی نقصان نہ ہو گا لیکن تمہاری عبدیت کو نقصان پہنچ جائے گا۔ زمین کے مقابلے میں تمہاری چال سے اس کی حقارت نہ ظاہر ہو، جیسا کہ متکبرین اکڑ کر اینٹھ مروڑ کے ساتھ چلتے ہیں، جس کو حق تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ ''اور زمین پر اتراتے ہوئے اکڑ کر مت چلو۔'' یہاں ''فی الارض'' فرمایا ہے، جس سے متکبرین کی چال کا اندازِ قدم بتایا گیا ہے کہ تکبّر سے زمین پر ایسی قوت سے قدم مارتے ہیں کہ اگر ان کا قابو چلے تو زمین کے اندر قدم پہنچا دیں۔

آگے فرماتے ہیں:

اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿٣٧﴾[۲۲۳]

اے متکبر! تو زمین پر اتراتا ہوا مت چل، کیوں کہ تو زمین پر زور سے پاؤں رکھ کر نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ بدن کو تان کر پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۔

پھر اس عاجزی اور ضعفِ قوت کے ساتھ اِترانا عبث ہے۔ حق تعالیٰ کے خاص بندے اپنی چال سے پہچان لیے جاتے ہیں، انسان چال چلن سے پکڑ لیا جاتا ہے، بُرے بھی چال چلن سے پکڑ لیے جاتے ہیں اور اللہ والے بھی پکڑ لیے جاتے ہیں، مگر نیکی کے ساتھ خواہ وہ اپنے کو کتنا ہی چھپائے اور مٹائے ہوئے ہوں مگر ؎

مردِ حقّانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گفت سِيْمَاهُمْ وُجُوْهُ کردگار
کہ بود غمّاز باراں سبزہ زار

گر ببارد شب نہ بیند ہیچ کس
کہ بود درخواب ہر نفس و نفس

---

۲۲۳؎ بنیٓ اسرآءِیل: ۳۷

تازگئ ہر گلستانِ جمیل
ہست بر بارانِ پنہانی دلیل

مولانا فرماتے ہیں کہ جب انوار و برکات کسی شخص میں دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ صاحبِ نسبت ہے کہ آپ نسبت سے یہ پھول کھلے ہیں۔ اسی کی نسبت پروردگارِ عالم نے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:

سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ؕ

یعنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے چہروں کے نور سے اور لوگوں میں پہچانے پڑتے ہیں، تہجد کی نمازوں سے، صاف نیت سے ان کے چہروں پر نور ہے۔

جس طرح بارش کا مخبر سبزہ زار ہوتا ہے، اگر شب کو مثلاً بارش ہو اور کوئی نہ دیکھے، کیوں کہ نیند میں سب سوئے ہوئے ہوتے ہیں، اس وقت میں ہر باغ باجمال کی تازگی جو صبح کو نظر آوے گی بارانِ مخفی پر علامت ہوگی۔ (از کلیدِ مثنوی، دفتر ششم، ص:٦٦)

هَوْنَ کے معنیٰ لغت میں ذلّت کے ہیں، اسی هَوْنَ کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے ؎

نفس از بس مدحہا فرعون شد
کُنْ ذلیل النفس هَوْنًا لَا تَسُدَّ

نفس اپنی تعریفوں سے فرعون ہوجاتا ہے، علاج کیا ہے؟ فرماتے ہیں کہ ذلیل النفس ہوجاؤ، یعنی جب بندے ہو تو غلام کی خُوبُو تمہارے اندر سے نکلنی چاہیے، بڑائی تو صرف خدا تعالیٰ کی شان ہے، ایک بوند پانی سے جو پیدا ہوا ہو اس کے لیے تو اور بھی تکبّر زیبا نہیں۔ خبر دار! وہ ہَوْن جو عباد الرحمٰن کی خاص صفت ہے اس کو ہاتھ سے نہ جانے دینا اور اپنی طرف سے کبھی سرداری مت چاہنا۔

ایک بار مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت! آپ کی طرف روز بروز ایک خلق متوجہ ہوتی جارہی ہے، مولانا نے عجیب جواب ارشاد فرمایا،

جو بہت قابلِ عبرت ہے، فرمایا کہ بھائی! مجھے تو ازدحامِ خلقت سے خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو۔ اللہ اکبر! اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ کرتے رہتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اپنے باخبر بندوں کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تو یہ بیان فرمائی ہے کہ اُن کی چال اور بندوں کی چال سے ممتاز ہوتی ہے، اور یہ تواضع تو ان کا طرزِ خاص اپنے اعمال میں ہے۔

## عبادالرحمٰن کی پہچان کی دوسری صفت

اور دوسروں کے ساتھ ان کا طرزِ عمل یہ ہے کہ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا اور ان سے جہالت والے لوگ جہالت کی بات چیت کرتے ہیں تو وہ رفعِ شر کی بات کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اپنے نفس کے لیے انتقامِ قولی یا فعلی نہیں لیتے، اور جو خشونت تادیب و اصلاح و سیاستِ شرعیہ یا اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہو اس کی نفی مقصود نہیں۔ ظاہر ہے کہ جاہل کی بے تمیزی پر کس قدر انسان کو غصّہ آتا ہے، خصوصاً جب کہ مخاطبت کے ساتھ ہو، پس باخبر بندے جاہل کی چھیڑ چھاڑ میں اپنے کو نہیں الجھاتے ہیں، تاکہ حق تعالیٰ کی یاد کے لیے فراغِ قلب سے مشغولی کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت میسر ہو۔ اللہ تعالیٰ کے باخبر بندے اپنے وقت کی بہت قدر کرتے ہیں، ہر لمحۂ زندگی کو امانتِ الٰہیہ سمجھتے ہیں، پھر اُن کی شدّتِ محبت اس امر پر ان کو مضطر رکھتی ہے کہ ؎

بفراغِ دل زمانے نظرے بماہ رُوئے
بہ ازاں کہ چترِ شاہی ہمہ روز ہائے وہوئے

یعنی ان کا مذاق یہ ہوتا ہے کہ محبوبِ حقیقی پر ایک بار نظر کرلینا یعنی ذکرِ حق میں مشغول ہونا اس امر سے بہتر ہوتا ہے کہ سر پر شاہی چتر ہو اور ہمہ وقت ہائے وہو یعنی شور و غل ہو۔

## خلوت مع اللہ کی ترغیب ایک حدیث سے

یہ خلوت پسندی برائے ذکرِ دوست ہوتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

حَقِیْقٌ بِالْمَرْءِ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ مَجَالِسُ, یَخْلُوْا فِیْهَا وَیَذْکُرُ ذُنُوْبَهٗ فَیَسْتَغْفِرُ اللهَ مِنْهَا (هَبْ) عَنْ مَسْرُوْقٍ مُرْسَلًا[۲۲۴]

ہر شخص کو ضروری ہے کہ اس کے لیے متفرق طور پر ایسی مجلسیں بھی ہونی چاہئیں جس میں خلوت اختیار کرے اور ان میں اپنے گناہوں کو یاد کرکے ان سے استغفار کرے۔

ہمارے مرشدِ پاک حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرات اہلِ طریق اس کا فعلاً سخت التزام اور قولاً سخت اہتمام رکھتے ہیں کہ خاص خاص اوقات خلوت کے لیے خاص رکھتے ہیں، اور ان میں ذکر اور فکر میں مشغول رہتے ہیں، اور تجربہ سے اس کی خاصیت بیان فرماتے ہیں کہ مَنْ لَّا وِرْدَ لَهٗ لَا وَارِدَ لَهٗ (جس کے کچھ وِرد نہیں اس کے پاس کوئی وارد نہیں)

## مضامین کا القاء فی الجلوۃ تلقی فی الخلوۃ پر موقوف ہے

نیز تجربہ ہوا کہ القاء فی الجلوۃ مشروط ہے تلقی فی الخلوۃ کے ساتھ، (یعنی جلوت میں مضامین ان ہی کو القاء ہوتے ہیں جو خلوت میں اپنا معتدبہ وقت ذکر وفکر میں گزارتے ہیں۔) اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کی محبت سے یا خوف سے بہہ پڑیں تو قیامت کے دن جب کہ شدّتِ تپش سے لوگوں کے سر کھولتے ہوں گے۔

## اللہ کی محبت میں گریہ وزاری

حق تعالیٰ پکاریں گے کہ کہاں ہیں وہ بندے جو مجھے تنہائی میں یاد کرکے رویا کرتے تھے؟ وہ میرے عرش کے سائے میں آجائیں رَجُلٌ ذَکَرَ اللهَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ[۲۲۵] حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

۲۲۴؎ کنز العمال: ۲۱۳/۴ (۱۰۲۰۹)، کتاب التوبۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

۲۲۵؎ کنز العمال: ۴۳۲/۱ (۱۸۳۰)، باب فی الذکر وفضیلتہ، مؤسسۃ الرسالۃ

عارفاں زانند دائم آمنوں
کہ گزر کردند از دریائے خوں
امن شاں از عینِ خوف آمد پدید
لا جرم باشند ہر دم در مزید

عارفین اسی سبب سے ہمیشہ بے خوف ہیں کہ وہ دریائے خون سے گزر چکے ہیں۔ دریائے خون سے مراد ان کے مجاہداتِ نفس ہیں جس کو ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے کہ ؎

مے یہ ملی نہیں ہے یوں
دل اور جگر ہوئے ہیں خوں
کیوں میں کسی کو مفت دوں
مے مری مفت کی نہیں

(خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

ان کا امن عینِ خوف سے ظاہر ہوا (یعنی خشیتِ حق سے) اس لیے وہ ہر دم لطف اور امید کی ترقی ہی میں رہتے ہیں۔ عجیب تصرّف اور عجیب قدرت ہے کہ خوف میں امید کو رکھ دیا ہے، حالاں کہ دونوں متضاد امر ہیں۔

## حق تعالیٰ کے تصرّفاتِ عجیبہ

ان ہی تصرّفاتِ عجیبہ کے سلسلے میں مولانا نے یہاں ایک عجیب اور مفید بات بیان فرمائی ہے، فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی قدرت کو دیکھو کہ ؎

گمرہی را منہجِ ایماں کند
کژروی را مقصدِ احساں کند

وہ بعض اوقات گمراہی کو طریق ایمان کا کر دیتے ہیں اور اخلاص سبب کجروی کا ہو جاتا ہے، اس طرح سے کہ اگر گمراہی مثلاً سبب ہوئی کسی مقبول شخص کے ایذا پہنچانے کے

لیے اس کے پاس جانے کا اور وہاں پہنچنا سبب ہو گیا اس کے کسی کمال کی طرف دل منجذب ہونے کا اور وہ سبب ہو گیا ایمان کا اور اس کا عکس اس طرح کہ کبھی اخلاص پر نظر کر کے عُجب میں مبتلا ہو گیا اور عُجب کی نحوست سے قرب سلب کر لیا گیا۔

صاحبِ گلزار ابراہیم حق تعالیٰ کے ان ہی تصرفاتِ عجیبہ کو بیان فرماتے ہیں ؎

لاوے بُت خانہ سے وہ صدیق کو
کعبہ میں پیدا کرے زندیق کو
اہلیۂ لوطؑ نبی ہو کافرہ
زوجۂ فرعون ہووے طاہرہ
زادۂ آذر خلیل اللہ ہو
اور کنعاں نوحؑ کا گمراہ ہو

یعنی آذر بُت پرست کا بیٹا ابراہیم خلیل اللہ ہو اور نوح پیغمبر کا کنعان کافر ہو۔ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ ان تصرفاتِ عجیبہ کی من جملہ اور حکمتوں کے ایک حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ ؎

تا نباشد ہیچ محسن بے وجا
تا نہ گردد ہیچ خائن بے رجا

یعنی حق تعالیٰ ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ کوئی نیکی کرنے والا بے خوف نہ رہے اور کوئی گناہ گار ناامید نہ رہے۔

بادشاہی زیبد آں خلاّق را
بادشاہاں جملگی عاجز و را

بادشاہی اسی خلاّق کو زیبا ہے، تمام بادشاہ اس کے سامنے عاجز ہیں۔

بادشاہاں مظہرِ شاہئ حق
فاضلاں مرآت آگاہئ حق

تمام بادشاہ مظہر ہیں بادشاہیٔ حق کے، تمام فاضل آئینہ ہیں علمِ حق کے۔

## مسئلۂ قضاو قدر

لیکن حق تعالیٰ کسی کو کافر اور جہنمی بنا کر نہیں پیدا فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک ظلم سے پاک ہے۔ فرماتے ہیں: وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ''اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔''

تقدیر کا مسئلہ نہایت آسان ہے، حق تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے مجھے اس مسئلے میں شرح صدر عطا فرمادیا ہے، میں اس مسئلے کو ایک سوال سے سمجھاتا ہوں۔

وہ سوال یہ ہے کہ بندے دنیا میں پیدا ہو کر جو اعمال اور افعال اپنے ارادے اور اختیار سے کرنے والے تھے ان کا علم خدا تعالیٰ کو تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تھا تو وہ خدا ہی کیسا جس کا بندوں کے اعمال سے بے خبر اور جاہل ہونا ثابت ہو جاوے؟ جہل تو شانِ خداوندیت کے منافی ہے۔

پس لامحالہ یہی جواب دینا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ کو اپنے تمام بندوں کے تمام اعمال کا علم تھا، پس اسی علمِ الٰہی کا نام تقدیر ہے، جس کے متعلق حق تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ یہ اپنے ارادے اور اختیار سے مرتے دم تک کفر اور شرک سے تائب نہ ہو گا اس کو جہنمی لکھ دیا۔

لوگوں کو یہ دھوکا ہو جاتا ہے کہ وہ علمِ الٰہی کو امرِ الٰہی سمجھ لیتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے کفر کا امر نہیں فرمایا کہ تم کافر ہو جاؤ، البتہ تمہارے کفر کا علم ضرور تھا کہ تم ایسا کرو گے، وہی لوحِ محفوظ میں لکھ دیا، علمِ الٰہی اور چیز ہے امرِ الٰہی اور چیز ہے۔

پھر تقدیر کی دو قسمیں ہیں: ایک تقدیرِ معلَّق، دوسری تقدیرِ مُبرَم۔ تقدیرِ مبرم بدون کسی شرط کے ہوتی ہے اور تقدیرِ معلَّق مشروط ہوتی ہے کسی شرط سے اور شرط کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾[۲۲۶]

خدا تعالیٰ جس حکم کو چاہیں موقوف کر دیتے ہیں اور جس حکم کو چاہیں قائم رکھتے ہیں اور اصل کتاب ان ہی کے پاس ہے۔

یعنی بعض تقدیر کو اللہ تعالیٰ کسی خاص شرط پر معلّق رکھتے ہیں، جب وہ شرط علمِ الٰہی کے مطابق وجود میں آجاتی ہے تو اس کو مٹادیتے ہیں، مثلاً کسی کو جہنمی لکھ دیا اور علمِ الٰہی میں یہ قضا مشروط تھی کہ مثلاً جب ہمارا فلاں بندہ اس کے لیے دعا کرے گا تو اس کی اس تقدیر کو مٹاکر جنتی کردوں گا۔ یہ ایک تمثیل ہے، تاکہ بات واضح طور پر سمجھ میں آجائے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ

”اللہ نے مُہر لگادی کافروں کے دلوں پر“ تو اس شبہے کا جواب حق تعالیٰ ہی نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے: بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس مُہر کی وجہ بیان فرمادی کہ ان کی مُسلسل سرکشی جب اس حد تک پہنچ گئی کہ ان کے دل بالکل سیاہ ہوگئے اور علمِ الٰہی میں قبولِ ہدایت کی صلاحیت انہوں نے اپنی اختیاری طغیانی اور سرکشی سے مفقود کردی تو حق تعالیٰ نے سزاءً ان کے دلوں پر مُہر بھی فرمادی، اور یہ ظلم نہیں ہے، ظلم تو اس وقت تھا جب کہ پہلے ہی سے مُہر کردی جاتی، لیکن حق تعالیٰ کی رحمت نے ایک صلاحیت تو عالمِ ازل میں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے سوال کے وقت ارواح میں پیدا فرمائی، پھر اس صلاحیّت اور استعداد کی ترقی کے لیے عقل کو بالغ فرمایا۔ بالغ کے معنیٰ عربی میں پہنچنے والے کے ہیں، پس عقل کے بالغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب عقل کی استعداد اس درجے کو پہنچی کہ احکامِ شریعت کا بار اٹھاسکتی ہے۔ اسی سے پتا چلتا ہے کہ احکامِ شریعت سب عینِ عقل ہیں، کوئی امر خلافِ عقل نہیں۔ اگر خلافِ عقل ہوتے تو ان کا بار نابالغوں پر بھی رکھا جاتا۔ عقل کا بلوغ جس عالم سے آتا ہے اسی عالم سے احکامِ شرعیہ بھی آتے ہیں، پس مَابِهِ التَّكْلِيْفُ یعنی عقل بالغ میں حق تعالیٰ

---

۲۲۶؎ الرعد:۳۹

ایک استعدادِ خاص پیدا فرما کر اس پر مَا بِہِ التَّکْلِیْفُ یعنی اپنے احکام کا بار رکھ دیتے ہیں۔لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا ؕ ''اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلّف نہیں بناتا ہے مگر اسی کا جو اس کی طاقت میں ہو'' پھر اس عقلِ بالغ کی مدد کے لیے حق تعالیٰ نے ہر زمانے میں نبی اور رسول بھیجا،وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اور کوئی امّت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔''

پھر ان کی نبوّت ورسالت کی معرفت کے لیے ان کو معجزے اور آسمانی کتابیں اور صحیفے عطا فرمائے۔ پیغمبر آخر الزمان کے بعد قیامت تک ہر صدی میں ایک مجدّد پیدا ہوتا رہے گا، جو امت کے ہر شعبۂ دین کی گمراہی کی اصلاح کرتا رہے گا۔ حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ! کافر بنانا مقصود ہوتا تو ہدایت کے اتنے اسباب پیدا فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ فرعون، نمرود، شدّاد کو اگر حق تعالیٰ جہنمی پیدا فرماتے تو ان کے لیے ان کی جنت کیوں پیدا فرماتے؟

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر شخص کے لیے اس کی جنت اور اس کی جہنم کو حق تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ کافر جہنم میں داخل کیا جائے گا تو اس کی جنت دکھائی جائے گی اور کہا جائے گا: اگر تو مومن ہوتا تو تیرا ٹھکانا یہاں ہوتا۔

اسی طرح مومن جب جنت میں داخل ہوگا تو اس کی جہنم دکھائی جائے گی اور کہا جائے گا: اگر تو کافر ہوتا تو تیرا ٹھکانا یہاں ہوتا۔ کافروں کے خلود فی النار یعنی دائمی عذاب کی سزا پر بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ ان کا کفر اور شرک تو ایک محدود زندگی تک تھا، پھر سزا غیر محدود کیوں تجویز ہوئی؟

تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا عجیب جواب فرمایا ہے، فرمایا کہ کفر اور شرک کی حقیقت بغاوت ہے، اور قاعدہ سلاطینِ دنیاوی کا بھی یہ ہے کہ باغی کو جلاوطن عبور دریائے شور عمر کے لیے کر دیتے ہیں، جس سے ظاہر ہوا کہ بغاوت کی سزا غیر محدود ہے اور یہ امر بمقتضائے عقل ہے۔ دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ کی تمام صفات غیر متناہیہ ہیں اور کافر حق تعالیٰ کی ذات اور تمام صفاتِ غیر متناہیہ کا حق ضایع کرتا ہے انکار سے، پس سزا بھی غیر متناہی ہونی چاہیے۔

نیز کافر کا ارادہ ہمیشہ اپنی طرف سے کفر ہی پر قائم رہنے کا ہوتا ہے، اگر ہمیشہ زندہ رہے تو ہمیشہ باغی رہنے کا عزم رکھتا ہے، اور مؤمن اس کے برعکس ہمیشہ اطاعت کا ارادہ رکھتا ہے۔

حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک ظلم سے پاک ہے، بعض لوگوں کو اس آیت سے شبہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾[۲۲۷]

اے ہمارے رسول! ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا، دونوں برابر ہیں، یہ کسی حالت میں بھی ایمان نہ لاویں گے۔

تو اس آیت میں حق تعالیٰ نے کافر ہونے کا حکم نہیں فرمایا ہے، اپنا علم ظاہر فرمایا ہے، اگر یہ علم نہ ہو تو مرتبۂ ذات میں جہل لازم آجائے، پھر ایسا خدا، خدا ہی نہیں بن سکتا ہے۔

بعض لوگوں کو اس آیت پر شبہ ہوا کہ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا ''گمراہ کرتے ہیں بہتوں کو اس مثال کی وجہ سے اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو'' تو اس کا جواب اسی آیت کے بعد ہی موجود ہے، فرماتے ہیں:

وَ مَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِیۡنَ یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِیۡثَاقِہٖ ۪ وَ یَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَ یُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۲۷﴾[۲۲۸]

اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو مگر جو توڑتے رہتے ہیں اس معاہدے کو جو اللہ تعالیٰ سے کرچکے تھے اس کے استحکام کے بعد، اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو وابستہ رکھنے کا، اور فساد کرتے رہتے ہیں یہ لوگ زمین میں، بس یہ لوگ ہیں پورے خسارے میں پڑنے والے۔

---

۲۲۷: البقرۃ:۶

۲۲۸: البقرۃ:۲۶،۲۷

ان آیتوں کے اندر حق تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ ہم ان ہی لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں جن پر اتنے مقدمات قائم ہوجاتے ہیں:

۱) اللہ تعالیٰ کے معاہدے کو توڑتے رہنا۔ ۲) جن تعلقات کو قائم رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اس کو قطع کرتے رہنا۔ ۳) زمین پر فساد کرتے رہنا۔

''کرتے رہنے'' کا خوب ترجمہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، جس سے یہ ثابت ہوا کہ سرکشی اور طغیانی کو اپنا شیوہ ہی بنالیتے ہیں۔ اپنے کرتوت سے انہوں نے اپنے کو اندھا، گونگا، بہرہ بنالیا، فرماتے ہیں: اَنُلۡزِمُكُمُوۡهَا وَاَنۡتُمۡ لَهَا كٰرِهُوۡنَ حضرت نوح علیہ السّلام نے ساڑھے نو سو برس تک تبلیغ کی، اس طویل مدت میں صرف اسّی یا بیاسی انسان مسلمان ہوئے، تو فرماتے ہیں کہ کیا میں اس ہدایت کو چپکا دوں درآں حالیکہ تمہیں ہماری باتیں ناگوار معلوم ہوتی رہیں، اور میں ایسا شیدائی ہوں کہ ساڑھے نو سو برس تک تبلیغ سے تھکا نہیں۔ کفّار کہتے تھے: سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا، ''سُن لیا، لیکن نافرمانی کریں گے۔'' جب ان کے دل سرکشی کرتے کرتے سیاہ اور زنگ آلود ہوگئے اور کسی کام کے نہ رہے تب حکم ہوا کہ اب تالا چڑھادو، اب اللہ کے تالے پر کون کنجی لگا سکتا ہے۔

كَلَّا بَلۡ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾

''حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے یہ تالا ان ہی کے کفر کے سبب سے چڑھا ہے۔''

بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ[۲۲۹]

کافر بناکر نہیں پیدا کیے گئے تھے۔

وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۳۴﴾[۲۳۰]

اور جس کی وہ ہنسی کیا کرتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا۔

---

۲۲۹؎ النسآء: ۱۵۵

۲۳۰؎ النحل: ۳۴

خلاصہ یہ کہ تقدیر نام ہے علمِ الٰہی کا، جو کچھ ہم اپنے ارادے سے خیر و شر کرنے والے تھے، ان ہی کو حق تعالیٰ نے لکھوا دیا، کیوں کہ علمِ الٰہی سے ایک ذرّہ بھی غائب نہیں ہو سکتا۔

پس تقدیر کے اس صحیح مفہوم کی بنیاد پر نہ تو کوئی بندہ شر پر مجبور ہے نہ خیر پر۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ایک پیر اٹھاؤ، اس نے اٹھالیا، پھر فرمایا کہ دوسرا پیر بھی اٹھاؤ، اس نے مجبوری ظاہر کی، پس فرمایا کہ سمجھ لو کہ بندہ اتنا مختار ہے اور اتنا مجبور ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جنتی اور جہنمی کی پہچان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ**[۲۳۱] "جس کے اعمال اچھے دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ جنت کے راستے پر چل رہا ہے اور جس کے اعمال بُرے دیکھو تو سمجھ لو کہ جہنم کے راستے پر چل رہا ہے۔"

ہمارے حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ خیر اور شر دو نسبتیں ہیں، ایک خلق کی دوسری کسب کی۔ خیر میں تو مراقبہ ان کی طرف کی نسبت کا کرے، کسب کا استحضار نہ کرے، اور شر میں مراقبہ اپنی طرف کی نسبت کا کرے، خلق کا نہ کرے۔ غرض خیر میں تو نسبتِ خلق کو مستحضر کرو اور شر میں نسبتِ کسب کو مستحضر کرو، یعنی ادب یہ ہے کہ ہر خیر کی نسبت خدا کی طرف کرنا چاہیے اور ہر شر کی نسبت اپنی طرف کرنی چاہیے۔

**مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ**[۲۳۲]

"اے انسان! تجھ کو جو کوئی خوشحالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آوے وہ تیرے ہی سبب سے ہے۔"

اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس آیت سے قبل **قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ** فرمایا ہے، یعنی آپ فرما دیجیے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ

[۲۳۱] جامع الترمذی: ۳۵/۲، باب ماجاء فی الشقاء والسعادۃ، ایچ ایم سعید

[۲۳۲] النسآء: ۷۹

راحت اور تکلیف کا پہنچانے والا در حقیقت اللہ ہے، جو راحت کسی کو پہنچتی ہے وہ اس کا احسان ہے اور جو تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے گناہوں کی نحوست ہے۔ اس صورت میں آیت كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ دونوں میں مطابقت ہوگئی، یعنی سختی کی نسبت آدمی کی طرف اس لیے ہوئی ہے کہ اس کے گناہوں کی نحوست پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے نسبت کی گئی کہ ہر چیز میں اس کا حکم چلتا ہے۔

حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ بندے کو چاہیے نیکی کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھے اور تکلیف اپنی تقصیر سے۔

بعض لوگوں کو وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ سے شبہ ہوتا کیوں کہ اس آیت میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہاری مشیت ہماری مشیت کے تابع ہے۔

تو اس کا جواب ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ مشیتِ عباد معلول ہے مشیتِ رب سے اور بندوں کے افعال بمشیتِ بندہ کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ مشیتِ ثانوی افعالِ عباد کی علتِ قریبہ ہے اور مشیتِ رب علّتِ بعیدہ ہے اور یہ نسبت علّتِ قریبہ ہی کی طرف کرتے ہیں۔ فرقۂ قدریہ کی نگاہ محض مشیتِ اولیٰ پر ہوئی اور جبریہ کی نگاہ مشیتِ ثانیہ محض پر ہوئی۔ یہ دونوں فرقے گمراہ ہیں۔ مذہبِ حق وہی ہے جو جامع ہے، اور ناظر ہے دونوں مشیتوں پر۔ یہ ایک علمی تحقیق ہے جو صرف اہلِ علم کا حصہ ہے۔

## عباد الرحمٰن کی پہچان کی تیسری صفت

عباد الرحمٰن یعنی ان باخبر بندوں کی دو صفتوں کا بیان ہوچکا تھا، ایک صفت تو يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا یعنی زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

دوسری صفت اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ جب ان سے جہالت والے لوگ بات کرتے ہیں تو وہ رفعِ شر کی بات کہتے ہیں۔

تیسری صفت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ان باخبر بندوں کی تیسری پہچان یہ ہے کہ وہ راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام یعنی نماز میں لگے رہتے ہیں۔

بندوں کے ساتھ تو ان کا معاملہ وہ تھا جو بیان ہوا کہ کہیں سے عبدیت کی شان میں فرق نہیں آنے پاتا اور اپنے خالق و معبودِ حقیقی کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے کہ شدّتِ محبّت کے سبب رات کے منتظر رہتے ہیں کہ کب سورج ڈوبے اور ہم دن کے جھگڑوں سے فارغ ہو کر فراغِ قلب سے اپنے محبوبِ حقیقی کی یاد میں لگ جائیں۔

اس آیت میں سجدے کو قیام پر مقدم فرمایا ہے، حالاں کہ قیام پہلے ہوتا ہے، سجدے کا وقوع بعد از قیام ہوتا ہے، تو اس تقدیم میں حق تعالیٰ نے ان کی ایک باطنی کیفیت یعنی ان کی شدّتِ محبت کو بیان فرمایا ہے کہ یہ باخبر بندے میرے در پر جبیں سائی کے لیے اور اپنے کو مٹانے کے لیے حالتِ قیام ہی سے مشتاق اور منتظر رہتے ہیں، یعنی ہیں تو قیام میں لیکن دل سجدے کا منتظر ہے کہ کب وقت آئے گا کہ اپنے اللہ کے سامنے اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر اپنے کو مٹادوں، اور قاعدہ ہے کہ اِنْتِظَارُ الصَّلٰوۃِ مِنَ الصَّلٰوۃِ یعنی نماز کے انتظار میں جو ہوتا ہے وہ نماز کے اندر شمار ہوتا ہے، اس کو ثواب نماز کا ملتا ہے۔

پس حالتِ قیام میں انتظارِ سجدہ کے سبب حق تعالیٰ نے ان کو سجدے ہی کے حکم میں فرمادیا۔ اس آیت میں میاں نے اپنے باخبر بندوں کی خاطر فرمائی ہے کہ اگرچہ ابھی سجدے میں نہیں گئے لیکن سجدے کے انتظار میں تو ہیں، اس کی رعایت سے سُجَّدًا کو قِیَامًا پر مقدم فرمادیا۔

راتوں میں اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جو لُطف آتا ہے اس کو دوسرا کیا جان سکتا ہے، کیوں کہ وہ لذّت ایک مخفی راہ سے حق تعالیٰ عطا فرماتے ہیں؎

درمیانِ شمس و دین روشن رہے
ہست روزنہا نشد زاں آگہے

اس آفتابِ حقیقی اور ان کے قلب کے درمیان میں ایک مخفی راستہ ہے جس سے حق تعالیٰ کے نفحاتِ کرم پے درپے آتے رہتے ہیں، دوسرے لوگ اس دریچۂ باطنی سے آگاہ نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

تَتَجَافٰی جُنُوۡبُہُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ [۲۳۳]

ان باخبر بندوں کے اعمال کا حال یہ ہے کہ ”رات کو ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں (خواہ فرض عشاء کے لیے یا تہجّد کے لیے بھی، اور اس سے سب روایتیں جمع ہو گئیں اور خالی علیحدہ ہی نہیں ہوتے، بلکہ اس طور پر علیحدہ ہوتے ہیں کہ) وہ لوگ اپنے رب کو ثواب کی امید سے اور عذاب کے خوف سے پکارتے ہیں (اس میں نماز اور دعا اور ذکر سب آگیا) اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لیے خزانۂ غیب میں موجود ہے۔“

ہرچند کہ اس آیت میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان خزانۂ غیب میں فرمایا گیا ہے، مگر دنیا ہی میں اس ٹھنڈک کا فیض ملنا شروع ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ [۲۳۴]

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْمُصَلِّيَ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ [۲۳۵]

مصلّی نماز میں اپنے رب سے چپکے چپکے سرگوشی کرتا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ

نماز مؤمنین کی معراج ہے۔

ان نصوص سے ظاہر ہے کہ نماز معراج اور محلِ مناجات اور قرۃِ عین ہے۔

حضرت شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے

---

۲۳۳؎ السجدۃ: ۱۶-۱۷

۲۳۴؎ السنن للنسائی: ۲/۹۳، کتاب عشرۃ النساء، المکتبۃ القدیمیۃ

۲۳۵؎ صحیح البخاری: ۱/۷۶، (۵۳۳)، باب المصلی یناجی ربه، المکتبۃ المظھریۃ

مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مخصوص مجلس میں ارشاد فرمایا کہ سب سے کہنے کی بات نہیں ہے، مگر تم سے کہتا ہوں کہ جب میں سجدے میں جاتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں نے ہمارا پیار کرلیا۔

ہمارے حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی دادا پیر رحمۃ اللہ علیہ بعض راتوں کو تمام رات ایک سجدے میں گزاردیتے اور حالتِ سجدہ میں یہی شعر پڑھتے اور روتے ؎

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سرِّ من پیدا مکن

اے خدا! اس بندے کو رُسوا نہ فرمائیے، اگرچہ میں بُرا ہوں لیکن میرے عیوب کو خلق پر ظاہر نہ فرمائیے۔

## ہمارے دادا پیر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو شعر

ہمارے دادا پیر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے احباب و رفقاء کے انتقال کے بعد جو اپنا غم بیان فرمایا ہے اس کا نام دردنامۂ غمناک ہے، اس کے دو شعر مجھے یاد ہیں، جن کو دیکھ کر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبدیت اور فنائیت کا پتا چلتا ہے، فرماتے ہیں ؎

جو تھے نوری وہ گئے افلاک پر
مثل تلچھٹ رہ گیا میں خاک پر
بلبلوں نے گھر کیا گلشن میں جا
بوم ویرانے میں ٹکراتا رہا

## تذکرۂ مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ والے سراپا درد ہوتے ہیں۔ ہمارے دوست مولانا محمد احمد صاحب

پرتاب گڑھی بھی سراپا درد ہیں۔ ماشاء اللہ! ان کا کلام بڑا دردناک ہوتا ہے۔ ایک بار مجھے اپنے گھر بھی لے گئے ہیں اور خوب سنایا، ان کے چند اشعار تو بہت ہی دردناک ہیں۔ فرماتے ہیں؎

شکر ہے دردِ دل مستقل ہوگیا
اب تو شاید مرا دل بھی دل ہوگیا

اور فرماتے ہیں؎

دلِ مضطرب کا یہ پیغام ہے
ترے بن سکوں ہے نہ آرام ہے
تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے
یہی بس محبت کا انعام ہے
ترا عشق شاید ابھی خام ہے
جو آغاز میں فکرِ انجام ہے

اور فرماتے ہیں؎

لطف جنّت کا تڑپنے میں جسے ملتا نہ ہو
وہ کسی کا ہو تو ہو لیکن ترا بسمل نہیں
قیس بے چارہ رموزِ عشق سے تھا بے خبر
ورنہ ان کی راہ میں ناقہ نہیں محمل نہیں

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو عبادت میں لذت ملنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس دھیان سے عبادت کرتے ہیں کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اور جس درجۂ یقین کے ساتھ جس کو تعلّق مع اللہ نصیب ہوتا ہے اسی درجے اس کو لذّتِ طاعت بھی سوا ملتی ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے؎

لطف مَے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

# عشاق کی شان

عاشق کی شان تو یہی ہوتی ہے، اس کو محبت کی یاد کے سوا کچھ اچھا نہیں لگتا ہے۔ ایک شخص نے کسی عاشق سے پوچھا کہ تم نے بہت سے شہر دیکھے ہیں، ان میں کون سا شہر تم کو سب سے اچھا معلوم ہوا؟

اُس عاشق نے جواب دیا۔

پس کدامے شہر زانہا خوشتر است
گفت آں شہرے کہ در وے دلبر است

اس نے جواب دیا کہ وہ شہر جس میں میرا محبوب ہے وہی مجھے سب سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔

ہر کجا یوسف رُخے باشد چو ماہ
جنت است آں گرچہ باشد قعرِ چاہ

جس جگہ وہ یوسف رُخ مثل چاند کے جلوہ افروز ہے وہ میرے لیے جنت ہے، اگرچہ وہ کنویں کا قعر ہی کیوں نہ ہو۔

خوشتر از ہر دو جہاں آنجا بود
کہ مرا با او سرو سودا بود

دونوں جہاں سے خوشتر وہی جگہ ہے جس جگہ سے مجھ سے اور محبوب سے سر و سودا ہو، یعنی عشق و محبت کی گفتگو ہو اور مناجات و سرگوشی ہو۔

کشتہ و مُردہ بہ پیشت اے قمر
بہ کہ شاہِ زندگاں جائے دگر

اے قمر! یعنی اے محبوبِ حقیقی! آپ کے سامنے کشتۂ عشق اور مردہ رہنا یعنی بے نام ونشان رہنا میرے نزدیک بہتر ہے کہ میں دوسری جگہ زندوں پر بادشاہی کروں۔

آزمودم من ہزاراں بار بیش
بے تو شیریں می نہ بینم عیشِ خویش

میں نے ہزاروں بار آزمالیا ہے کہ بغیر آپ کے قرب کے میرا عیش و آرام سب تلخ ہو جاتا ہے۔

بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست
تلخ تر از فرقتِ تو ہیچ نیست

بغیر آپ کی پناہ کے بجز الجھاؤ اور پیچیدگی کے کچھ نہیں ہے اور آپ کی فرقت سے تلخ تر دنیا میں کوئی مصیبت نہیں ہے۔

ہیچ کنجے بے دو و بے دام نیست
جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

کوئی گوشہ بدون جال اور مکر کے نہیں ہے، بجز خلوت گاہِ حق کے کہیں آرام نہیں ہے۔

ہر کہ جویائے امیری شد یقیں
پیش ازاں اندر اسیری شد رہیں

جو شخص امارت کا طالب ہوا وہ بالیقین قبل امیر ہونے کے سینکڑوں افکار و ہموم و غموم کا اسیر ہو گیا۔

بر کفِ من نہ شرابِ آتشیں
وانگہ آں کرّو فرِّ مستانہ بیں

اے محبوب! میرے ہاتھ پر شرابِ آتشیں کا جام رکھ دیجیے، اس کے بعد میر امستانہ کرّو فرّ دیکھیے۔

خواب را بگزار امشب اے پدر
یک شبے در کوئے بے خواباں گزر

خواب کو ایک رات کے لیے ترک کر دے اے پدر! ایک شب بے خوابوں کی گلی میں سَیر کر لے۔

بنگر ایشاں را کہ مجنوں گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلش کشتہ اند

پھر دیکھو ان بے خوابوں کو کہ عشقِ حقیقی نے ان کو مجنوں کر رکھا ہے، اور پروانوں کی طرح اس کے قرب سے کشتہ ہیں۔

ہیں بیائید اے پلیداں سوئے من
کہ گرفت از خوئے یزداں خوئے من

اے غافلو اور پلیدو! آجاؤ میری طرف، کیوں کہ میرے اخلاق، اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہوگئے ہیں۔

اولیاء را در دروں ہا نغمہا است
طالباں را زاں حیاتِ بے بہا است

اولیائے اللہ کے اندر عشقِ حق کے بہت سے ایسے نغمے ہیں جن سے طالبین کو حیاتِ بے بہا عطا ہوتی ہے۔

اے تواضع بردہ پیشِ ابلہاں
اے تکبّر کردہ تو پیشِ شہاں

اے وہ شخص کہ تُو تواضع کرتا ہے دنیا کے ان امراء اور حکّام کے سامنے جو بسبب غفلت عن الآخرت کے عند اللہ بے وقوفوں میں شمار ہوتے ہیں، اور اے وہ شخص کہ تو تکبّر کرتا ہے ان اولیائے اللہ کے سامنے جو در حقیقت رشکِ سلاطین ہیں۔

چوں شوی دور از حضورِ اولیاء
در حقیقت گشتۂ دور از خُدا

اگر تو اولیائے اللہ کے حضور سے دور ہو گیا تو سمجھ لے کہ در حقیقت تو خدا سے دور ہو گیا۔

مردانِ خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

اہل اللہ خدا نہیں ہیں، لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔

خدا تعالیٰ شانہٗ جس کو اپنی محبت سے نواز دیں وہ بڑا خوش قسمت ہے، اس کی خوش نصیبی کون پا سکتا ہے۔

# غمِ عشق

احقر مؤلف کے چند منتخب اشعار ؎

وقفہ وقفہ سے آہ کی آواز
آتشِ غم کی ترجمانی ہے

میں ڈھونڈتا ہوں تجھ کو محبت کہاں ہے تو
اک قلبِ شکستہ ترے قابل لیے ہوئے
پھرتا ہوں دل میں درد کا نشتر لیے ہوئے
صحرا و چمن دونوں کو مضطر کیے ہوئے

ہزار خونِ تمنا ہزارہا غم سے
دلِ تباہ میں فرماں روائے عالم ہے

مری زندگی کا حاصل مری زیست کا سہارا
ترے عاشقوں میں جینا ترے عاشقوں میں مرنا

ہم نے دیکھا ہے ترے چاک گریبانوں کو
آتشِ غم سے چھلکتے ہوئے پیمانوں کو
ہم نے دیکھا ہے ترے سوختہ سامانوں کو
سوزشِ غم سے تڑپتے ہوئے پروانوں کو

خلوتِ غارِ حرا سے ہے طلوعِ خورشید
کیا سمجھتے ہو تم اے دوستو ویرانوں کو

عشقِ حقیقی جس دل میں گھر کرلیتا ہے تو اس کو تمام ننگ وناموس سے آزاد کر دیتا ہے، بجز رضائے الٰہی اس کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی کہ لوگ ہمیں کیا کہتے ہیں، ہمارے حضرت

رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر فرمایا کرتے تھے۔

گرچہ بدنامی است نزدِ عاقلاں
مانمی خواہیم ننگ و نام را

سچا عاشق معترض سے یہی کہہ دیتا ہے کہ یہ اعتراض طریقِ عشق پر اسی وقت تک ہے جب تک تمہارے دل میں حق تعالیٰ کی محبت نے اپنا اثر نہیں کیا۔

منعم کنی ز عشق وے اے مفتی زمن
معذور دارمت کہ تو او را ندیدۂ

اے ظاہر بیں مفتیٔ زمن! تو مجھے ان کے عشق سے منع کرتا ہے، میں تجھے معذور سمجھتا ہوں کہ تو نے ان کو دیکھا ہی نہیں۔

دید لیلیٰ کے لیے دیدۂ مجنوں ہے ضرور
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا تیرا

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا
ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے دل میں عظمت تو فقہاء کی ہے مگر محبت زیادہ صوفیا کی ہے۔

## سالک کو اہلِ محبت کی صحبت اختیار کرنا چاہیے

اور فرمایا کہ سالک کو چاہیے کہ اہلِ محبت کی صحبت میں بیٹھا کرے، اور ایک حدیث سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال بھی فرمایا ہے:

جَالِسُوا الْکُبَرَاءَ، وَسَائِلُوا الْعُلَمَاءَ، وَخَالِطُوا الْحُکَمَاءَ (طب) عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ (صح) قَالَ الْعَزِیْزِیُّ مَرْفُوْعًا وَمَوْقُوْفًا، وَالْمَوْقُوْفُ صَحِیْحٌ[۲۳۶]

۲۳۶؎ کنز العمال: ۹/۷، رقم (۲۴۶۶۱) باب الاول: فی الترغیب فیھا، مؤسسۃ الرسالۃ

بزرگوں کے پاس بیٹھا کرو (ظاہر اًعمر کے اعتبار سے بڑا مراد ہے، کیوں کہ وہ اہلِ تجربہ، اہلِ بصیرت کاملِ العقل والمعرفۃ ہوتے ہیں اور ان سے استفادہ کامل ہوتا ہے) اور علماء سے (احکامِ دینیہ) پوچھتے رہا کرو، اور حکماء سے ملتے جلتے رہا کرو۔

اس حدیث میں خَالِطُوْا کو سَاءِلُوْا کے مقابلے میں فرمانا اشارہ اس طرف ہے کہ صوفیا سے استفادہ زیادہ مقاولۃ و مساءلۃ یعنی زیادہ قیل و قال اور کثرتِ سوالات پر موقوف نہیں، بلکہ بلاضرورتِ شدیدہ اکثر مضر ہو جاتا ہے، کَمَا یَعْرِفُہٗ اَھْلُ الطَّرِیْقِ۔

نیز خَالِطُوْا کو جَالِسُوْا کے مقابلے میں لانا اشارہ اس طرف بھی ہے کہ صوفیا سے کَمًّا وَکَیْفًا زیادہ تعلق کی ضرورت ہے، کیوں کہ مخالطت بدون تکرارِ آمد و رفت و کثرت و لزوم کے متحقق نہیں ہوتی، نیز اہل اللہ کی صحبت میں ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ اگر کسی شخص کی طرف نظر کر لیتے ہیں تو وہ شخص باسعادت ہو جاتا ہے۔

حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

مہرِ پاکاں درمیانِ جاں نشاں
دل مدہ الاّ بمہرِ دل خوشاں

پاکوں کی محبت کو جان میں راسخ کرلو، اور دل ہرگز کسی کو نہ دو مگر ان کو جن کے دل اچھے ہیں۔

من غلامِ آنکہ نفروشد وجود
جز بآں سُلطاں بافضالِ وجود

میں غلام اس مقدس بندے، مقبول بندے کا ہوں جو اپنے وجود کو دنیا و مافیہا کے لیے نہیں فروخت کرتا ہے، بلکہ اپنے وجود کو صرف اس سلطان بافضال وجود یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔

اصل جوہر شیخِ کامل کے اندر یہی ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کا طالب اور عاشق ہے، اس وصف کے بعد پھر اس کی اطاعت کو عینِ اطاعتِ حق جاننا چاہیے، اس کی محبت کو عین محبتِ حق سمجھنا چاہیے۔

# شیخِ کامِل کی محبّت عین محبّتِ حق ہے

مولانا عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چوں جُدا بینی ز حق ایں خواجہ را
گم کنی ہم متن و ہم دیباچہ را
دو مگو دو مداں و دو مخواں
خواجہ را در خواجہ و خود محو داں
خواجہ ہم در نورِ خواجہ آفریں
فانی است و مردہ و میت دفیں

۱) حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تو اپنے شیخِ کامل فانی فی الحق کو حق سے جدا سمجھے گا تو تو اصل اور مقدمہ سب گم کر بیٹھے گا۔

مردانِ خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

۲) مولانا فرماتے ہیں کہ دو مت کہہ، دو مت جان، دو مت پڑھ، بلکہ غلام مبتدی کو اپنے آقا یعنی مرشدِ کامِل میں محو جان کہ اوّلاً تخلّق باخلاقِ شیخ ہوتا ہے۔

۳) اور پھر یہ سمجھو کہ یہ خواجہ یعنی مرشدِ کامل بھی خالقِ خواجہ یعنی اپنے خالق کے نور اور تجلّی میں فانی ہے اور میت ہے اور مدفون ہے۔

اس میں تاکید ہے کہ تخلّق باخلاقِ شیخ کے بعد تخلّق باخلاق اللہ کا مقام نصیب ہوجاتا ہے اور تخلّق باخلاق الرسول تخلّق باخلاق اللہ ہی کے مفہوم میں آگیا۔

خدمتِ او خدمتِ حق کردن است
روز دیدن دیدنِ آں روزن است

فانی فی الحق کی خدمت کرنا عین خدمتِ حق ہے۔ آفتاب دیکھنا اس دریچے کا دیکھ لینا

ہے۔ اس میں مبتدا موئخر خبر مقدم ہے، یعنی اگر دریچۂ تاباں از آفتاب کو دیکھ لیا تو گویا آفتاب کو دیکھ لیا۔

مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ احمد است
دیدنِ او دیدنِ خالق شد است

مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ کے مصداق احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں، جس سے عینیتِ مصطلحہ معلوم ہوئی، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا مِنْ وجہٍ خالق کا دیکھنا ہے۔

## اطاعتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عین اطاعتِ حق ہے

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ [۲۳۷]

جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی اس نے بے شک اللہ کی اطاعت کی۔

خلاصہ یہ کہ جو بندۂ مقبول حق تعالیٰ کے نور سے منوّر ہے اور اس نورِ حقیقی سے تعلق رکھتا ہے اس کا دیکھ لینا بعض اعتبارات سے حضرتِ حق کا دیکھ لینا ہے، کیوں کہ ہر مَظہر ظاہر کے لیے مُظہر ہوتا ہے، اور یہ حکم تمام انبیاء علیہم السّلام کے لیے عام ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کو اس عموم کے ساتھ ایک خصوصی شرف حاصل ہے، وہ یہ کہ تمام خلائق کے لیے آپ خود واسطۂ فیضِ الٰہی ہیں، آپ کے لیے کوئی بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ [۲۳۸]

حق تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرکز الخلائق بھی ہیں اور مرکزِ نبوت و رسالت بھی ہیں، اسی اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے، کیوں کہ واسطۂ رحمت وہی ہو سکتا ہے جو سب سے افضل و اقرب و احبّ ہو۔

---

۲۳۷؎ النسآء: ۸۰

۲۳۸؎ مرقاۃ المفاتیح: ۱/۱۶۷، باب الایمان بالقدر، المکتبۃ الامدادیۃ

# ارواحِ عارفین کی عظمت وجلالتِ شان

عارفین کی عظمت و جلالتِ شان کی وضاحت کے لیے حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قصّہ بیان فرمایا ہے، وہ یہ کہ دریائی گائے یا بیل دریا سے گوہر نکال کر لاتا ہے اور سبزہ زار میں اس کو رکھتا ہے، اور اس کی روشنی کی مدد سے رات کو اس کے گرد چَرتا ہے، نورِ گوہر کی شعاع میں وہ دریائی گاؤ سُنبل اور سوسن وغیرہ جلدی جلدی چَرتا ہے، اس گاؤ آبی کا پس افگندہ یعنی پائخانہ عنبر ہوتا ہے، کیوں کہ اس کی غذا نرگس اور نیلوفر وغیرہ لطیف اور خوشبودار نباتات ہیں (یہ مشہور قول ہے اور اس میں اختلاف ہے)۔

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ جب گائے بکری کا خوشبو کھانا سبب ہوتا ہے خوشبو حاصل ہونے کا تو جس کی روحانی غذا ذکر و طاعت کے انوار جلال ہوں اس کے لبوں سے کیوں کر نہ سحر حلال یعنی کلام مؤثر پیدا ہوگا۔

ہر کہ باشد قوتِ او نورِ جلال
چوں نزاید از لبش سحرِ حلال

جس کی غذا نورِ جلال ہو کیوں کر اس کے لبوں پر سحرِ حلال پیدا نہ ہوگا۔

الغرض جب سبزہ زار میں رات کو وہ دریائی گاؤ اس گوہر کے نور میں اس کے گرد چَرتا رہتا ہے تو تاجر جو موتی کی تلاش میں وہاں جاتا ہے، اس گوہر پر سیاہ کیچڑ رکھ دیتا ہے، تاکہ وہ روشنی جو اس گوہر سے پیدا ہو رہی تھی ختم ہو جائے اور سبزہ گاہ تاریک ہو جائے اور کیچڑ رکھتے ہی وہ تاجر فوراً درخت پر بھاگ جاتا ہے اور وہ دریائی گاؤ اس کو مضبوط سینگ لیے ہوئے ڈھونڈتا ہے، چند بار وہ گاؤ دریائی اس چراگاہ کے اطراف میں پھرتا ہے تاکہ اس مخالف تاجر کو سینگ میں لپیٹ کر ہلاک کر دے، مگر وہ درخت پر مامون بیٹھا رہتا ہے، پس جب وہ گاؤ نر اس سے ناامید ہو جاتا ہے، تو وہاں آتا ہے جہاں اس نے موتی رکھا تھا مگر وہاں آکر کیچڑ دیکھتا ہے جو درّ شاہ وار کے اوپر اس تاجر نے رکھ دیا تھا، پس کیچڑ دیکھ کر وہ گاؤ دریائی بھاگ جاتا ہے اور تاجر اطمینان سے اس کو لے کر چل دیتا ہے۔

اب حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب عبرت کی بات بیان فرماتے

ہیں کہ اسی طرح ابلیس حضرت آدم علیہ السّلام کے خاکی پتلے سے متنفر ہو کر بھاگا اور نہ دیکھا کہ اس خاک میں وہ درّ شاہ وار مخفی ہے جو خلیفۃ اللہ فی الارض کا مصداق ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

خواجہ را جاں بیں مبیں چشم گراں
مغز بیں او را مبینش استخواں
خواجہ را از چشمِ ابلیس لعیں
منگر و نسبت مکن او را بطیں
خواجہ را کو درگذشت است از اسیر
جنس ویں موشانِ تاریکی مگیر

۱) مولانا فرماتے ہیں کہ اس مرشدِ کامل کو جان سمجھ، جسمِ ثقیل مت سمجھ، یعنی محض اس کی ظاہری بشریت یعنی جسدِ خاکی پر نگاہ مت کر، بلکہ اس کے خاکی جسد میں جو اس کی عارف رُوح پنہاں ہے، اس حیثیتِ رُوحیہ متصفہ بالکمال پر نظر کر، اوصافِ جسمیہ مشترکہ کو مت دیکھ، اس کا مغز دیکھ، اس کی ہڈی مت دیکھ۔

## شیخِ کامل کو چشمِ ابلیس لعین سے مت دیکھو

۲) اس خواجہ کو یعنی شیخِ کامل کو چشمِ ابلیس لعین سے مت دیکھ، اور اس کو صرف طین کی طرف منسوب مت کر، ورنہ محرومی کا وہی حال ہوگا جو اس دریائی گاؤ کا حال ہوا، یعنی جس طرح موتی پر کیچڑ دیکھ کر وہ موتی سے بھاگ جاتا ہے اور گوہر ہاتھ سے نکل جاتا ہے اسی طرح اگر تم اہل اللہ کے صرف ظاہری جسدِ عنصری پر نگاہ رکھو گے تو ان کی عارف رُوح جو مثل گوہر شاہ وار کے ہے اس سے بے خبر اور محرومِ فیض رہو گے، چناں چہ ابلیس لعین کی مردودیت کا یہی سبب ہوا تھا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السّلام کو صرف طین یعنی مٹی کی طرف منسوب کیا اور آپ کی رُوح جو مصاحبِ حق تھی اس کے انوار و تجلیات سے بے خبر تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے کو حضرت

آدم علیہ السّلام سے افضل سمجھ گیا، اور اس درجہ تکبّر بڑھا کہ حق تعالیٰ پر اعتراض شروع کردیا کہ آپ افضل کو مفضول کے لیے سجدہ کا حکم فرماتے ہیں۔

## ابلیس کے اندر محبّت کامادّہ نہ تھا

ابلیس میں محبت کامادّہ نہ تھا، ورنہ اعتراض کے وبال میں نہ مبتلا ہوتا۔

۳) مولانا فرماتے ہیں کہ اہل اللہ مصاحبِ خورشید ہیں، ''پاسبانِ آفتاب اند اولیاء'' اولیائے اللہ آفتابِ حق کے جلیس ہیں کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ: اَنَا جَلِیۡسُ مَنۡ ذَکَرَنِیۡ[۲۳۹] ''میں اپنے ذاکر بندے کا جلیس ہوں۔'' اور اہل اللہ کے ظاہر وباطن دونوں ذاکر ہوتے ہیں، یعنی ان کے جوارح بھی ذاکرِ حق ہوتے ہیں اور ان کا قلب بھی ہر وقت حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے۔

## حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت حاجی صاحب مہاجر مکّی دادا پیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ہمارے مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میاں اشرف علی! جب میں لوگوں سے باتیں کرتا ہوتا ہوں تو اس وقت بھی میرے قلب کی طرف استفاضے کے لیے متوجہ رہا کرو، یہ نہ سمجھنا کہ جب میں لوگوں سے باتیں کرتا ہوتا ہوں تو میرا دل بھی غافل ہوجاتا ہے، لوگوں سے گفتگو کے وقت بھی میرا دل حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوتا ہے۔

## اولیاء اللہ کا مقام

اسی کو مولانا فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے اجسام تو اس عالم میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں مگر ان کی ارواحِ پاک عالمِ قدس سے متصل ہوتی ہیں، اور اتصال سے دوسرے لوگ بے خبر ہوتے ہیں۔

---

۲۳۹ شعب الایمان للبیہقی: ۱۷۱/۲ (۶۷۰)، مکتبۃ الرشد

اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست ربّ الناس را با جانِ ناس

تو اس معیّتِ حق کے ہوتے ہوئے ان کو موشانِ تاریکی کی جنس سے مت سمجھو، جن کی روحیں صرف چاہِ دنیا میں لذّاتِ نفس کے ساتھ مشغول ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

نفس تو تام است در نقل و نبیذ
دانکہ روحت خوشۂ غیبی ندید

"تیرا نفس جب تک نقل و نبیذ یعنی شراب و کباب میں مست ہے تو تو یقین کرلے کہ تیری رُوح نے ابھی خوشۂ غیبی نہیں دیکھا ہے" یعنی عالَمِ غیب کے فیوض و برکات اور انوار و تجلّیات سے تیری رُوح نا آشنا و بے خبر ہے، برعکس اہل اللہ کے کہ دنیائے مردار سے فارغ ہیں، اُن کے قلوب دنیا کی محبت سے فارغ ہیں۔

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ روحِ عارف باللہ کی طرف سے حکایتاً بیان فرماتے ہیں ؎

بازِ سلطانم گشم نیکو پیَم
فارغ از مردارم و کرگس نیَم

"میں بازِ شاہی ہوں یعنی میری رُوح قربِ شاہ سے مشرف ہے، اس لیے میری نگاہ مُردار خوری سے بے پرواہ ہے" کیوں کہ میری وہ صفات اور رذائل جو مُردار خوری کی طرف مائل کرتے تھے اب اخلاقِ الٰہیہ سے متبدل ہوگئے ہیں جس کے سبب سے اب میرا یہ حال ہے ؎

چوں بمردم از حواسِ بوالبشر
حق مرا شد سمع و ادراکِ بصر
نورِ او در یمن و یسر و تحت و فوق
بر سرو بر گردنم مانند طوق

"جب میں نے اپنے اخلاقِ رذیلہ کو مرشدِ کامل کے فیضِ صحبت سے فنا کردیا تو اب حق تعالیٰ کے نور سے سنتا ہوں، حق تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہوں، حق تعالیٰ کا نور اپنے

داہنے، بائیں، اُوپر نیچے دیکھتا ہوں، میرے سر اور گردن میں نورِ حق مانندِ طوق ہے“۔

آفتابے دید او جامد نماند
روغنِ گل روغن کنجد نماند

”عارفین کی روحوں نے آفتابِ حق دیکھ لیا ہے، پس وہ جامد نہ رہے، یعنی معیتِ حق کی برکت سے وہ اپنے رذائل کا فضائل کی طرف امالہ کرچکے ہیں۔ جب تِل کے تیل نے گلاب کے پھول کی معیت اور صحبت سے گلاب کی خوشبو کو اپنے اندر جذب کرلیا تو اب وہ تِل کا تیل نہ رہا روغنِ گل ہوگیا“ اس کو اب تِل کا تیل کہنا گستاخی اور بے ادبی ہے۔

## ابدال کی تعریف

کیست ابدال آنکہ او مبدل شود
خمرش از تبدیل یزداں خل شود

”پس جب اولیائے اللہ باعتبار اپنے اوصاف کے مبدّل ہوگئے یعنی ان کے اخلاقِ رذیلہ تبدیلِ یزداں سے اخلاقِ حمیدہ سے بدل گئے تو اب ان کو کہا جائے گا کہ عام خلائق سے نہ رہے۔“

پیشِ ایں خورشید کے تابد ہلال
باچناں رستم چہ باشد زور و زال

”اس خورشید کے سامنے ہلال کب روشن ہوسکتا ہے، ایسے رستم کے سامنے کیا ہوسکتا ہے زور زال، یعنی“

## عبدیتِ روحِ عارف عظمتِ الٰہیہ کے سامنے

حق تعالیٰ شانہٗ کے قُرب اور عظمت کے سامنے عارف کی رُوح کب انانیت کا دعویٰ کرسکتی ہے، ایک چراغ آفتاب کے نور کے سامنے کب اپنی ہستی پر نظر کرسکتا ہے؟ ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چُھپ گئے تارے
وہ ہم کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

(مجذوبؔ)

ایسی قوی اور قادرِ مطلق ذات کے سامنے عارف کی رُوح کب اپنی ضعیف اور فانی قوت پر نظر کر سکتی ہے؟ یہی راز ہے کہ اَلْفَانِیْ لَایُرَدُّ جب بندہ مقرب اور مقبول ہو جاتا ہے تو واپس نہیں کیا جاتا، جس طرح کوئی بالغ نابالغ نہیں ہو سکتا۔

جو لوگ طریق میں چل کر گمراہ ہوگئے وہ غیر واصل تھے اور غیر عارف تھے۔ انانیت اور خود بینی کا مرض قلتِ معرفت کے سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ عارفین میں غلبۂ عبودیت اور فنائیتِ کاملہ کے جو آثار ظاہر ہوتے ہیں اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے اللہ کی عظمت کو پہچان لیا ہے۔ کثرتِ ذکر و طاعت کے انوار میں ان کے قلوب نے اپنی عبدیت اور خواری اور حق تعالیٰ کی کبریائی کا مشاہدہ کر لیا ہے اور قاعدہ کلّیہ ہے کہ تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا، ہر شئے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

جب عظمتِ الٰہیہ کی پہچان ہوگئی تو اپنی بے چارگی اور بندگی خود بخود منکشف ہوگئی، مثلاً ایک ادنیٰ چوکیدار گاؤں میں تو ناز سے چلتا ہے، لیکن عین اسی ناز اور تبختر کی حالت میں کپتان سامنے آکر کھڑا ہو جائے تو سب ناز و شوکت بھول جاتا ہے، اب تو حواس بھی بجا نہیں رہ سکتے، رعشہ بر اندام حضور حضور کرنے لگتا ہے، کپتان کی عظمت و شوکت کے سامنے اپنی ہستی اور صفاتِ ہستی کو بھول جاتا ہے۔ یہ تو ایک ادنیٰ مثال ہے۔ جب ایک بندہ دوسرے بندے کے سامنے اس طرح دَب جاتا ہے اور مٹ جاتا ہے تو پھر اللہ تو اللہ ہی ہے۔

نیست کس را زہرۂ چون و چَرا
ہست سلطانی مسلّم مر ورا

کسی کا پتّہ نہیں ہے کہ ان کی عظمت و کبریائی کے سامنے چون و چرا کر سکے، خاص کر ان ہی کے لیے ہر سلطانی مسلّم ہے۔

بادشاہی زیبد آں خلاّق را

بادشاہی جملگی عاجز ورا

اسی خلاّقِ عالم کے لیے بادشاہی زیبا ہے، تمام سلاطینِ دنیا اس احکم الحاکمین کے سامنے دست بستہ عاجز غلام ہیں۔‘‘

جس طرح اونٹ جب تک پہاڑ تلے نہیں گزرتا اس وقت تک اس کا ناز ’’ہمچو من دیگرے نیست‘‘ کا نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح غیر عارفین بندوں کے نازو پندار کا دعویٰ اور خود بینی کا مرض اسی وقت تک ہے جب تک میاں کو نہیں پہچانا ہے، ابھی اندھیرے میں ہے، اس لیے صرف اپنے کو دیکھتا ہے اور یہ دیکھنا بھی نگاہِ جہل سے ہوتا ہے، اور اگر نگاہِ بصیرت سے اپنے کو دیکھ لے تب بھی حق تعالیٰ کو پہچان لے کہ ایک قطرۂ آبِ منی میں کسی ذاتِ پاک نے ایسا تصرف فرما کر اس کو انسانی قالب میں کر دیا، ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہ کیا تمہارا رب ہے، دیکھتے نہیں، اندھے ہو؟ اپنے وجود کو دیکھ کر کیوں نہیں اللہ کو پہچان لیتے؟ بات یہ ہے کہ ہمارے حواس غیر اللہ میں مشغول ہیں، اس لیے باطنی ادراک سے بے خبر ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

## اپنے باطن میں راہ پیدا کرلو

راہ کن اندر بواطن خویش را

دور کن ادراکِ غیر اندیش را

مولانا فرماتے ہیں کہ اپنے باطن میں راستہ پیدا کرلے، اور اس ادراک کو دور کر دے جو غیر کا تصور کرنے والا ہے۔

کیمیا داری دوائے پوست کن

دشمناں را زیں صناعت دوست کن

تو اپنے پاس کیمیا رکھتا ہے یعنی عشقِ الٰہی کی نعمت جو تیرے پاس ہے اس میں خاصیت تبدیل اخلاقِ ذمیمہ کی ہے، پس تو پوست یعنی جسم اور اس کی شہوات کی دوا اس کیمیا سے

کر، تا کہ اخلاقِ رذیلہ اخلاقِ حمیدہ سے بدل جائیں، اور دشمنوں کو یعنی نفس و شیطان کو اس صناعت یعنی کیمیائے مذکور سے دوست کرلے، تا کہ تیرا نفسِ امارہ نفسِ مطمئنّہ ہوجائے اور شیطان مشابہ دوست کے ہوجائے عدمِ اضلال میں (لِاِسْتِثْنَاءِہِ الْمُخْلِصِیْنَ مِنَ الْاِغْوَاءِ)

چوں شدی زیبا بداں زیبا رسی
کہ رہاند رُوح را از بے کسی

جب تیرے اخلاقِ رذیلہ شیخِ کامل کی اصلاح سے اخلاقِ حمیدہ سے بدل جائیں گے تو تُو جمیل ہوجائے گا، اور جب جمیل ہوجاوے گا تو اس جمیلِ حقیقی تک پہنچ جاوے گا:

لِاَنَّہٗ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ [۲۴۰]

اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ ایسے جمیل ہیں کہ روح بے کسی سے چھڑا دیتے ہیں، یعنی اپنی معیّت نصیب فرمادیتے ہیں، بخلاف محبوبانِ دنیا کے کہ اپنے محبّین سے اعراض اور کنارہ کرتے ہیں۔

نَے ہمہ مُلکِ جہانِ دُوں دہد
صد ہزاراں ملک گوناگوں دہد

یہی نہیں کہ وہ کل دنیائے دُوں ہی کا ملک دیتے ہیں کیوں کہ یہ تو متاعِ قلیل ہے بلکہ لاکھوں ملک گوناگوں دیتے ہیں، کہ وہ خیرِ کثیر ہے، یعنی معرفت و محبت کی دولت عطا فرماتے ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ

محبت پر ایک واقعہ یاد آیا، جس کو ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔ پیلی بھیت کے ایک بزرگ مولا شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کانپور تشریف لائے تھے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں تشریف لے گئے،

[۲۴۰] صحیح مسلم: ۶۵/۱، باب تحریم الکبر وبیانہ، ایچ ایم سعید

اور فرمایا کہ حضرت! حق تعالیٰ کی محبّت کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اُن بزرگ نے فرمایا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ملو، کچھ دیر کے بعد فرمایا: ابھی اور ملو، کچھ دیر کے بعد پھر فرمایا: ابھی اور ملو، پھر دریافت فرمایا کہ اس رگڑ سے کچھ گرمی پیدا ہوئی؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جی ہاں، تو ارشاد فرمایا: اسی طرح کثرتِ ذکر اور تکرارِ ذکر کی رگڑ سے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، کام میں لگا رہنا ہی ایک دن مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

شروع میں خواہ کچھ ترقی نہ معلوم ہو، کچھ نفع نہ معلوم ہو، لیکن یقین رکھے کہ نفع ہو رہا ہے، عدمِ احساس عدمِ نفع کو مستلزم نہیں۔ بچہ ہر روز نشو و نما میں کچھ نہ کچھ ترقی کرتا ہے، لیکن اس کی یومیہ بڑھوتری کا احساس نہ خود اس بچے کو ہوتا ہے اور نہ دوسروں کو ہوتا ہے، مگر ایک معتدبہ مدت کے بعد اس کی ترقی و نشو و نما آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

یہی حال باطنی ترقی کا ہے۔ ہر روز کا نفع نہیں محسوس ہوتا، کچھ دن کے بعد پھر اپنے اندر طاعات کی طرف رغبت اور معاصی سے نفرت محسوس ہونے لگتی ہے، اسی کا نام ترقئ باطنی ہے۔ انسان کا اپنے ظاہر اور باطن کو شریعت کے مطابق بنانے کی فکر میں لگ جانا ہی اصل ترقی اور کامیابی ہے، کیوں کہ کامیابی اور ترقی کا مدار اتّباعِ سُنّت پر ہے جو امرِ اختیاری ہے۔

## کشف وکرامت، وجد واستغراق ورقص کی حقیقت

باقی کشف و کرامت، حال اور وجد، رقص و استغراق، ہوا پر اڑنا، پانی پر چلنا وغیرہ کو رضائے حق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ یہ امورِ مذکور امورِ غیر اختیاریہ ہیں اور بندہ غیر اختیاری امور کا مکلّف نہیں، نیز یہ حالات جوگیوں کو بھی اور فاسق فاجر نقلی فقیروں کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ قبور کا عذاب کبھی جانوروں پر بھی منکشف ہوتا ہے، ہوا پر مکھی بھی اُڑتی ہے، پانی پر تنکا بھی تیرتا ہے، ان باتوں کو بندگی سے کیا تعلق؟ بندوں سے اطاعت اور بندگی کا مطالبہ ہے، اور بندگی کا وہی نمونہ پسندیدہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے، اپنی تمام حرکات

وسکنات اور جذبات وکیفیات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کے تابع کردینے ہی کا نام سچّی غلامی اور سچّی بندگی ہے، اور یہی مقبول بندگی ہے، اتباعِ سنت کے ساتھ اگر کشف وکرامت، وجد اور استغراق اور احوال بھی کسی کو عطا ہو جاویں تو وہ بھی اتباعِ سنت کی برکت سے محمود ہیں مقصود نہیں، اور اگر کوئی کسی ایک عمل میں بھی سنت کے خلاف اپنی ایجاد کردہ اختراعی راہ ورسم کا پابند اور غلام ہے تو وہ باوجود صد کشف وکرامت اور رقص واستغراق کے نامقبول ہے، کیوں کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

کہ اے ہمارے رسول! آپ لوگوں سے فرمادیں کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بننا چاہتے ہو فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ''تو تم لوگ میری اتباع کرو، میری اتباع کے صدقے میں حق تعالیٰ تمہیں محبوب بنالیں گے۔''

کیوں کہ میری شانِ عبدیت اور میرا طرزِ بندگی حق تعالیٰ کے نزدیک تمام خلائق کی عبدیت سے اَحبّ اور افضل ہے۔ پس میرے نقشِ قدم پر اگر تم بھی چلوگے تو اس اتباع کی برکت سے تمہاری عبدیت اور غلامی دوسری امتوں سے عند اللہ اَحبّ اور افضل ہو جائے گی، اور تم خیر الامم اسی سبب سے ہو کہ تمہارا رسول بھی سید المرسلین ہے۔ رسول کی سیادت کی رعایت سے ان کے غلاموں کو بھی سیادت کا شرف عطا فرمادیا گیا۔

بریں نازم کہ ہستم امّتِ تو
گہنگارم ولیکن خوش نصیبم

## حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اُسوۂ حسنہ کیسے معلوم ہو؟

اگر مسلمان اپنے ہر قول اور ہر فعل میں، اپنی ہر خوشی اور ہر غمی میں پیدائش سے لے کر موت تک کی تمام رسموں میں اس بات کا لحاظ رکھے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کیا حکم فرمایا ہے۔ اس سوال پر علمائے حق سے جو ان کو جواب ملیں اس پر عمل کرلیں، اور خاندان اور برادری سے بے خوف ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کریں تو ان شاء اللہ! تمام گمراہیوں سے اور جاہلانہ رسومات سے محفوظ

ہو جائیں۔ اردو میں ایسی کتابیں بھی علمائے ربّانیّین کی موجود ہیں جن کو دیکھ کر ہر عمل میں سنت کا طریقہ معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ان کتابوں میں بہشتی زیور، تعلیم الدین، فروع الایمان، اغلاط العوام، حیات المسلمین، اصلاح الرسوم، قصد السبیل یہ چند کتابیں ایسی ہیں جن کے مطالعے سے بقدرِ ضرورت دین حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے وہ سچا دین ملتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے اندر موجود تھا۔ بعد کو جاہل فقیروں نے دین کے اندر جو بے سند جاہلانہ رسمیں داخل کر دی ہیں ان کو صاف صاف بتادیا گیا ہے کہ یہ فعل سنت کے مطابق ہے اور یہ فعل بالکل بے سند اور بے ثبوت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جوں جوں زمانۂ نبوّت سے بُعد ہوتا جاوے گا دین کے اندر نئ نئ باتیں لوگ داخل کر لیں گے، اس لیے ضرورت ہے کہ علمائے باعمل سے پوچھ پوچھ کر عمل کریں۔ شریعت کے جتنے احکامِ ظاہری ہیں ان کا علم حاصل کر کے اپنے ظاہری افعال اور ظاہری صورت اور وضع کو درست کریں، اور جتنے احکامِ باطنی ہیں مثل تواضع، شکر، رضا بالقضاء، صبر، اخلاص ان کو کسی اللہ والے، مخلص بندے سے حاصل کریں اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا ”رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو“ یہ باخبر دین کی حقیقی رُوح یعنی اخلاص فی العمل کا طریقہ سکھائیں گے۔ حضرت عارف فرماتے ہیں۔

شیخِ نورانی ز رہ آگہ کند
نور را با لفظہا ہمرہ کند

نورانی شیخ راستے سے آگاہ کرتا ہے اور اپنے قلب کے نور کو اپنے الفاظ کے ہمراہ کر دیتا ہے۔

ان باخبر بندوں کی باتوں میں اسی وجہ سے اثر بھی زیادہ ہوتا ہے کہ وہ فانی یعنی مٹے ہوتے ہیں، جو علوم اور فیوض ان کی زبان سے جاری ہوتے ہیں وہ صاف اور خالص انوار لیے ہوتے ہیں، برعکس اس کے جس کے نفس میں فنائیت ناقص ہوتی ہے اس کے الفاظ کے انوار بھی اُس قدر ظلماتِ نفسانیہ سے مخلوط ہو جاتے ہیں۔

# اللہ والوں کی باتوں میں اثر ہونے کی وجہ

اللہ والوں کی باتوں میں اثر ہونے کا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں دیکھ کر کہتے ہیں، کیوں کہ خود راستہ قطع کرچکے ہیں، اس لیے ان کے یقین کا اثر اُن کی گفتگو میں ہوتا ہے، غیر محقق اور محقق پیر میں بڑا فرق ہوتا ہے، اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص تو خود امریکا ہو آنے کے بعد وہاں کے حالات اور اس کے راستوں سے کسی کو آگاہ کرے اور دوسرا شخص نقشے اور جغرافیے کی مدد سے کسی کو راستہ بتاتا ہے، تو پہلے شخص کے لب و لہجے سے اور اس کی گفتگو سے مخاطب کے دل میں جو ایک اطمینانی کیفیت محسوس ہوگی وہ دوسرے شخص کی لمبی چوڑی تحقیقات اور طویل تقریر سے ہرگز نہ حاصل ہوگی۔ اس شخص کے لب و لہجے اور اندازِ گفتگو سے مخاطب تاڑ لے گا کہ یہ بہکی بہکی باتیں کررہا ہے۔ جب تک میں نے حج نہیں کیا تھا اُس سے پہلے کتاب الحج طالب علموں کو پڑھائی بھی لیکن نہ استاد سمجھے نہ شاگرد، بس عبارت کا ترجمہ کرادیا جاتا ہے۔

اللہ والوں کی باتوں میں اثر ہونے کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنا دکھ بیان کرتے ہیں یعنی جو کچھ محبّتِ الٰہیہ کے مضامین بیان کرتے ہیں وہ ان پر خود بیت چکے ہوتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ دُکھے ہوئے دل سے جو بات نکلتی ہے وہ دوسروں کو بغیر رُلائے ہوئے نہیں رہ سکتی۔

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
عام می خوانند ہر دم نام پاک
ایں اثر نہ کند چوں نبود عشقناک

۱) مولانا فرماتے ہیں کہ جب سے میری رُوح کو عالمِ امر سے جدا فرما کر عالمِ ناسوت میں بھیجا ہے میرے دردِ فراق کے نالوں سے مرد و زن سب نالاں ہیں۔

۲) عام لوگ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا نامِ پاک رٹتے ہیں لیکن اس کا کامل اثر اس لیے مرتّب نہیں ہوتا ہے کہ ان کی زبان سے وہ نام عشق ناک ہو کر نہیں نکلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خواص اور مقبول بندے جب اللہ کا نام لیتے ہیں تو اس میں اُن کی محبّت کی حلاوت بھی شامل ہوتی ہے، جس سے اُن پر خود بھی ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور ان کی کیفیت دوسروں کو بھی باکیف کر دیتی ہے، محبت کی زبان ہی اور ہوتی ہے۔

گر چہ تفسیرِ زباں روشن تر است
لیک عشقِ بے زباں روشن گر ست
گفتگوئے عاشقاں در کارِ رب
جوششِ عشق است نَے ترکِ ادب

مولانا فرماتے ہیں کہ عاشقوں کی گفتگو حق تعالیٰ کی محبّت میں کبھی بظاہر خلافِ ادب معلوم ہوتی ہے، لیکن در حقیقت اس کا منشا جوششِ عشقِ رب ہوتا ہے، ترکِ ادب نہیں ہوتا۔

## حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانے کے ایک مجذوب کا قصّہ

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانے میں ایک مجذوب چرواہا تھا، اللہ تعالیٰ کی محبت سے اس کا دل زخمی تھا۔

## محبت کا زخم

بُلبُل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے مشکل جو نظر آیا

اور عشق یہ کہتا ہے کہ میرے دروازے پر سکونت کرلے اور بے خانہ رہ، شمع ہونے کا دعویٰ مت کر، پروانہ ہی بن کر رہ۔

عشقِ من پیدا و معشوقم نہاں
یارِ بیروں فتنۂ او در جہاں

میرا عشق تو ظاہر ہے مگر میرا محبوب پنہاں ہے، یار تو بیروں ہے لیکن تصرفات ان کے جہاں میں پھیلے ہیں۔

عشق آں شعلہ است کوچوں بر فروخت
ہر چہ جُز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق وہ شعلہ ہے کہ جب دل میں روشن ہوتا ہے تو ماسوائے محبوب کو جلا دیتا ہے اور صرف عشقِ محبوب رہ جاتا ہے۔

عاشقی پیداست از زاریٔ دل
نیست بیماری چو بیماریٔ دل

عاشقی زاریٔ دل سے پیدا ہوتی ہے، دل کی بیماری جیسی بیماری نہیں ہے۔ مراد اس بیماری سے مرضِ عشق ہے کہ وہ دل ہی میں پیدا ہوتا ہے۔

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم

نعرۂ مستانہ مجھ کو خوش آتا ہے، ابد تک اے محبوب! ایسا ہی چاہتا ہوں۔

غیر آں زنجیر زلفِ دلبرم
گر دو صد زنجیر آری بردرم

غیر اس زنجیر زلفِ دلبر کے اگر دو سو زنجیر لائے گا تو میری دیوانگی ان سب کو توڑ دے گی۔ یعنی مرضِ عشق کی برکت سے اب کثرتِ علائقِ فانیہ میرے لیے حجاب نہیں ہوسکتے، عشقِ حق ماسوائے حق میں مشغول نہیں ہونے دیتا۔

ایک قصہ یاد آیا، حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ بے نمازی رئیس کا کوئی ملازم بہت دیندار تھا، وہ مسجد میں حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھا، اس کے آقا نے مسجد کے دروازے پر آواز دی کہ او فلاں! یہاں آ، اس نے جواب دیا کہ ابھی آنے نہیں دیتے، اس نے غصّے سے کہا: کون تجھ کو باہر نہیں آنے دیتا؟ اس ملازم نے جواب دیا کہ

جو تجھ کو اندر نہیں آنے دیتا۔

عاشقم من بر فنِ دیوانگی
سیرم از فرہنگ واز فرزانگی

میں دیوانگی کے فن پر عاشق ہوں، میں فرزانگی اور عقل کی باتوں سے سیر ہو چکا ہوں۔

دین من از عشق زندہ بودن است
زندگی زیں جان و سر ننگِ من است

میرا دین عشق سے زندہ رہتا ہے، اس جان و سر کے ساتھ زندگی میرے لیے ننگ ہے۔

گر مرا صد بار تو گردن زنی
ہمچو شمعم بر فروزم روشنی

اے محبوب! اگر تو صد بار میری گردن مارے تو میں شمع کی طرح روشنی اور ہی زیادہ کروں گا۔ چناں چہ جلتے ہوئے چراغ کی بتّی اوپر سے جب کاٹ دی جاتی ہے تو روشنی اور بڑھ جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب حق تعالیٰ شہداء سے سوال فرمائیں گے کہ تم جنت میں کیا چاہتے ہو؟ تو عرض کریں گے: میاں! تمنّا یہی ہے کہ اُحۡیٰی ثُمَّ اُقۡتَلُ ثُمَّ اُحۡیٰی ثُمَّ اُقۡتَلُ ثُمَّ اُحۡیٰی ثُمَّ اُقۡتَلُ [۲۴۱]۔ تمنّا یہ ہے کہ پھر سے زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا پھر زندہ کیا جاؤں پھر آپ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر آپ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، بس یہی دَور چاہتا ہوں۔

اُقۡتُلُوۡنِیۡ اُقۡتُلُوۡنِیۡ اَیۡ ثِقَات
اِنَّ فِیۡ قَتۡلِیۡ حَیَاۃً فِیۡ حَیَات

سر کے کٹنے کا مزہ یحییٰؑ سے پوچھ
لطفِ تن چرنے کا زکریاؑ سے پوچھ

[۲۴۱] صحیح البخاری: ۱/۳۹۲ (۲۸۱۱)، باب تمنی الشھادۃ، المکتبۃ المظھریۃ

سر کے رکھ دینے کا نیچے تیغ کے
لطف اس کا پوچھ اسماعیلؑ سے

الغرض اس چرواہے کا دل عشقِ حق سے مجروح تھا، زبانِ محبت سے جناب باری تعالیٰ میں عرض کر رہا تھا کہ اے ربِّ کریم اور میرے معبود! کہاں ہے؟ اے خداوند کریم! اپنے ملنے کا پتا اور نشان بتا، تاکہ میں تیری نوکری کروں اور تیری گدڑی سیا کروں اور تیرے بالوں میں کنگھی کیا کروں اور اگر کبھی تو بیمار ہو جاوے تو میں تیری غم خواری اس طرح کروں جیسے اپنا کوئی عزیز کرتا ہے، اگر میں آپ کا گھر دیکھ پاؤں تو صبح و شام اپنی بکریوں کا دودھ اور گھی پہنچایا کروں، اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دوں اور آپ کے پاؤں دباؤں، اور سونے کے وقت آپ کی خواب گاہ کی جھاڑو سے صفائی کر دیا کروں، اے میرے اللہ میاں! آپ کے اوپر میری یہ تمام بکریاں قربان ہیں۔

اے فدائے ایں ہمہ بزہائے من
اے بیادت ہی وہی وہائے من

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جب اس کی یہ مناجات اور سرگوشی حق تعالیٰ کے حضور میں سُنی تو فرمایا: او بے ادب! تو کافر ہو گیا، دودھ تو وہ پیتا ہے جس کو نشوونما کی حاجت ہو، گدڑی وہ پہنتا ہے جو محتاجِ جسم ہوتا ہے۔

دوستیٔ بے خرد چوں دشمنی است
حق تعالیٰ زیں چنیں خدمت غنی است

بے عقل کی دوستی مثل دشمنی کے ہے، حق تعالیٰ ایسی نادانی کی خدمت سے غنی ہے۔

اس چرواہے نے عرض کیا کہ۔

گفت اے موسیٰ دہانم دوختی
وز پشیمانی تو جانم سوختی

اے موسیٰ! آپ نے میرا منہ سی دیا اور شرمندگی سے میری جان کو سوختہ کر دیا۔

جامہ را بدرید و آہے کرد تُف
سر نہاد اندر بیابان و برفت

اس چرواہے نے اپنا جامہ پھاڑ ڈالا، غلبۂ حزن و غم اور ندامت سے ایک آہ کی اور جنگل کی طرف بھاگ گیا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔

کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا
مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو حق تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی ۔

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا
بندۂ ما را ز ما کردی جُدا

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

تا توانی پا منہ اندر فراق
ابغض الاشیاء عندی الطلّاق

ہر کسے را سیرتے بنہادہ ام
ہر یکے را اصطلاحے دادہ ام

در حقِ او مدح در حقِ تو ذم
در حقِ او شہد در حقِ تو سَم

در حقِ او نور در حقِ تو نار
در حقِ او گل و در حقِ تو خار

ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ
وز گراں جانی و چالاکی ہمہ

ما بروں را ننگریم و قال را
ما دروں را بنگریم و حال را

ناظرِ قلبیم گر خاشع بود
گرچہ گفت لفظ نا خاضع بود

موسیا آدابِ دانا دیگر اند
سوختہ جانِ رواناں دیگر اند

گر خطا گوید ورا خاطی مگو
گر بود لو خوں شہید او را مشو

خوں شہیداں را ز آب اولیٰ تر است
ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است

تو ز سرمستاں قلاوزی مجو
جامہ چاکاں را چہ فرمائی رفو

"حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! آپ نے میرے بندے کو مجھ سے جُدا کر دیا، آپ کا کام بندوں کو حق تعالیٰ سے واصل کرنا ہے، نہ کہ جُدا کر دینا، حتی الامکان فراق کے اندر قدم نہ رکھیے، یعنی سببِ فراق نہ بننا چاہیے، ابغض المباحات میرے نزدیک طلاق ہے، ہر شخص کو میں نے علیحدہ علیحدہ سیر تیں عطا فرمائی ہیں، ہر ایک کے لیے الگ الگ اصطلاحیں مقرر فرمادی ہیں، اس نادان چرواہے کے حق میں وہی کلمات میری تعریف میں تھے، اور آپ کے لیے یعنی اہلِ عقل و علم کے لیے وہ کلمات ناپسندیدہ اور مبغوض ہیں۔ اس کے حق میں وہی کلماتِ محبت شہد کے حکم میں ہیں اور آپ کے حق میں زہر ہیں۔ اس کے حق میں وہ کلمات نور ہیں، آپ کے حق میں نار

ہیں۔ اس کے حق میں پھول ہیں، آپ کے حق میں خار ہیں۔ ہم بندوں کی تمام پاکی اور ناپاکی گراں جانی وچالاکی سے پاک ہیں۔ ہم ظاہری قیل و قال کو نہیں دیکھتے ہیں، ہم تو دل کا حال اور اخلاص دیکھتے ہیں۔ قلبِ خاشع کا خشوع دیکھتے ہیں، اگرچہ اس کے الفاظ نادانی اور غفلت سے ناخاضع ہوں۔ اے موسیٰ! دانا کے لیے آداب دوسرے ہیں اور جو میرے عشق میں سوختہ ہیں ان کے لیے آداب دوسرے ہیں، اس سوختہ جان اور سرمست عشقِ حق کے اگرچہ الفاظ بظاہر بے ادبی کے ہیں لیکن منشا اس کا جوششِ عشق ہے، ترکِ ادب نہیں ہے، اس کو خاطی مت کہو، شہید کا بدن اگرچہ خون سے لتھڑا ہو لیکن اس کو مت دھوؤ کیوں کہ شہیدوں کا خون پاکی میں پانی سے بڑھا ہوا ہے، پس اس سرمست اور سوختہ جان کی یہ خطا صد صواب سے بہتر ہے۔ سرمستوں سے راہ بری مت ڈھونڈو، یعنی اُن کو مقتدا نہ بناؤ کہ مجاذیب ارشاد کے کام سے معذور ہیں، ان جامہ چاکوں پر رفو کا حکم نہ کرو، کیوں کہ غلبۂ یادِ حق سے ان کو التفات الی الخلق نہیں رہا، اور نہ ان کو اپنا ہوش ہے۔“

اس واقعے میں ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہاں جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو تنبیہ فرمائی گئی ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ شریعت کا قانون اس پر کیوں نافذ کیا؟ یہاں صرف نرمی کی تعلیم دی گئی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اتنا نہ لتاڑنا چاہیے کہ مخاطب مایوس ہو جاوے۔

## انبیاء علیہم السلام غالب علی الاحوال رہتے ہیں

لیکن انبیاء علیہم السّلام کی شان دوسری ہوتی ہے، ان کو اس درجہ قوی تعلق مع اللہ نصیب ہوتا ہے کہ وہ عین توجہ الی الخلق کی حالت میں بھی متوجہ الی الحق ہوتے ہیں، التفات الی الخلق ان کاملین اور غالبین علی الاحوال کے لیے یادِ حق سے حجاب نہیں ہوتا۔ اسی طرح علمائے ربّانیین کہ ارشاد کا کام کرتے ہیں وہ بھی چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں تبلیغ کا کام انجام دیتے ہیں اس لیے اکثر حالتوں میں یہ حضرات بھی فیضِ نبوّت سے غالب علی الاحوال ہوتے ہیں، اور حکمت اس میں یہ ہے کہ مغلوب

الحال سے ہدایت اور راہ بری کا کام نہیں لیا جاسکتا، کیوں کہ وہ خود جس حال میں مغلوب ہے اسی حال میں دوسروں کو بھی مغلوب کردے گا۔

## مغلوبُ الحال مثل بچے کے ہوجاتا ہے

مغلوب الحال کی مثال حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اطفال سے دیا کرتے تھے، یعنی جس طرح بچّے باپ کی داڑھی نوچ لیتے ہیں تو باپ کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا بلکہ باپ کو بچے کا یہ شغل بھلا معلوم ہوتا ہے لیکن اگر کوئی بالغ اولاد اس بچے کی نقل شروع کردے تو اس پر جوتے پڑ جاویں۔

## مجذوب اور مغلوبُ الحال کی تقلید جائز نہیں

اسی وجہ سے مجذوب اور مغلوب الحال کی تقلید دوسروں کے لیے جائز نہیں ہے، کیوں کہ وہ غلبۂ حال سے معذور ہے، اور دوسرا معذور نہیں، پس اس کے لیے اس حال کی تقلید پر مواخذہ ہوگا اور اس سے مواخذہ نہ ہوگا، عقل کے جس معیار پر احکامِ شریعت نافذ ہوتے ہیں اس معیار سے مغلوب الحال کی عقل مغلوب ہوکر نیچے اتر آتی ہے، اس لیے اس میں اُن سے احیاناً بعض اقوال و افعال خلافِ شرع صادر ہوجاتے ہیں، حق تعالیٰ کے نزدیک وہ معذور ہیں، لیکن اہلِ ہویٰ اور بوالہوس بزرگوں کی آڑ میں نفس پروری کا راستہ نکال لیتے ہیں، اور علماء کی نکیر پر جواب دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ تو کرتے تھے، اس توضیح مذکور سے صاف ان کی گمراہی اور اس استدلال کا باطل ہونا ثابت ہوگیا۔ کسی بزرگ کا وہ قول اور وہ فعل جو شریعت کے خلاف ہو ہرگز قابلِ تقلید نہیں، البتہ اگر اس وقت کے علمائے ربّانیّین نے ان کو مغلوب الحال تسلیم کیا ہے تو اُن پر نکیر نہ کریں گے، ان کا معاملہ حق تعالیٰ کے حوالے کردیا جاوے گا۔

## مجذوب سالک کا چپڑاسی ہوتا ہے

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ مجذوب کس کو کہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا

اور بے ساختہ نکل گیا کہ مجذوب سالک کا چپڑاسی ہوتا ہے، عوام بڑی غلط فہمی میں ہیں کہ مجذوبوں کو علمائے ارشاد سے افضل سمجھتے ہیں۔ مجاذیب اس راہ کے نابالغ بچے ہیں، بالغین کی صف میں ان کو گزر کہاں ہے۔ علماء، سالکین، ربّانیّین رجال اللہ ہیں، دین کا کام ان ہی بالغین سے لیا جاتا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمارے فرمایا کرتے تھے کہ

## یارِ غالب علی الاحوال سے دین کا فائدہ ہوتا ہے

مجذوب کی صحبت سے کچھ نفع نہیں ہوتا، بلکہ اندیشۂ ضرر ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

یارِ غالب جُو کہ تا غالب شوی
یارِ مغلوباں مشو ہیں اے غوی

مولانا فرماتے ہیں کہ اے شخص! ''تو یارِ غالب علی الاحوال تلاش کرتا کہ اس کے فیضِ صحبت سے تو بھی غالب ہو جاوے، یار مغلوب الاحوال کو مت تلاش کر اے گمراہ۔''

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ بھی مغلوب الحال ہو گئے تھے۔ بات یہ ہے کہ کثرتِ ذکر کے توسّط سے مذکور کے انوار ذاکر میں چلے آتے ہیں جس سے کم و بیش ہر شخص پر کیفیات طاری ہوتی ہیں خصوصاً جب کہ وہ ذکر عشق ناک بھی ہو تو بعض بندوں پر کوئی کیفیت ایسی قوت سے طاری ہو جاتی ہے جس کا تحمل اس کی قوتِ متحملہ سے باہر ہوتا ہے، پس غلبۂ حال میں کچھ بول جاتا ہے، در حقیقت اس وقت حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ انا الحق کے ناقل تھے قائل نہ تھے، کیوں کہ مغلوب الحال غلبۂ حالت میں از ہوش رفتہ ہو جاتا ہے، اور جب عقل نہیں تو مواخذہ نہیں، اُس وقت زبان تو اُن کی ہوتی ہے مگر بولنے والا کوئی اور ہوتا ہے۔

## حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ اور عُلمائے وقت

اُس وقت کے علماء نے حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کا فتویٰ صادر نہیں کیا

تھا، یہ بالکل غلط مشہور ہے۔ ہمارے حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحقیق مثنوی شریف کے ایک شعر سے اخذ فرمائی ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

چوں قلم در دست غدارے رسید
لاجرم منصور بر دارے رسید

بات یہ ہے کہ وزیر کو حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ سے عداوت ہوگئی تھی، اس نے ایک فرضی استفتاء علماء کے پاس بھیجا چوں کہ علماء کے ذمے تحقیقِ حال نہیں ہے، جو کچھ اس استفتاء پر عداوت میں مضمون لکھ دیا تھا اس کے مطابق علماء نے فتویٰ دے دیا، علماء کو کیا معلوم کہ کس کے لیے یہ استفتاء طلب کیا گیا تھا۔

## اللہ والوں کی پہچان کی چوتھی صفت

الغرض وہ باخبر بندے جن کی صفات کا ذکر چل رہا تھا ان کی اب ایک خاص شان حق تعالیٰ بیان فرماتے ہیں، جس کی قدر اس وقت ہو سکتی ہے جب کہ اس کے پہلے کی بیان فرمودہ ان کی صفتوں کا استحضار ہو، اس لیے اس استحضار کی غرض سے اجمالاً ان صفات کا پھر ذکر کرتا ہوں۔

یعنی یہ باخبر بندے جب زمین پر چلتے ہیں تو اپنی چال میں نگاہ رکھتے ہیں کہ وہ ہون اور وہ ذلت اور عبودیت جو میاں نے ہمارے لیے پسند فرمائی ہے وہ ہماری چال میں موجود ہے یا نفس کے حوالے ہوگئی۔ اس طرح جب ان کو کوئی جاہل چھیڑتا ہے تو وہ سلامتی کے ساتھ جلدی سے رفعِ شر کرکے آگے بڑھ جاتے ہیں، تاکہ ہون کی نعمت جو اپنی چال میں لیے ہوئے ہیں کہیں جاہل کی چھیڑ کے حوالے نہ ہو جائے۔

بندوں کے ساتھ معاملات میں ان کی شانِ عبودیت کا یہ عالم ہے، اور حق تعالیٰ کے ساتھ تو پھر کیا کہنا، پھر جب بندوں کے ساتھ اُن کی شانِ عبدیت کا یہ عالم ہے جو کہ معین فی المقصود ہے، تو اصل مقصود یعنی عبدیت مع الحق میں ان کی سرگرمی کو کیا پوچھتے ہو، رات کی رات سجدے اور قیام میں گزار دیتے ہیں:

## يَبِيۡتُوۡنَ لِرَبِّهِمۡ سُجَّدًا وَّقِيَامًا

ان باخبر بندوں کی من جملہ اور علاماتِ مذکورہ کے ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں لگے رہتے ہیں۔

ان صفات و علاماتِ مذکورہ کے بعد اب حق تعالیٰ اپنے باخبر بندوں کی ایک بہت رفیع حالت بیان فرماتے ہیں، وہ یہ کہ ان محاسن اور کمالات کے باوجود یہ بندے میری کبریائی و عظمت کے سامنے اپنے کو کیا سمجھتے ہیں جو کچھ یہ اپنے کو سمجھتے ہیں یہی ان کی سمجھ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ رحمٰن کی شان سے باخبر ہیں، کیوں کہ بے خبر تو اپنی عبادت اور تعریف سے خود بینی اور ناز میں مبتلا ہو جاتا ہے، کیوں کہ اس کی نظر صرف اپنے اوپر ہے اس لیے اپنے ہی اوپر نگاہ چلی جاتی ہے اور مبتلائے نخوت و کبر ہو جاتا ہے۔

اور جو باخبر ہے وہ اپنے اعمالِ حسنہ پر ہماری عظمت و کبریائی کی حیثیت سے نگاہ ڈالتا ہے اور شرمندہ ہو جاتا ہے کہ میاں! آپ کے دربار کے شایانِ شان میری غلامی تو عین گستاخی معلوم ہوتی ہے، جس اخلاص اور استحضارِ عظمت کے ساتھ عبادت کرنی چاہیے تھی ویسی تو نہ ہو سکی۔

بے خبر بھلا کیا جانے کہ اخلاص اور استحضارِ عظمت کس چڑیا کا نام ہے۔ تو حق تعالیٰ اپنے باخبر بندوں کی اس رفیع علامت سے مطلع فرمارہے ہیں، تاکہ ہم کسی بے خبر کے پالے نہ پڑ جائیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
بس بہر دستے نباید داد دست

اے لوگو! بہت سے ابلیس صفات انسان آدمی کی شکل میں ہیں، پس ہر شخص کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ مت دینا، یعنی ان کو مقتدا نہ بنالینا۔

وہ رفیع علامت یہ ہے کہ وہ ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں، اور یہی ڈر ان کی ولایت کی نشانی ہے، اگر یہ ڈر ختم ہو جاوے تو اسی وقت ولایت بھی ختم ہو جاوے، کیوں کہ ولایت ایمان اور تقویٰ کے مجموعے کا نام ہے، اور لفظِ تقویٰ ایسا جامع لفظ ہے جو تمام

احکام کی بجا آوری اور معاصی سے پرہیز کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، اولیاء اللہ کی تعریف اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ سے منصوص ہے، یعنی اولیاء وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں، یَتَّقُوۡنَ صیغۂ مضارع ہے جس میں خاصّیت تجدّد و استمرار کی ہے، پس ترجمہ یہی ہوگا کہ ڈرتے رہتے ہیں یعنی اس ڈر سے کبھی خالی نہیں ہوتے۔ البتہ جب چل چلاؤ کا وقت ہوگا تو ان کو بشارت دی جائے گی کہ دنیا میں بہت ڈر چکے اتنا ڈرتے ہیں کہ گوشۂ چشم سے بھی تو بُری جگہ نظر نہیں ڈالی، اب تمہارا یہ ڈر ہزاروں امن کی بشارت سے مشرّف ہوگا، اب کان میں چپکے سے میاں کہلوائیں گے: لَا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا اب مت ڈرو اب چل چلاؤ کا وقت ہے۔ اب ڈر کا عالم بدل گیا، اب دوسرا عالم شروع ہوتا ہے۔ بہت ڈر چکے، اب کچھ اندیشہ مت کرو اور غمگین نہ ہو، اور دیکھو یہ تمہاری جنّت ہے، اس کو دیکھ کر خوش ہو جاؤ۔

یہ لَا تَخَافُوۡا کہ اب مت ڈرو دلیل ہے اس بات پر کہ مرتے دم تک یہ ڈرتے رہے، کسی بے خوف سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تم ڈرو مت، اور مرتے دم تک ڈرتے رہنے کا حکم ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَ اعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ ”اپنے رب کی غلامی میں لگے رہو یہاں تک کہ وہ یقینی امر یعنی موت آجاوے۔“

باخبر بندے مرنے سے پہلے بے خوف نہیں ہوتے۔ وہ بے خبر ہوتے ہیں جو خوفِ خاتمہ کے ہوتے ہوئے اپنے اعمال پر ناز کر کے بے خوف ہو جاتے ہیں۔ فیصلہ تو میاں کے ہاتھ میں ہے، اور یہ بے خبر خود ہی اپنا فیصلہ کر کے اس پر نازاں ہے، کیا جہل اور بے وقوفی ہے، یہ خود بینی ہی اس کی بے خبری کی دلیل ہے، جو باخبر بندے ہوتے ہیں ان کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ ہر وقت ترساں و لرزاں رہتے ہیں، باوجود ذکر و طاعت اور علم و فضل کے ڈرتے رہتے ہیں۔ حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

بانگِ دہل ہولم از دور بود
بغیب اندرم عیب مستور بود

فرماتے ہیں کہ ''ڈھول کی آواز کی طرح میرے علم و فضل کا شہرہ دور تک پہنچا ہوا ہے، لیکن ڈھول کے اندر جو خلا کا عیب ہے وہ چھپا ہوا ہے۔'' عارفین اپنے عیوب پر ہر وقت نگاہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے باخبر بندوں کی اسی شان کو بیان فرماتے ہیں:

وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ﴿۶۴﴾ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾[۲۴۲]

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: جو ہمارے باخبر بندے ہیں یعنی جنہوں نے ہماری عظمت و کبریائی کو پہچان لیا ہے ان کی شان یہ ہے کہ راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدے اور قیام میں لگے رہتے ہیں، مگر ان کو اپنی عبادت پر ناز نہیں ہے، میری عظمت کے سامنے اپنی طاعات پر ان کی نگاہ نہیں ہے، یہی دلیل ہے کہ یہ مجھ سے باخبر ہیں۔ میری عظمت اور جلالتِ شان کے استحضار سے ایسے لرزاں اور ترساں ہیں کہ اتنی فرماں برداری کے باوجود اپنے کو جہنم کے لائق سمجھ کر مجھ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھیے، کیوں کہ اس کا عذاب پوری تباہی ہے۔ بے شک وہ جہنم بُرا ٹھکانا ہے۔ بے خبر بندے تو اتنی شاباشی اور تعریف پر اور اس قدر تقویٰ اور طاعات پر نہ جانے اپنے کو کیا سے کیا سمجھ لیں اور انتظار کرنے لگیں کہ شاید جبرئیل علیہ السّلام وحی لے کر تشریف لا رہے ہیں۔

## اللہ والوں کی پانچویں صفت

آگے فرماتے ہیں: یہ حالت تو ان کی طاعاتِ بدنیہ میں ہے اور طاعاتِ مالیہ میں طریقہ یہ ہے:

وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

---

۲۴۲؎ الفرقان: ۶۴-۶۶

اور ان باخبر بندوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں کہ معصیت میں صَرف کرنے لگیں اور نہ تنگی کرتے ہیں کہ طاعاتِ ضروریہ میں بھی خرچ کی کوتاہی کریں اور ان کا خرچ کرنا اس افراط و تفریط کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ نے یہ پانچویں پہچان بیان فرمائی ہے، آگے فرماتے ہیں:

## اللہ والوں کی چھٹی صِفت

اور ترکِ معاصی میں اُن کی شان یہ ہے کہ وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ وَ لَا یَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ لَا یَزۡنُوۡنَ ”اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے، مگر حق پر، یعنی جب قتل کے وجوب یا اباحت کا سببِ شرعی پایا جاوے اس وقت اور بات ہے، اور وہ زنا نہیں کرتے وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ یَلۡقَ اَثَامًا اور جو شخص ایسا کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا“ یُّضٰعَفۡ لَہُ الۡعَذَابُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ یَخۡلُدۡ فِیۡہٖ مُہَانًا کہ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جاوے گا، اور وہ پستی میں ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۷۰﴾ وَ مَنۡ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوۡبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾[۲۴۳]

مگر جو شرک اور معاصی سے توبہ کرلے اور اس توبہ کے قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایمان بھی لے آوے اور نیک کام کرتا رہے یعنی ضروری طاعات کو بجالاتا رہے تو حق تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کو محو کرکے ان کی جگہ آیندہ نیکیاں عنایت فرماوے گا، اور یہ محوِ سیئات اور ثبتِ حسنات اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ غفور ہے اس لیے سیئات کو محو کردیا، اور رحیم ہے اس لیے حسنات کو ثبت فرمایا۔

---

۲۴۳؎ الفرقان:۷۱-۶۸

یہ تو تائب عن الکفر کا بیان تھا، آگے مؤمن تائب عن المعصیۃ کا ذکر ہے تاکہ مضمون توبہ کا پورا ہو جاوے، نیز اُن باخبر بندوں کی تعریف کا تتمہ یہ ہے کہ یہ بندے جو ہم سے باخبر ہیں یہ طاعات میں مشغول رہتے ہیں، اور سیئات سے مجتنب رہتے ہیں، لیکن اگر احیاناً معصیت کا صدور ہو جاوے تو توبہ کر لیتے ہیں، اس لیے تائبین کا حال ارشاد فرمایا کہ جو شخص جس معصیت سے توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے یعنی آیندہ معصیت سے بچتا ہے تو وہ بھی عذاب سے بچا رہے گا، کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے یعنی خوف و اخلاص کے ساتھ کہ یہی شرطِ توبہ ہے۔ (ماخوذ از بیان القرآن)

## توبہ کی حقیقت

توبہ کی حقیقت ندامتِ قلب ہے، دل کا شرمندہ ہو جانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اَلتَّوْبَۃُ هِیَ النَّدَامَۃُ[۲۴۴] توبہ نام ہے ندامت کا، اپنے قصور پر پشیمان ہونا توبہ کی اصلی روح ہے۔

## ایک حکایت

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کی حکایت لکھی ہے، وہ جماعت کے بہت پابند تھے۔ ایک بار وہ مسجد کی طرف جا رہے تھے تو دیکھا کہ مسجد سے لوگ نکل رہے ہیں، سمجھ گئے کہ جماعت ہو گئی، بہت غمگین اور پشیمان ہوئے اور نہ جانے کس درد اور ندامتِ قلب سے ایک آہ کھینچی، جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

گفت آہ و درد ازاں آمد بروں

آہِ او می داد از دل بوئے خوں

اس مخلص نے ترکِ جماعت کے غم سے ایک آہ کھینچی اور وہ آہ اس قدر دردناک تھی کہ

۲۴۴؎ کنزالعمال: ۲۶۰/۴ (۱۰۴۲۷)، کتاب التوبۃ، مؤسسۃ الرسالۃ / سنن ابن ماجۃ: ۴۵۰/۲ (۴۲۵۲)، باب ذکر التوبۃ، المکتبۃ الرحمانیۃ، ذکرہ بلفظ الندم توبۃ

اس آہ سے بوئے خونِ دل محسوس ہوتی تھی۔‘‘جماعت کے اندر ایک صاحبِ کشف اور صاحبِ باطن بزرگ تھے، انہوں نے اس دردناک آہ کے انوار عرش تک جاتے ہوئے دیکھے، فوراً اٹھے، اور صاحبِ آہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ اپنی اس آہ کو مجھے عنایت فرمادیں اور میری نماز باجماعت آپ لے لیں، رات کو ان بزرگ نے خواب میں غیب سے یہ آواز سُنی کہ اے شخص! تونے اس آہ کو کیا خریدا کہ آبِ حیات خرید لیا، اس آہ کی برکت سے تمام مخلوق کی نماز قبول ہوگئی۔

حرمتِ ایں اختیار و ایں دخول
شد نماز جملۂ خلقاں قبول

غیب سے آواز آئی کہ اس اختیار اور دخول یعنی اس آہِ دردناک کی خرید اور اس کے عوض میں اپنی نماز باجماعت کا دینا اس فعل کی حرمت سے جملہ خلائق کی نماز قبول ہوگئی۔ اسی کو مولانا نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ۔

ما بروں را ننگریم و قال را
ما دروں را بنگریم و حال را
نالۂ مومن ہمی داریم دوست
گو تضرّع کُن کہ ایں اعزازِ اوست

مؤمن کے نالہ کو ہم دوست رکھتے ہیں، کہہ دو کہ یہ گریہ وزاری میں مشغول رہے، اس کا اعزاز اسی میں ہے۔

## مضمونِ توبہ کی تفصیل

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ[۲۴۵]

۲۴۵؎ التوبۃ: ۱۱۲

ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف فرمائی ہے: ارشاد فرماتے ہیں کہ ”یہ اصحابِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے، تعریف کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے، اور بُری باتوں سے باز رکھنے والے، اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے (ہیں)۔“

اس آیت میں صفات حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بیان فرمائی گئی ہیں، ان میں سب سے پہلے توبہ کی صفت کو حق تعالیٰ نے مقدم فرمایا ہے، اس تقدیم میں حق تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ توبہ ہی وہ بابِ رحمت ہے جس کے ذریعے وہ تمام درجات اور صفات جو آگے ہم بیان کررہے ہیں حاصل ہوتی ہیں، یعنی غلامی اور بندگی کا اوّل زینہ توبہ ہے۔ توبہ ہی کی برکت سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اَلْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ ہوکر تاجِ خلافت کے لائق ہوگئے، یعنی خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کی باگ ان کے ہاتھ میں دے دی گئی اور حدودِ الٰہیہ کے پاسبان مقرر کیے گئے۔

توبہ ہی وہ دروازہ ہے جو گم شدہ غلام کو مالکِ حقیقی کے پاس پہنچا دیتا ہے۔ توبہ کا دروازہ امت کے لیے بڑی رحمت کا دروازہ ہے۔ جس کے لیے توبہ کا دروازہ کھل گیا اس کے لیے جنت کا دروازہ کھل گیا۔ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق درست کرلیا تو دنیا ہی سے جنت شروع ہوگئی۔ توبہ سے عبدیت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ حق تعالیٰ نے تَآئِبُوْنَ کے بعد عَابِدُوْنَ فرمایا ہے۔ توبہ میں جو ندامت و پشیمانی طاری ہوئی اس سے قلب کی صفائی ہوگئی، اور جب دل سے تاریکی دور ہوگئی تو اپنی غلامی اور بندگی ظاہر ہوگئی، عبدیت کا دروازہ کیا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ ہے، اے اللہ! ہم صرف آپ کے غلام ہیں، توبہ کے بعد ہی بندگی کا دروازہ کھل جاتا ہے ؎

اِلٰهِیْ عَبْدُكَ الْعَاصِیْ اَتَاكَا
مُقِرًّا بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاكَا

”اے اللہ! تیرا بندۂ گناہ گار تیرے دَر پر حاضر ہوا ہے، اور اس حالت میں حاضر ہوا ہے کہ اپنے گناہوں کا اقرار کر رہا ہے اور آپ ہی کو پکار رہا ہے۔“

اِیَّاكَ نَعۡبُدُ کے بعد وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ہے، جب ہم صرف آپ ہی کے غلام ہیں تو آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں، یعنی ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہماری توبہ نہ ٹوٹے گی۔ ہم آپ ہی سے استقامت کی مدد چاہتے ہیں:

فَاِنۡ تَغۡفِرۡ فَاَنۡتَ لِذَاكَ اَهۡلٌ

وَاِنۡ تَطۡرُدۡ فَمَنۡ یَّرۡحَمُ سِوَاكَا[۲۴۶]

”پس اگر آپ بخش دیں تو بے شک آپ اس کے اہل ہیں، اور اگر آپ مجھ کو اپنی بارگاہ سے نکال دیں تو پھر کون ہے آپ کے سوا ہمارے اوپر جو رحم کرے گا؟“

تیری چِتوَن کیا پھری سارا زمانہ پھر گیا

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نہ پوچھے سِوا نیک کاروں کے گر تُو

کہاں جائے بندہ گناہ گار تیرا

تَآئِبُوۡنَ کے بعد عَابِدُوۡنَ فرما کر بتادیا کہ توبہ کی برکت سے غلامی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ”میں ہر روز سو بار سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔“ توبہ ایسی بڑی نعمت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہونے کے باوجود توبہ کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے، حالاں کہ آپ جن امور سے استغفار فرماتے تھے اگر وہ ہم کو مل جائیں تو ہم ولی ہو جائیں۔ حَسَنَاتُ الۡاَبۡرَارِ سَیِّـَٔاتُ الۡمُقَرَّبِیۡنَ ابرار کی حسنات مقربین کے لیے سیئات ہوتی ہیں۔

جب غلامی کا دروازہ کھل گیا تو ہر طرف جدھر نگاہ اٹھاتا ہے اپنے اللہ کی قدرت دیکھ کر حمد کرتا ہے، اوپر نگاہ اٹھی تو آسمان، چاند، ستارے، آفتاب جیسی

---

۲۴۶؎ روح المعانی: ۱۴/۴۸، الحجر (۳۷)، دار احیاء التراث بیروت

مخلوقاتِ عجیبہ دیکھ کر اللہ کی تعریف بیان کرتا ہے، نیچے نِگاہ جاتی ہے تو زمین اور زمین کی مخلوقاتِ عجیبہ دیکھ کر حمد بیان کرتا ہے، بندگی اور غلامی کی برکت سے حمد کا دروازہ اس کے لیے کھول دیا جاتا ہے، انوارِ عبدیت سے اس کے لیے عالَم کا ہر ہر ذرّہ ہر ہر پتّہ معرفت کا دفتر ہو جاتا ہے۔

حمد کے بعد اس پر سیاحت کا دروازہ کھلتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: سِیَاحَۃُ اُمَّتِی الصِّیَامُ ''میری امّت کی سیاحت روزہ ہے''، روزہ رکھ کر گھر بیٹھے سفر کر رہا ہے، یعنی حق تعالیٰ کے قرب کا راستہ طے کر رہا ہے۔

سَائِحُوْنَ کے بعد رَاکِعُوْنَ سَاجِدُوْنَ فرمایا ہے، قَائِمُوْنَ کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ رکوع قیام کے بعد ہی ہوتا ہے، پس رکوع کا ذکر اپنے اندر قیام کے ثبوت کو لیے ہوئے ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیام رکوع اور سجود سے افضل ہے، کیوں کہ قیام میں قرآنِ پاک کی تلاوت ہوتی ہے۔

رَاکِعُوْنَ اور سَاجِدُوْنَ کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اب آگے بڑھو، توبہ کی استقامت کی برکت سے ہم تم کو بڑے بڑے درجے عطا فرمائیں گے۔

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ اب آپ لوگ امر بالمعروف کریں یعنی لوگوں کو بھلی باتوں کی تعلیم دیں، اور روک ٹوک کریں، کہاں تو خود کفر و شرک میں ملوّث تھے، کہاں اب توبہ کی برکت سے وہ دن آگیا کہ دوسروں کی ہدایت کے لائق ہوگئے، میاں کی توجہ جس پر پڑ جائے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

تری نگاہ کے مجروح اور بھی ہیں کئی
کسی کے دل میں رہی اور کسی کے پار گئی
مگر یہ مجھ سے ہی کی تو نے ترک بات نئی

درونِ سینۂ من زخمِ بے نشاں زدہٗ
بحیرتم کہ عجب تیرِ بے کماں زدہٗ

**مَعْرُوْف** اس بات کو کہتے ہیں جو جانی پہچانی ہو، کیوں کہ معروف عرفان سے ماخوذ ہے، بھلی باتوں سے چوں کہ طبعاً اُنس ہوتا ہے اس لیے وہ باتیں گویا جانی پہچانی ہوتی ہیں، اور **مُنْکَر** کے معنیٰ بے جان پہچان کے ہیں، منکر نکیر اُن فرشتوں کا نام اسی سبب ہے کہ وہ بے جان پہچان کے ہوتے ہیں، **فَعَرَفَھُمْ وَ ھُمْ لَہٗ مُنْکِرُوْنَ** حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السّلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا اور اُن لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السّلام کو نہیں پہچانا۔

جتنی بُری باتیں ہیں وہ فطرتاً طبیعت کے لیے غیر مانوس ہوتی ہیں، یعنی ہر معروف سے طبعاً اُنس ہوتا ہے اور ہر منکر سے طبعاً ناگواری ہوتی ہے، مگر مراد طبیعت سے طبیعتِ سلیمہ ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام سب سے آخر میں سپرد کیا جاتا ہے، جب خوب پختگی پیدا ہوجاتی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بعد حق تعالیٰ ایک انعام اور عطا فرماتے ہیں، یعنی اپنی حدود کا پاسبان مقرر فرمادیتے ہیں:

**وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ** یہ خود بھی حدودِ الٰہیہ کا محافظ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی حفاظتِ حدودِ الٰہیہ کی تعلیم دیتا ہے، اور جو کچھ عبدیت میں نقصان دیکھتا ہے اس کی تلافی توبہ سے کرتا رہتا ہے۔ توبہ کے بارے میں ایک دھوکا لوگوں کو ہوتا ہے وہ یہ کہ

## توبہ کے متعلّق ایک شبہ اور اُس کا جواب

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر توبہ کرکے توڑ دی تو وہ توبہ ہی بے کار ہے، اسی لیے بعض لوگ توبہ ہی نہیں کرتے کہ شاید پھر ٹوٹ جائے، ہمارے حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شبہے کے ازالے کے لیے ایک حدیث نقل فرمائی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ توبہ نام ہے اپنی معصیت پر ندامتِ خالصہ کا۔ جب گناہ تجھ سے صادر ہوجاوے پھر تو نادم ہوکر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی درخواست کرے اور پھر کبھی اس کی طرف عود نہ کرے، یعنی دل سے یہ ارادہ پختہ ہو کہ اب دوبارہ اس گناہ کو نہ کروں گا، گو غلبۂ نفس و شیطان سے پھر وہی گناہ ہوجاوے، پھر اسی طرح ندامت و استغفار و عزم علی التقویٰ کا حکم ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً[۲۴۷]

اصرار علی المعصیۃ کرنے والوں میں وہ شخص شمار نہیں جس نے ہر بار معصیت سے استغفار کرلی، اگرچہ پھر اسی گناہ کی طرف دن میں ستّر بار لوٹے۔

کیوں کہ مقیم علی الذنب سے مراد مقیم بالقلب ہے، اور عدم عود سے مراد عزم عدم عود ہے، یعنی گناہ پر قائم رہنے سے مراد یہ ہے کہ دل میں قائم رہنے کا ارادہ ہو اور دوبارہ کی طرف نہ لوٹنے سے مراد نہ لوٹنے کا ارادہ ہے، اب اگر غلبۂ نفس و شیطان سے یہ ارادہ ٹوٹ گیا تو مصر علی المعصیۃ نہیں ہے، چناں چہ بعضے دوسرے بزرگوں نے اسی تحقیق کا حاصل اپنے اس قول میں ظاہر فرمایا ہے۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اے شخص! لوٹ آ لوٹ، جس حال میں بھی ہے تُو اللہ کی طرف آجا، اگر کافر ہے یا گبر و بت پرست ہے پھر بھی آجا کہ یہ بارگاہِ نومیدی نہیں ہے، سو بار اگر توبہ توڑی ہے تب بھی مایوس نہ ہو اور اللہ کی طرف آجا۔ خلاصہ یہ کہ ایک بار جس گناہ سے توبہ سچے دل سے کرلی گئی دوبارہ وہی گناہ پھر ہوجانے سے پہلی توبہ بے کار نہیں ہوتی، البتہ اس دوسرے گناہ سے پھر صدقِ دل سے توبہ کرلے اور اپنی طرف سے پختہ ارادہ گناہ نہ کرنے کا کرلے، اسی طرح عمر بھر توبہ کا سلسلہ بند نہ کرے۔

ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خوب فرماتے ہیں۔

نہ چت کرسکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے

---

۲۴۷؎ سنن ابی داؤد: ۲۱۲/۱، باب فی الاستغفار، ایچ ایم سعید

ارے اس سے کُشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دَبالے کبھی تو دبالے

## گناہوں سے بچنے کا ایک مراقبہ

گناہوں سے بچنے کے لیے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مراقبہ کی تعلیم فرمائی ہے، اور ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ طریقہ القاء ہوا ہے، جس کا میرے اوپر بھی بہت اثر ہے، وہ مراقبہ یہ ہے کہ ہر کام کے وقت یہ سوچ لیا کرے کہ یہ کام جو ہم کر رہے ہیں یا کرنے والے ہیں یہ آخرت میں مضر ہے یا مفید؟ چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، باتیں کرتے ہوئے، رنج و غصہ ہر حال میں، ہر حرکت و سکون میں یہ سوچ لیا کرے کہ یہ کام آخرت کے لیے مفید ہے یا مضر ہے؟ اس کے بعد اوّل تو گناہ صادر ہی نہ ہوگا اور اگر بالفرض صادر ہوا بھی تو آپ اُس وقت بیدار گناہ گار ہوں گے، سرکش و غافل گناہ گار نہ ہوں گے۔ اور یہ بھی ایک بڑی دولت ہے کہ انسان کو گناہ کے وقت تنبّہ ہو جائے کہ میں نے یہ کام گناہ کا کیا ہے، اس سے دل پر ایک ایسا چرکا لگتا ہے جس کے بعد معاً توبہ اور استغفار کو جی چاہتا ہے، اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جان کر گناہ کرنا تو اور سنگین جرم ہے تو بات یہ ہے کہ جان کر گناہ کرنا مطلقاً اشد نہیں، علم کے ساتھ وہ گناہ اشد ہے جس کے ساتھ جرأت بھی ہو، اگر جرأت نہ ہو تو جان کر گناہ کرنا غفلت کے گناہ سے اشد نہیں، جب گناہ کو گناہ جان کر گناہ کرے گا تو اس گناہ کے ساتھ خشیت بھی ملی ہوگی، اور دل میں ایک خلِش بھی گناہ کے ساتھ ساتھ موجود ہوگی، جس کی وجہ سے یہ معصیت کامل نہ ہوگی، کامل خشیت کے ساتھ گناہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا، اور ناقص خشیت کے ساتھ جو معصیت صادر ہوگی وہ بھی ناقص ہوگی۔

اس مضمون کے استحضار سے یہ فائدہ ہوگا کہ بعض لوگوں سے باوجود خشیت کے بھی گناہ صادر ہو جاتا ہے، تو اس خشیت کو بے کار سمجھ کر کہیں معطل ہو کر نہ بیٹھ رہیں، خشیت کے تین درجے ہیں: ایک خشیتِ اعتقادی، یہ تو ہر مسلمان کو حاصل ہے، کیوں کہ ایمان نام ہی ہے خوف ورجاء کا، پس اس درجے سے کوئی مسلمان خالی نہیں ہے،

مگر اعتقادی خشیت گناہوں سے روکنے کے لیے کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ استحضارِ خشیت کی بھی ضرورت ہے، یہ دوسری قسم ہے، پھر استحضار کے دو درجے ہیں: ایک استحضارِ کامل، دوسرے استحضارِ ناقص، استحضارِ کامل کے ساتھ معصیت ہرگز نہیں ہوسکتی، مگر ہم لوگوں کو استحضارِ کامل حاصل نہیں اور اسی کی ضرورت ہے، لیکن استحضارِ کامل ایک دو دن میں حاصل نہیں ہوا کرتا اس کے لیے مشق کی ضرورت ہے، پہلے استحضارِ ناقص ہی کیجیے، اس سے گو معصیت کا انعدام نہ ہوگا مگر تقلیل ضرور ہوجائے گی، اور وہی کیفیت ہوگی جو میں نے ابھی بیان کی ہے کہ خشیتِ ناقصہ کے ساتھ معصیت بھی ناقص ہی ہوگی، پھر اسی حالت پر اکتفاء نہ کیجیے، بلکہ استحضارِ ناقص سے استحضارِ کامل کی طرف ترقی کیجیے، ان شاء اللہ! شدہ شدہ آپ ایک دن کامیاب ہوجائیں گے۔ کام میں لگا رہنا اور مشق کا جاری رکھنا ہی کمال حاصل کرنے کا طریقہ ہے، گھبرائیے نہیں ؎

کوئے نو امیدی مرو امیدہاست
سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

میں دعوے سے نہیں کہتا، خدا کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ اس مراقبے کو جاری رکھو، ان شاء اللہ! ایک دن آپ ضرور کامیاب ہوجائیں گے۔ پس ہر کام میں اس حیثیت سے نظر کرو کہ معین فی المقصود ہے یا مضر، جو معین ہو اس کو اختیار کرو جو مضر ہو اس کو ترک کرو اور اس کا استحضار ہر کام میں رکھو خواہ مباح ہو یا فرض، واجب ہو یا اور کچھ۔ (ملخص از وعظ الاسعاد والابعاد، ۱۳۴۲ھ، بمقام تھانہ بھون)

## اللہ والوں کی ساتویں صفت

عباد الرحمٰن کی من جملہ اور شانوں کے ایک شان یہ بھی ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

اور ہمارے باخبر بندوں کی یہ شان ہے کہ وہ بے ہودہ باتوں جیسے لہو و لعب خلافِ شرع میں شامل نہیں ہوتے، اور اگر اتفاقاً بلا قصد بے ہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گزریں تو

سنجیدگی و شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں، یعنی نہ اس کی طرف مشغول ہوتے ہیں اور نہ ان کے آثار سے عاصیوں کی تحقیر اور اپنا ترفع و تکبّر ظاہر ہوتا ہے۔

## اللہ والوں کی آٹھویں صِفت

اور ان کی شان یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے احکام کے ذریعے ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ان احکام پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے، (جس طرح کافر قرآن پر ایک نئی بات سمجھ کر تماشے کے طور پر اور نیز اعتراضات پیدا کرنے کے لیے اس کے حقائق و معارف سے اندھے بہرے ہو کر اندھا دھند بے ترتیب ہجوم کر لیتے تھے)

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

## اللہ والوں کی نویں صفت

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾[۲۴۸]

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اور ہمارے باخبر بندوں کی شان یہ ہے کہ وہ خود جیسے دین کے عاشق ہیں اسی طرح اپنے اہل و عیال کے لیے بھی ساعی اور داعی ہیں۔ چناں چہ عملی کوشش کے ساتھ حق تعالیٰ سے بھی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی راحت عطا فرما، یعنی ان کو دیندار بنادے، اور ہم کو ہماری اس سعیٔ دینداری میں کامیاب فرما۔ ان کو دینداری کی حالت میں دیکھ کر راحت اور سرور ہو (تو نے ہم کو ہمارے خاندان کا افسر تو بنایا ہی ہے مگر ہماری دعا یہ ہے کہ ان سب کو متقی کر کے) اور ہم کو متقیوں کا افسر بنادے (تو اصل مقصود افسری مانگنا نہیں ہے، گو اس میں بھی قباحت نہیں ہے مگر مقام دلالت نہیں

[۲۴۸] الفرقان: ۷۴-۷۶

کرتا، بلکہ اصل مقصود اپنے خاندان کے متقی ہونے کی درخواست ہے یعنی بجائے اس کے کہ ہم افسرِ خاندان ہیں ہم کو افسرِ خاندانِ متقی بنادیجیے۔

یہاں تک تو عبادالرحمٰن کے اوصاف کا تذکرہ تھا، یعنی ہمارے باخبر بندوں میں ایسی ایسی شانیں ہوتی ہیں، ان کے یہی اوصاف مخبری کرتے ہیں، پس ان علامتوں سے ہمارے باخبر بندوں کو ڈھونڈلو، اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا جب کوئی باخبر بندہ مل جائے تو اس کی صحبت میں رہ کر حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرو، ''رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔''

عبادالرحمٰن کے اوصاف کے بعد آگے حق تعالیٰ ان کی جزاارشاد فرماتے ہیں یعنی ایسے لوگوں کو بہشت میں رہنے کو بالاخانے ملیں گے بوجہ اُن کے دین واطاعت پر ثابت قدم رہنے کے، اور ان کو اس بہشت میں فرشتوں کی جانب سے بقا کی دعااور سلام ملے گا، اور اس بہشت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہ کیا اچھاٹھکانااور مقام ہے۔

یہ حق تعالیٰ کا خاص انعام ہے، اور حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض وبرکات ہیں کہ اس خاص ترتیب کے ساتھ یہ مضمون اس وقت میں القاء ہوا ہے جب کہ میں اٹھاسی (۸۸) سال کی عمر میں قدم رکھنے والا ہوں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنّ اور انسان کی پیدایش کا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، دلیل کیا ہے؟ جن اور انسان کے پیدا کرنے والے نے فرمایا ہے:

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾[۲۴۹]

میں نے جنّ اور انسان کو اس واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہمانے لِيَعۡبُدُوۡنِ کی تفسیر لِيَعۡرِفُوۡنِ سے فرمائی ہے، یعنی جنّ اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ مجھے پہچان لیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے پہچانیں؟ طریقۂ پہچان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے

---

[۲۴۹] الذّٰریٰت: ۵۶

اس کا طریقہ بھی ارشاد فرمادیا کہ میری پہچان تو ان ہی کے ذریعے ہوگی جنہوں نے ہمیں پہچان لیا ہے، اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا رحمٰن کی شان کو کسی باخبر سے پوچھو۔ جو ہمارے باخبر بندے ہیں یعنی جو ہم سے باخبر ہیں، اُن سے ہماری پہچان ہوگی۔

اب پھر سوال ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ کون لوگ اللہ تعالیٰ کے باخبر بندے ہیں؟ تو اس سوال کا جواب وہیں موجود ہے جہاں اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا ارشاد فرمایا ہے، اس آیت کے دو تین آیتوں کے بعد ہی اپنے باخبر بندوں کے ان اوصافِ مذکورہ کو ارشاد فرمایا ہے تاکہ کوئی بے خبر مدعی نہ بن جائے کہ ہم بھی باخبر ہیں۔

## اللہ والوں کی پہچان کا ایک جامع اور نہایت سہل طریقہ

ہمارے حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب پہچان اللہ والوں کی ارشاد فرمائی ہے جو نہایت آسان ہے، وہ یہ کہ خواص امّت جس کو اللہ والا کہتے ہوں بس اس کا دامن پکڑلو، عوام کی بھیڑ ہرگز مت دیکھو، کیوں کہ عوام کی بھیڑ بدون بصیرت کے ہے، اس لیے ان کا ازدحام اور ہجوم کسی کے پاس اس کی صداقت کا معیار نہیں بن سکتا ہے، اور خواص امّت یعنی اس کے ہمعصر علمائے متقین جس کو اچھا کہیں گے تو وہ غلط نہیں ہوسکتا۔

یہ پہچان ہر شخص کے لیے آسان ہے، اور علماء وخواص امّت جس کو پہچانیں گے اس کو قرآن وحدیث کے ارشاد فرمودہ علامات سے پہچانیں گے، بس خواص کا پہچان لینا عوام کے لیے کافی حجت ہے۔ البتہ ایک شرط اور بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، وہ مناسبت ہے، یعنی جس اللہ والے سے دین حاصل کرے تو اس کے یہاں پہلے چند دن رہ لے، اور رہ کر دیکھ لے کہ مجھے اس شیخ سے مناسبت بھی ہے یا نہیں۔

اور مناسبت کی تعریف حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمائی تھی کہ پیر کے مُباح افعال طالب کو اچھے معلوم ہوں اور طالب کے مباح افعال پیر کو بھلے معلوم ہوں، جب مناسبت ہوتی ہے تب ہی فیض ہوتا ہے، مقصود اللہ ہے، جہاں مناسبت معلوم ہو وہیں بیعت ہو، اگرچہ اس کی زیادہ شہرت بھی نہ ہو۔

## خلاصۂ معرفتِ الٰہیہ

حق تعالیٰ کی پہچان کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معرفت کے لیے تین باتیں ضروری ہیں:

(۱) صحبتِ اہل اللہ (۲) کثرتِ ذکر اللہ (۳) تفکر فی خلق اللہ

صحبتِ اہل اللہ کو مقدم اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت ہی سے اللہ تعالیٰ کی یاد کا شوق پیدا ہوتا ہے، ان کی صورت دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آجاتے ہیں، اور اُن کی نورانی گفتگو سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے، اور محبت سے ذکر کی توفیق ہوتی ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

فقر خواہی آں بصحبت قائم است
نہ زبانت کار می آید نہ دست

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر فقر چاہتے ہو یعنی حق تعالیٰ کا راستہ طے کرنا چاہتے ہو تو وہ صحبت ہی سے قطع ہوتا ہے، نہ محض زبان کام آتی ہے نہ ہاتھ کام آتا ہے، اس کی تصریح حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمادی ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے ڈریں اللہ سے ڈرنے کا طریقہ کیا ہے؟

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

تو اس کا جواب فرمادیا وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ اور سچوں کے ساتھ رہ پڑو۔ جن کے ظاہر اور باطن دونوں خدا کے خوف سے سچے ہوں، ان کی صحبت کی برکت سے ان کا صدق فی الاعمال اور ان کا صدق فی المقال تمہارے اندر بھی آجائے گا۔

کثرتِ ذکر اللہ کو تفکر فی خلق اللہ سے اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ بکثرت ذکر سے قوّتِ فکریہ میں جِلاء اور صفائی آتی ہے، ذکر کے انوار سے نفس کے ظلمانی

پردے مٹتے چلے جاتے ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

می گریزد ضدّہا از ضدّہا
شب گریزد چوں برافروزد ضیا

مولانا فرماتے ہیں کہ ''ہر ضد اپنی ضد سے بھاگتی ہے، جب دن روشن ہوتا ہے تو رات راہِ فرار اختیار کرتی ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ ذکر کے انوار جب دل میں آتے ہیں تو دل کی تاریکیاں انوار سے متبدل ہوجاتی ہیں، اور پہلے جب دل تاریک تھا تو افکار بھی تاریک پیدا ہوتے تھے، اور اب نورانی قلب میں افکار بھی نورانی پیدا ہوتے ہیں، افکارِ ظلمانی کیا ہیں؟ جو آخرت کی دائمی زندگی سے غافل کردیں، اور صرف چندروزہ حیاتِ دنیویہ کے نقش و نگارِ فانیہ کو مقصود بنادیں۔ افکارِ نورانی کیا ہیں؟ جو دنیائے بے ثبات کے رُخ سے نقابِ فریب ہٹادیں، اور مبلغِ علم کو حیاتِ اخرویّہ تک پہنچادیں۔

## ذکر سے فکر کا جمود دور ہوتا ہے

ذکر سے قوّتِ فکریہ کا جمود دور ہوتا ہے، اسی کو حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ایں قدر گفتیم باقی فکر کن
فکر گر جامِد بود رو ذکر کن
ذکر آرد فکر را در اہتزاز
ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

مطلب یہ ہے کہ اگر فکر جامد ہے تو اس کو حرکت میں لانے کے لیے ذکر اختیار کرو۔ فکرِ افسردہ کو خورشیدِ ذکر سے گرم کرو۔

حق تعالیٰ نے یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ کو یَتَفَکَّرُوْنَ پر مقدم فرمایا ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ [۲۵۰]

ان آیتوں میں حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبتِ کاملہ اور عبدیتِ کاملہ کا ذکر ہے، یعنی یہ لوگ حق تعالیٰ کی محبت میں ایسے سرگرم ہیں اور اللہ کی یاد ان کے دلوں میں اس طرح پیوست ہوگئی ہے کہ جب کھڑے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: اللہ، جب بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں: اللہ، جب لیٹے لیٹے کروٹ بدلتے ہیں تو کہتے ہیں: اللہ۔ انسان کی زندگی ان ہی تین حالتوں میں گھری ہوئی ہے، یا کھڑا ہو یا بیٹھا ہو یا کسی پہلو پر لیٹا ہو، اور ان تین حالتوں میں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔

## محبّت کا تیر

گویا ان کو محبت کا تیر لگ گیا ہے، جس کی خلش ان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے بے قرار رکھتی ہے۔ ہمارے حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی حق تعالیٰ کی محبت میں جوش میں آکر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے ؎

تری نگاہ کے مجروح اور بھی ہیں کئی
کسی کے دل میں رہی اور کسی کے پار گئی
مگر یہ مجھ سے ہی کی تو نے ترک بات نئی

درونِ سینۂ من زخم بے نشاں زدۂ
بحیرتم کہ عجب تیرِ بے کماں زدۂ

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیمکش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی ہے جو جگر کے پار ہوتا

کفر کافر را و دیں دیندار را
ذرۂ دردِ دلے عطّار را

[۲۵۰] اٰلِ عمرٰن: ۱۹۱

یہی کثرتِ ذکر اُن کی شدّتِ محبت پر گواہی دیتی ہے، کیوں کہ قاعدہ ہے: مَنۡ اَحَبَّ شَیۡـًٔا اَکۡثَرَ ذِکۡرَہٗ[۲۵۱] جو شخص جس شے سے محبت رکھتا ہے اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ کثرتِ ذکر کے انوار سے اُن کی قوّتِ فکریہ جو پہلے جامد تھی وہ اب متحرک اور نورانی ہوگئی، اور اسی نورانی فکر سے آسمان اور زمین کی خلقت میں غور کیا کرتے ہیں، اور ان مصنوعاتِ عجیبہ سے صانعِ حقیقی کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔

یہ ہے اصلی فکر جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے
راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

”حقیقی فکر وہ ہے جو راستہ کھول دے، اور حقیقی راستہ وہ ہے جو اللہ تک پہنچادے۔“ ذکر کے انوار نے ان کی فکر کو نورانی بنادیا ہے، یہاں تک کہ وہ نورِ حقیقی تک رسا ہوگئی، اور کہنے لگے: رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ اے ہمارے پروردگار! یہ آسمان بے ستون اور آسمان میں چاند اور سورج اور اتنے بے شمار ستاروں کا جڑ دینا اور تودۂ زمین کے اتنے بے شمار ذرّات کا اکٹھا کردینا آپ ہی کی قدرتِ کاملہ کی صنعت گری ہے۔

## عارف فکر سے قرب کے مراتب طے کرتا ہے

خاموش بیٹھے ہیں مگر تا عرشِ شاہ سیر کررہے ہیں ؎

خامش اند و نعرۂ تکرار شاں
می رود تا عرش و تخت یار شاں

اولیاء اللہ جب ذکر سے تھک جاتے ہیں تو فکر سے قرب کے مراتب طے کرتے ہیں، خاموش بیٹھے مگر ان کے نعروں کا تکرار عرش تک یعنی تخت یارِ حقیقی تک پہنچتا ہے۔ تفکر سے اس قدر قرب ہوا کہ حق تعالیٰ سے مناجات یعنی سرگوشی کا سلسلہ شروع

---

[۲۵۱] شعب الایمان للبیہقی: ۳۸۸/۱ (۵۰۱)، فصل فی معانی المحبۃ، مکتبۃ دار الکتب العلمیۃ

ہو گیا۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا فکر کے سمندر میں ڈوب کر جواہرِ عرفانی نکال لائے، اور اب خاموش رہنا ضبط سے باہر ہے۔

تاب زنجیر ندارد دلِ دیوانۂ ما

اب اللہ تعالیٰ سے باتیں شروع ہو گئیں، اللہ اکبر! فکر سے کس قدر قرب نصیب ہوتا ہے، حق تعالیٰ سے عرض کر رہے ہیں وہی جواہرِ عرفانی مناجات میں پیش کر رہے ہیں، کہ اے ہمارے رب! جو مصنوعات ہم آسمانوں اور زمینوں میں دیکھ رہے ہیں ان کو آپ نے باطل یعنی لغو اور عبث نہیں پیدا فرمایا ہے، کیوں کہ ان ہی چیزوں کو دیکھ کر ہم آپ کے وجود پر استدلال کر کے توحید اختیار کرتے ہیں اور شرک و کفر کی تاریکی سے نجات پاتے ہیں۔

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدّث دہلوی نے اس آیت کی یوں تفسیر فرمائی ہے کہ عبث نہیں بنایا یعنی اس عالم کی انتہا ہے دوسرے عالم میں۔

کثرتِ ذکر کے انوار سے ان کی سمجھ ایسی نورانی ہو گئی جس سے اپنی غلامی اور بندگی کا اور حق تعالیٰ کی عظمتِ شان کا استحضار راسخ نصیب ہو گیا، فکر نورانی نفس کے حوالے نہیں ہوتی ہے، اس کی نگاہ ہر وقت حق تعالیٰ کی جلالتِ شان اور عظمت پر اور اپنی بے کسی، عاجزی اور محتاجی پر ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عارفین باوجود کثرتِ ذکر اور فکر کے عُجب اور خود بینی میں مبتلا نہیں ہوتے۔

چناں چہ حق تعالیٰ حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اسی شانِ عبدیت کو آگے بیان فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ وہ ہیں کہ رات دن ذکر اور فکر میں لگے رہنے کے باوجود میری عظمت اور کبریائی کا استحضار ان کو خائف اور غمگین رکھتا ہے، اور اس درجہ خوف زدہ رکھتا ہے کہ اپنے کو جہنم کے قابل سمجھ کر یوں دعا کر رہے ہیں کہ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ”اے ہمارے رب! ہم کو عذابِ جہنم سے نجات عطا فرما“ ہم جیسے لوگ ہوں تو اس قدر ذکر اور فکر کی توفیق پر نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھ بیٹھیں۔

## طالب کا التزامِ ذکر پیر کے نور کا جاذب ہوتا ہے

کثرتِ ذکر سے طالب کے اندر جو انوار پیدا ہوتے ہیں وہ شیخ کے انوارِ فہم و معرفت کو جذب کرلیتے ہیں، یعنی جذبِ نور کی صلاحیت التزامِ ذکر ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں؎

ناریاں مر ناریاں را جاذب اند
نوریاں مر نوریاں را طالب اند

مولانا فرماتے ہیں کہ جب تم کثرتِ ذکر اللہ کے پابند رہو گے تو حق تعالیٰ کے انوار ذکر کے واسطے سے تمہارے اندر آکر تمہیں نورانی بنادیں گے اور جب تم نورانی ہو جاؤ گے تو شیخِ نورانی کے انوار کو تمہارے اندر جذب کرلیں گے۔

اس مضمون کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَ الۡعَشِیِّ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے اندر مجالست کا حکم فرمایا جارہا ہے جو اپنے رب کو صبح و شام یاد کرنے والے ہیں۔

## صحبتِ شیخ کی ضرورت

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ میں تو صحبت کی ضرورت ارشاد فرمادی کہ اے اہلِ عرب! تم عربی زبان کے ماہر تو ہو لیکن نِری زبان دانی سے کام نہیں چلے گا، میرے رسول کی صحبت میں رہ کر تزکیۂ نفس، تعلیمِ کتاب، تعلیمِ حکمت کے بغیر دین نہیں ملے گا؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

وَاصۡبِرۡ کے عنوان سے صحبت کی حد درجہ ضرورت ثابت ہوگئی، کیوں کہ صبر نام ہے رضائے حق کے لیے اپنے کو ایسے امر پر مامور کردینا جو طبعاً نامرغوب اور گراں ہو۔

وَاصۡبِرۡ کا عنوان بتاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی مذاق تبتّلِ تام کا تھا، یعنی تمام مخلوق سے منقطع ہو کر حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنا، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ پاک سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تربیت اور تزکیہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مجالست یعنی نشست کا حکم فرمانا اور وَاصۡبِرۡ کے عنوان سے یعنی مجاہدہ کرا کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے درمیان نشست فرمانے کا حکم نازل فرمانا صحبت کی ضرورت کو کس قدر مؤکد کرتا ہے۔ مقصود اس امر سے یہ تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم محمدی پھول میں بس جائیں، اور پھر منتشر ہو کر اقصائے عالم میں آپ کی خوشبو کو پھیلائیں، اور سارا عالم نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے منوّر ہو جائے، اور اَلَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَالۡعَشِیِّ سے حق تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ کاملین کی صحبت کا کامل اثر ان ہی پر ہوتا ہے جو ذکر کے پابند ہوتے ہیں، ذکر کے انوار سے شیخِ کامل کے اخلاقِ حسنہ کو جذب کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔

## مذاقِ تبتّل شیخِ کامل کی خاص علامت ہے

اس آیت وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ سے معلوم ہوا کہ شیخِ کامل کا مقام تبتّل کا ہے، یعنی اس کی نسبت مع اللہ اس درجہ قوی ہو کہ خلق میں چلنا پھرنا اور نشست کرنا بتکلف اور جبرِ نفس سے ہو، اصلی غذا اس کی خلوت مع اللہ اور غلبۂ ذکر ہو، لیکن امرِ الٰہی سمجھ کر خلق کو تعلیم و ہدایت کرتا ہو، حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا ﴿۸﴾[۲۵۲]

اے ہمارے رسول! آپ اپنے رب کے نام کو یاد کیجیے، اور خلق سے بالکلیہ یک سو ہو کر اسی کی طرف متوجہ رہیے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی عجیب رحمت ہے، کہ جہاں جس بات کا حکم فرماتے ہیں وہیں اس کے حصول کا طریقہ ارشاد فرما دیتے ہیں۔

یہاں تبتّل سے پہلے ذکرِ اسمِ رب کا امر فرما کر بتا دیا کہ یہ مقام یعنی میری

---

۲۵۲؎ المزمل:۸

طرف سب سے منقطع ہو کر متوجہ ہونا اسی وقت نصیب ہو گا جب میری یاد کا غلبہ ہو گا، اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ[۲۵۳] میں ذاکر بندے کا ذکر کے وقت ہمنشیں ہوتا ہوں، پس میری ہمنشینی تمہیں ماسوا سے مستغنی کردے گی، اور اگر میری ہمنشینی نہ ہو گی تو پھر بتقاضائے بشریت تم خلوت کو پسند نہیں کر سکتے۔

تفکر فی خلق اللہ: صحبتِ اہل اللہ سے کثرتِ ذکر اللہ کی توفیق ہوتی ہے، اور کثرتِ ذکر اللہ کی برکت سے فکر حرکت میں آتی ہے، اور ذاکر حق تعالیٰ کی مصنوعات اور مخلوقات میں غور کرتا رہتا ہے اور عالَم کا ہر ذرّہ ہر پتّہ اس کے لیے معرفت کا دفتر بن جاتا ہے۔

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

ذکر سے زیادہ فکر سے قرب بڑھتا ہے، مگر فکر میں جِلاء اور نورانیت ذکر ہی سے آتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ فکر کا اجر ذکر سے کئی درجے زیادہ ملتا ہے، اس کی تائید ایک آیت سے بھی ہوتی ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾[۲۵۴]

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بے شک متقین بندے باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے، ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ "تفسیر بیان القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں کہ یعنی جنّت کے ساتھ قرب بھی نصیب ہو گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ تقویٰ کی جب یہ برکات ہیں تو تقویٰ یعنی ڈر کِس چیز سے پیدا ہوتا ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ فکر سے پیدا ہوتا ہے، اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا

---

۲۵۳؎ شعب الایمان للبیہقی: ۱۷۱/۲ (۶۷۰) مکتبۃ الرشد

۲۵۴؎ القمر: ۵۴-۵۵

ہونے سے ڈرا ہو گا وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ اور نفس کو خواہش سے روکا ہو گا،
فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى ﴿۴۱﴾ سو جنت اس کا ٹھکانا ہو گی۔

معلوم ہوا کہ یہ خوف اس فکر کے نتیجے میں حاصل ہوا تھا کہ ایک دن اپنے رب کے سامنے حساب کے لیے کھڑا ہونا ہے، پیشی کے دن کی فکر سے ڈر پیدا ہوا، اور بے خوفی کا سبب بے فکری ہے، چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں:

فَأَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَإِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَأْوٰى ﴿۳۹﴾ [۲۵۵]

جس شخص نے سرکشی کی ہو گی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہو گی سو اُس کا دوزخ ٹھکانا ہو گا۔ معلوم ہوا کہ آخرت کی زندگی سے غفلت اور بے فکری سے بے خوفی پیدا ہوئی، اور یہ بے خوفی سبب بن گئی سرکشی کا۔ صحبتِ اہل اللہ تو اصلی جڑ ہے، اس کے بغیر نہ تو ذکر سے کام چلتا ہے نہ فکر سے۔

## بدون صحبتِ شیخ کام کرنے کے مہلکات

کیوں کہ بدون صحبتِ شیخ کامل کے جس نے خود رائی سے ذکر شروع کیا وہ ناز اور تکبر سے ہلاک ہوا، نیز ذکر میں بعض وقت ایسی لذت اور کیفیت محسوس ہوتی ہے کہ اگر شیخ کی طرف سے تعداد مقرر نہ ہو تو ذاکر رات دن بس ذکر ہی کرتا رہے، چناں چہ راہ برِ کامل کے سوا جن لوگوں نے ذکر شروع کیا انہوں نے اس کیفیت اور لذّت میں اس قدر ذکر کی تعداد بڑھادی کہ دل اور دماغ سب معطل ہو گئے، خشکی بڑھ گئی، نیند ختم ہو گئی، اختلاج کی بیماری لگ گئی، رفتہ رفتہ پاگل ہو گئے، لوگ ان کو مجذوب سمجھ گئے، اور یہ شخص خبط الحواس ہو کر، پاگل ہو کر خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ہو گیا۔ میرے چشم دید مشاہدات میں ایسے افراد ہیں جو بے چارے اناڑی پیر کے حوالے ہو گئے اور تعدادِ ذکر میں ان کے پیر نے مرید کی قوّت اور صحت کا لحاظ نہ رکھا، چند دن تو گاڑی چلی، پھر دیکھا کہ داڑھی منڈائے ہوئے فرض نماز وغیرہ کو بھی خیر باد کہہ کر بد حواس پھرنے لگے۔ ایسے ایک صاحب میرے پاس بھی آئے بڑا ترس آیا، اللہ بچائے اناڑی پیروں سے۔

۲۵۵؎ النّٰزعٰت:۳۹-۳۷

شیخ محقق پہلے اپنے مرید سے اس کا مشغلۂ معاش معلوم کرتا ہے، اور اس کی صحت پر نگاہ ڈالتا ہے، پھر اس کی قوت اور فرصت کے اعتبار سے تعدادِ ذکر مقرّر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کامل القدرت ہیں، کسی کو چوبیس ہزار ذکر سے پہنچاتے ہیں، کسی کو ایک ہی ہزار ذکر سے پہنچاتے ہیں، بلکہ بعض اوقات چوبیس ہزار والا تھک کر راستے ہی میں رہ جاتا ہے، اور بے چارہ ایک ہزار والا لنگڑاتا ہوا منزل تک پہنچ جاتا ہے، اسی کو حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے بسا اسپ تیز رو کہ بماند
وخرِ لنگ جاں بمنزل بُرد

بہت سے تیز رو گھوڑے تھک کر بیٹھ رہے، اور لنگڑا گدھا برابر چلتے رہنے کی وجہ سے منزلِ مقصود تک پہنچ گیا۔

ضعیف بندوں کو تھوڑے ہی عمل میں کامیاب فرمادیتے ہیں، کبھی قلیل عمل کو بے کار نہ سمجھے، بلکہ اگر ناغہ بھی ہوجایا کرے تب بھی کام کیے جائے، سب چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے، ناتمام اور بے ترتیب کوشش بھی بالکل سورہنے سے بہتر ہے، بندہ ضعیف اپنے قلیل عمل پر نادم ہوتا ہے، اس کی ندامت اور اس کا اخلاص میاں کو پسند آجاتا ہے، اس کو چوں کہ فکر اور دُھن ہوتی ہے اس لیے حق تعالیٰ اس کے قلیل ہی عمل پر فضل فرمادیتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خط ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں آیا، کہ حضرت! نیند کم آتی ہے اور ذکر کے وقت روشنی نظر آتی ہے۔ تحریر فرمایا کہ ذکر فوراً ملتوی کردو اور کسی طبیب سے رجوع کرو، سر پر تیل رکھو، دوست احباب کے ساتھ ہوا خوری کے لیے جنگل کی طرف ٹہل آیا کرو اور فرمایا کہ اناڑی پیر ہوتا تو بہت خوش ہوتا کہ اب تجلّی نظر آنے لگی، حالاں کہ اس روشنی کا سبب دماغی خشکی ہے، یہ شخص سوداویت اور یبوستِ دماغ کا شکار ہوگیا ہے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! دل اور دماغ یہ سب خدائی مشینیں ہیں، ان سے جب کام لیتے ہو تو اُن کی قوّت کی حفاظت بھی تمہارے ذمہ ہے، سرکاری مشین ہے اگر اپنی لاپروائیوں سے خراب کروگے تو پکڑ ہوگی، جب

لوہے کی مشین میں تیل ڈالنا ضروری ہے تو دماغ اور دل تو بڑی نازک مشینیں ہیں، ان کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص قوّت سے زیادہ اوراد اختیار کرتا ہے وہ گویا اپنے کو اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ کچھ دن کے بعد سب کچھ چھوڑ بیٹھیں گے۔

## صبح کی ہوا خوری بہ نیّتِ حفاظتِ صحت پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

ہمارے مرشدِ پاک حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہر روز بعد نمازِ فجر جنگل کی طرف ہوا خوری کی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے، اور ایک منزل قرآن ٹہل ٹہل کر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے حضرت بڑے محقق تھے، فرمایا کہ ہوا خوری کی غرض سے صحت کے لیے جنگل نِکل جانا بہتر ہے کہ اشراق کے لیے اپنی جگہ بیٹھا رہے۔

دراصل اعمال کا مدار نیت پر ہے، حصولِ صحت کی نیت سے اس عمل کا درجہ بلند ہوگیا، جس درجے کا مقصود ہوتا ہے اسی درجے میں ذریعۂ مقصود بھی ہوتا ہے۔

## عارف اور غیر عارف میں صرف اخلاص اور فہم کا فرق ہوتا ہے

اس راہ میں فہم کی بڑی ضرورت ہے۔ عارف اور غیر عارف میں فہم ہی کا تو فرق ہوتا ہے، ظاہری اعضاء تو دونوں کے یکساں ہی ہوتے ہیں، اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اشقیا را دیدۂ بینا نبود
نیک و بد در دیدۂ شاں یکساں نمود

بدبختوں کی آنکھیں بینا نہ تھیں، اس لیے ان کی نظر میں نیک و بد سب رتبے میں برابر معلوم ہوئے۔

ہمسری با انبیاء برداشتند
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

یہاں تک کہ اس برابری میں اپنے انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ رتبے میں شمار کیا، اور اولیاء کو بھی اپنے ہی جیسا سمجھا۔

گفت اینک مابشر ایشاں بشر
ما وایشاں بستۂ خوابیم و خور

اور اس برابری کی علّت یہ بیان کی کہ ہم بھی بشر ہیں اور یہ انبیاء اور اولیاء بھی بشر ہیں، ہم اور یہ لوگ دونوں خواب اور خوراک کے قیدی ہیں۔

چوں کہ صرف ظاہری صورت کی طرف کفار کی نگاہ گئی اور باطنی کمالات سے ناآشنا اور بے خبر رہی اس لیے ابلیس لعین کی طرح ہمیشہ کے لیے شقاوت کے چاہ میں محبوس ہوگئے، یعنی جس طرح ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السّلام کے اندر جو روح عارف اور جامع کمالاتِ نبوّت وولایت تھی، اس پر نگاہ نہ کی، شیشی کی فی نفسہٖ قدر تو کچھ نہیں ہوتی ہے، لیکن جب شیشی میں کوئی قیمتی عطر رکھ دیتے ہیں تو اس مظروف کی برکت سے ظرف کی قدر اور حفاظت کی جاتی ہے۔ پس اسی طرح کافر اور ولی کے ہاتھ، پاؤں، ناک، آنکھ، کان صورتاً یکساں ہیں لیکن باطناً زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ ’’چراغِ مردہ کجا شمعِ آفتاب کجا۔‘‘ اس ولی کے جسمِ خاکی کے اندر جو روح ہے وہ عارف روح ہے، اس عارف روح کے انوار اس کے تمام اعضاء کو حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق متحرک اور ساکن کرتے ہیں، اور کافر کے جسمِ خاکی میں جو رُوح غیر عارف ہے اس کی تاریکی سے اس کے اعضاء پر نفس اور شیطان حکومت کرتے ہیں، اسی کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکَ فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یَتَّبِعُوۡنَ اَہۡوَآءَہُمۡ ؕ وَ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ بِغَیۡرِ ہُدًی مِّنَ اللّٰہِ ؕ[۲۵۶]

’’اے ہمارے رسول! اگر یہ کفار آپ کا کہنا نہیں مانیں گے یعنی اگر آپ کو امام نہ بنائیں گے تو لامحالہ اپنے نفس کو امام بنائیں گے اور جب امام بے وضو ہوگا تو نماز کیا ہوگی۔‘‘

---

۲۵۶؎ القصص: ۵۰

نفس تو چاہتا ہے اپنے مزے کو اور اللہ چاہتا ہے اپنی غلامی کو۔ نفس چاہتا ہے کہ لذّت کے جتنے چور دروازے ہیں ہر دروازے سے لُطف اڑائیں، آنکھوں سے بھی خوب مزہ حاصل ہو، کانوں سے بھی خوب لطف حاصل ہو، ہاتھ پاؤں سے بھی خوب مزہ حاصل ہو، نفس کا حکم یہی ہے کہ جس طرح بن پڑے حلال و حرام، جائز و ناجائز نفع اور نقصان کچھ نہ دیکھو، بس ہم کو تو لطف چاہیے، تو بھائی! اس طرح اللہ کہاں ملتا ہے؟ اللہ تو جب ملتا ہے جب اللہ کی مرضی کے تابع ہوں، جب تک ہم نفس کے غلام ہیں تو اللہ کیسے مل سکتا ہے؟ اسی کو حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تاہوا تازہ است ایمان تازہ نیست
کیں ہوا جز قفلِ آں دروازہ نیست

”مولانا فرماتے ہیں کہ جب تک نفس کی خواہشات تازہ ہیں اس وقت تک ایمان میں تازگی نہیں ہے، کیوں کہ یہ خواہشاتِ نفسانیہ اس دروازۂ غیب کے لیے قفل ہیں۔“

اب سوال ہوتا ہے کہ پھر نفس کو توڑنے کا کیا طریقہ ہے؟ اس سوال کا جواب مولانا دوسرے شعر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ایں ہوا راشکند اندر جہاں
ہیچ چیزے جُز بسایہ ہمرہاں

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواہشات کو اس جہاں میں کوئی توڑنے والا نہیں ہے، بجز ایک چیز کے، وہ کیا ہے؟ سایۂ ہمرہاں، سایۂ ہمرہاں کیا چیز ہے؟ اس کو مولانا اس شعر میں فرماتے ہیں۔

یار باید راہ را تنہا مرو
بے قلاوزا ندریں صحرا مرو

ایک یار چاہیے، راستے میں تنہا مت چلو، بدون کسی راہ بر کے اس وادئ لق و دق میں قدم مت رکھو۔ اس کی تائید قرآنِ کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ اور سچوں کے ساتھ رہ پڑو۔

## نفس کی اتباع کے مفاسد

اگر ہر شخص اپنے نفس کا حکم ماننے لگے تو سارے جہاں میں آگ لگ جائے، بچے کہیں کہ ہم اپنے جی پر عمل کریں گے، بیوی کہے کہ ہم اپنے جی کا کہنا مانیں گے، شاگرد کہے کہ ہم اپنے جی کے مطابق سبق پڑھیں گے، ماں باپ کہیں کہ ہم اپنے جی پر عمل کریں گے، بادشاہ کہے کہ ہم اپنے جی پر چلیں گے، رعیت کہے کہ ہم لوگ اپنے جی پر عمل کریں گے، تو اس جی کی غلامی سے محض گھر کے گھر ہی نہیں بلکہ ملک کا ملک ہی تباہ ہو جائے گا۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملاست

کارِ طفلاں تمام خواہد شد

## ایک بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ اکیلے بیٹھے ہوئے کہہ رہے تھے کہ میں نہ تیرا بندہ نہ تو میرا خدا، تو میں تیرا کہنا کیوں مانوں؟ یہ خبر شدہ شدہ قاضیٔ شہر تک پہنچی، قاضیٔ شہر نے اُن کو طلب کیا اور دریافت کیا کہ تم کس سے یہ باتیں کرتے ہو؟ ان بزرگ نے فرمایا کہ میرا نفس جب اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف مجھے کوئی حکم کرتا ہے تو میں اپنے نفس سے یہی کہتا ہوں کہ نہ میں تیرا بندہ نہ تو میرا خدا، پھر میں تیرا کہنا مانوں کیوں؟

اللہ والے اس طرح اپنے نفس کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ اصل قانون پیدا کرنے والے کا قانون ہے، جی کی غلامی تو اس وقت روا ہوتی جب جی ہم کو پیدا کرتا، جی کی غلامی سے کیا ہوتا ہے، اپنے جی کے حکم سے فرعون نے کہا تھا: میں ربِّ اعلیٰ ہوں، پھر ربِّ اعلیٰ صاحب کی جو گت بنی ہے ظاہر ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ اے بنی اسرائیل! جب تم لوگوں کو موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ دریائے نیل سے ہم نے پار کر دیا تو تم لوگوں نے دیکھا کہ فرعون مع اپنے لشکر کے دریائے نیل میں گھس پڑا، اس وقت تم گھبرا گئے، کہ اب ہم لوگ پکڑ لیے گئے، مگر موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کَلَّا ہرگز

نہیں، اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے، پھر ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا، اور تم لوگ اس کا معاینہ کر رہے تھے۔

ہمارے حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ نے وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ کا یہی ترجمہ فرمایا ہے، معاینہ بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ ہوتا ہے، تم لوگ معاینہ اس بات کا کر رہے تھے کہ دیکھو وہ ڈوبا اب وہ ڈوبا، اب فرعون ڈوبا، اپنے دشمنوں کے ڈوبنے کا معاینہ کیسا دلچسپ معاینہ تھا، اور فرعون کے بدن کو میں نے سڑنے گلنے سے محفوظ رکھا تاکہ آیندہ والوں کے لیے عبرت کا ذریعہ ہو:

فَالۡیَوۡمَ نُنَجِّیۡکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَکَ اٰیَۃً ؕ وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوۡنَ ﴿۹۲﴾ [۲۵۷]

فرعون نے جی ہی کا تو کہنا مانا تھا، جس کی وجہ سے اس طرح ذلیل اور رُسوا ہوا۔ خوب سمجھ لو کہ جو شخص اپنے جی کا کہنا مانے گا تو وہ لامحالہ حکمِ الٰہی کو پسِ پُشت ڈال دے گا، کیوں کہ شیطان نفس کی بُری بُری خواہشات کو مزیّن کر کے نگاہ کے سامنے کر دیتا ہے، پس غلبۂ خواہش کا ایک نشہ چڑھ جاتا ہے، جس طرح شراب عقل کو کھودیتی ہے اسی طرح خواہشات میں بھی ایک طرح کی مستی ہوتی ہے جو عقل کو کھودیتی ہے۔ اسی کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

خشم و شہوت مرد را احول کند
ز استقامت رُوح را مبدل کند

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غصّہ اور شہوت مرد کو اَحوَلْ (احول ایک مرض ہے آنکھوں کا، جس سے ایک چیز کی دو نظر آتی ہیں، یعنی بھینگا) کر دیتی ہے اور استقامت سے یعنی سیدھی راہ سے رُوح کو ہٹا دیتی ہے، علاج کیا ہے اِنَّ مَعِیَ رَبِّیۡ میرے ساتھ میرا رب ہے، یہ فکر ہر وقت رہے کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔

---

[۲۵۷] یونس: ۹۲

حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ اور اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو جب یہ دھیان بندھا رہے گا تو گناہ سے حفاظت رہے گی، لفظ تو اتنا ہی ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے، لیکن یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس نعمت کے سامنے دونوں جہاں میں کوئی نعمت نہیں ہے۔

جی چاہنے پر عمل کرنے کی مثال ایسی ہے کہ ایک بچہ گھر سے مدرسے جانے کے لیے نکلا، راستے میں ناچ تماشا ہو رہا تھا، وہاں لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر اُس بچے نے کہا: چلو ذرا دیکھیں تو سہی کیا ہو رہا ہے، بس جب وہاں پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ناچ گانا ہو رہا ہے، بس اب عقل پر نفس کا نشہ چھا گیا، مدرسے کا خیال تک بھی نہ آیا، اب ہر روز یہ ہی چسکا پڑ گیا، گھر سے مدرسے کا بہانہ کر کے دن بھر تماشا دیکھا کرتا، بالآخر امتحان میں فیل ہو کر نامراد اور رُسوا ہو گیا، یہی حال آخرت سے غفلت کا ہے، کہ انسان دنیا کے تماشوں میں اپنا عزیز وقت ضایع کر رہا ہے۔

آئے تھے کس کام کو کیا کر چلے
تہمتیں چند اپنے ذمّہ دھر چلے
واں سے پرچہ بھی نہ لائے ساتھ میں
یاں سے سمجھانے کو دفتر لے چلے

اللہ والوں کو ہر وقت آخرت کی فکر رہتی ہے، کیا مجال کہ نفس جیسی کُتّی ان کے منہ لگے۔ فرماتے ہیں:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾[۲۵۸]

ہمارے راستے کے جو مرد ہیں ان کی شان یہ ہے کہ ان کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت، وہ ایسے دن

---

۲۵۸؎ النور: ۳۷

سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی۔

بڑی سے بڑی تجارت ہے، خرید و فروخت کا بازار گرم ہے، نماز کے لیے مؤذن نے اذان دی، ادھر کئی خریدار سو سو روپیوں کے نمبری نوٹوں کو دکھا رہے ہیں کہ ہم کو فلاں فلاں سودا چاہیے، اب نفس تو یہ کہتا ہے کہ اگر ان خریداروں کے نمبری نوٹوں کو قبضے میں نہیں لائے تو یہ کسی اور دوکان پر چلے جائیں گے، لیکن یہ مردانِ خُدا نفس کے بھونکنے کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے، جھٹ دوکان بند کی اور مسجد پہنچ گئے۔

اسی طرح اپنے مال سے بے دریغ زکوٰۃ نکالتے ہیں، ان کو ننانوے کا پھیر ادائیگیٔ زکوٰۃ سے روک نہیں پاتا، یہ مردانگی ان میں کیسے آئی؟ اس کا نسخہ بھی حق تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا ہے یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ہر وقت ان کو پیشی کی فکر دامن گیر ہے، کہ ایک دن آنے والا ہے، جس دن صرف حکومت اللہ واحد و قہار کی ہوگی، اور سارے سلاطینِ دنیا اس دن ایک سُوت کے مالک نہ ہوں گے، ہیبت اور جلالِ خداوندی سے اس دن قلوب اور آنکھیں لوگوں کی لوٹ پوٹ ہوں گی، قیامت کے ہولناک دن کی فکر نے اُن کو مَرد بنادیا ہے، اور ہم لوگ جو ''اے مخنث نَے تو مردی نَے توزن'' کے مصداق ہیں، اس کی وجہ ہماری بے فکری ہے۔

## بزرگانِ دین باوجود کمالاتِ علمیہ و عملیہ کے اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے

بزرگانِ دین باوجود کمالاتِ علمیہ اور کمالاتِ عملیہ کے اپنے کو کہتے ہیں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں، میرے اندر کوئی کمال نہیں ہے، اور اپنی اس بات پر وہ قسم بھی کھا لیتے ہیں، سو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان کے سامنے قیامت کا ہولناک دن ہے، حق تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کے دن سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں، حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کا استحضار اور غلبہ ان کے تمام اوصافِ علمیہ اور عملیہ کو ان کی نگاہ سے اوجھل کردیتا ہے۔ نیز اپنے اعمال میں اخلاص اور ادب کا جو درجہ وہ حق تعالیٰ کی شایانِ شان ضروری سمجھتے ہیں اس کے اندر جب نقصان اور کوتاہی دیکھتے ہیں تو غمگین اور نادم ہوکر اپنی حسنات سے بھی استغفار کرنے لگتے ہیں، کہ کہیں یہ مواخذہ نہ ہو جاوے کہ او بے ادب! کیا اسی طرح میری بندگی کی جاتی ہے کہ ظاہر میرے سامنے ہے اور باطن کبھی حاضر کبھی غیر حاضر۔

اس پر ایک واقعہ یاد پڑا۔ حضرت بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بہت ادب اور احترام فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار امام صاحب کے شاگردوں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ بِشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا کیوں اتنا ادب کرتے ہیں جب کہ وہ علم و فضل میں آپ سے حد درجہ کمتر ہیں؟ امام احمد نے ارشاد فرمایا کہ ''میں کتاب کا عالم ہوں اور بشر حافی اللہ کے عالم ہیں، وہ اللہ کو جاننے والے ہیں۔''

ایک دفعہ بعض طالب علموں نے کچھ مسائل دریافت کیے، اور مقصد امتحان تھا، ایک سوال سجدۂ سہو کے متعلق تھا، حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سامنے بندہ کھڑا ہو اور سہو ہو جاوے، یہ امر قابلِ تعجب ہے۔ پھر زکوٰۃ کا مسئلہ دریافت کیا، تو فرمایا کہ ہم اتنا رکھتے ہی نہیں جس پر زکوٰۃ فرض ہو۔

حافی کا خطاب بشر رحمۃ اللہ علیہ کو اس لیے ملا تھا کہ آپ نے جب یہ آیت سُنی وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰھَا فَنِعْمَ الْمٰھِدُوْنَ اور زمین کو ہم نے بچھونا بنایا ہے اور ہم بہت اچھے بچھانے والے ہیں۔ تو حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ پر ایک حال طاری ہو گیا، اور فرمایا کہ ''بشر کی کیا مجال جو اللہ کے بچھائے ہوئے فرش پر جوتا پہن کر چلے'' یہ ایک حال تھا جس کی تقلید دوسروں کے لیے ضروری نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ قدر فرمائی کہ زمین کو حکم دیا کہ جدھر سے ننگے پیر ہمارے بشر نکلیں اے زمین! تو نجاستوں کو نگل جایا کر، حافی کے معنیٰ ننگے پیر چلنے والے کے ہیں۔ یہ راستہ سمجھ والوں کے لیے بہت نازک ہے۔

ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان شریف میں ایک بار فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں جھوٹ بولنے کی میری عادت نہیں میں اپنے کو تمام مخلوق حتیٰ کہ سُور اور کُتّے سے بدتر سمجھتا ہوں، اللہ اکبر!

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

ازیں بر ملائک شرف داشتند
کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

اولیاء اللہ فرشتوں سے اسی سبب سے سبقت لے جاتے ہیں کہ خود کو سگ سے بھی بہتر نہیں جانتے ہیں۔

## اصل اعتبار خاتمے کا ہے

بات یہ ہے کہ اعتبار خاتمے کا ہے۔ اللہ والوں کی نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ جانوروں کا حساب کتاب نہیں ہے، ان کے واسطے جنت جہنم نہیں ہے، اور ہمارا حساب کتاب ہوگا، اس لیے حساب کتاب سے پہلے ہم کس مُنہ سے اپنے کو جانوروں سے بہتر سمجھ سکتے ہیں، یہ حالت جس پر گزرتی ہے وہی جانتا ہے۔

بے خبر بودند از حال دروں
اَسۡتَعِیۡذُ اللہَ مِمَّا یَفۡتَرُوۡن
تو ندیدی گہے سُلیماں را
چہ شناسی زبانِ مرغاں را

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکمیلِ عبدیت کے لیے عجیب دعا تعلیم فرمائی ہے، عرض کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنِیۡ فِیۡ عَیۡنِیۡ صَغِیۡرًا وَّفِیۡ اَعۡیُنِ النَّاسِ کَبِیۡرًا[۲۵۹]

اے اللہ! مجھ کو میری نگاہ میں چھوٹا کرکے دکھا دیجیے اور لوگوں کی نگاہوں میں مجھے بڑا کرکے دکھا دیجیے۔

اس دعا سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے اندر ذلیل ہونا مطلوب نہیں ہے بلکہ اس کا عکس مطلوب ہے پس اس دعا میں بندوں کی دو حیثیت کا لحاظ کیا گیا ہے: ایک تو اس کا تعلق بندگی کا ہے، پس مِنۡ حیث العبد ہونے کے اپنی نگاہ میں چھوٹا ہونا مطلوب ہے، ورنہ تکبر یا عُجب سے ہلاک ہوجاوے گا، اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ہے، اس

---

۲۵۹ مسند البزار: ۳۱۵/۱۰ (۴۴۳۹)، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ

انتساب اور تعلق کا لحاظ چاہتا ہے کہ یہ مخلوق میں ذلیل نہ ہو بلکہ محترم ہو۔ نبوّت کے یہ علوم بھی عجیب جامع ہوتے ہیں۔

حق تعالیٰ کی بارگاہِ بے نہایت پر جس کی نگاہ ہوتی ہے وہ خواہ کتنے ہی مراتبِ قرب طے کرچکا ہو لیکن اس کے سامنے غیر محدود مراتب ہوتے ہیں، پس آگے آنے والے مراتبِ قرب کے سامنے پچھلے مراتبِ قرب کی طرف اُن کی نگاہ نہیں جاتی ہے، اور جاتی بھی ہے تو بجائے عُجب کے اور ندامت طاری ہوتی ہے، کہ اے اللہ! اب تک ہم کیوں نقصان میں رہے، "عشق است وہزار بدگمانی"، عشقِ دنیاوی میں تو معشوقوں پر ہزار بدگمانی ہوتی ہے۔ اور عشقِ حق میں عاشِق اپنے نفس پر ہزار بدگمانی کرتا ہے، کہ نہ معلوم کس بات پر پکڑ ہوجاوے، نہ معلوم میرا فلاں عمل میاں کو پسند بھی آیا یا نہیں، بس ہر وقت حق تعالیٰ کی خوشی اور ناخوشی پر ان کی نگاہ ہوتی ہے۔ ہم لوگ جس نگاہ سے بزرگوں کو دیکھتے ہیں اس نگاہ سے وہ لوگ اپنے اوپر نظر نہیں کرتے ہیں، ان کی نگاہ اپنے اوپر نگاہِ عبدیت پڑتی ہے، اپنے کو ہر وقت ناقص دیکھتے ہیں، بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا راستہ کبھی قطع نہیں ہوتا ہے۔

نہ گردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا

مولانا فرماتے ہیں۔

اے برادر بے نہایت درگہیست
آنچہ بروے می رسی بروے مایست

بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تمام صفات غیر محدود ہیں اس لیے اللہ کا راستہ قطع نہیں ہوسکتا، کیوں کہ قطع ہوجانا محدود کو مستلزم ہے، راستہ قطع ہونے سے مراد راہِ عبدیت کے اعتبار سے ہے۔

نہ گردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا

حق تعالیٰ اپنے قرب کا جتنا حصہ جس کو عطا فرمانا چاہتے ہیں اسی اعتبار سے اس کی انتہا ہوتی ہے۔ ہر سالک کو موت آنے سے پہلے تک اعمالِ حَسنہ سے قرب حاصل ہوتا رہتا ہے، جس

وقت نزع کا عالم طاری ہو جاتا ہے اس وقت اب اس کی ترقی رک جاتی ہے، پس قرب کے جس مقام پر کہ سکرات کا عالم طاری ہوا ہے وہی مقام اس بندۂ سالک کا انتہائی مقام ہوتا ہے۔

اسی طرح رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا اے ہمارے رب! ہمارے نور کو تام فرما دیجیے۔ تو اس تمامیتِ نور میں بھی بہت مراتب ہیں۔ انبیاء علیہم السّلام کی تمامیتِ نور کا اور معیار ہے، صدیقین اور شہداء وصالحین کی تمامیتِ نور کا اور درجہ ہوگا۔ دین کی سمجھ بھی بڑی نعمت ہے۔ یہ ایسی نعمت ہے جو عارف کی دو رکعت نماز کو با سمجھ عابد کی ہزار رکعت سے بھی افضل کر دیتی ہے۔

اب مضمون کو اس اجمال پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے لیے تین باتیں ضروری ہیں: اوّل: صحبتِ اہل اللہ، ثانی: کثرتِ ذکر اللہ، ثالث: تفکر فی خلق اللہ، اور ان تینوں حالتوں میں سب سے اہم اور بنیادی چیز اللہ والوں کی صحبت ہے، بدون صحبت کے عمر بھر کا مجاہدہ وریاضت شیطان منٹوں میں اکارت کر دیتا ہے، اور صحبت یافتہ نفس اور شیطان کے داؤ پیچ سے واقف ہوتا رہتا ہے۔ شیخ کو اپنی حالت سے اطلاع اور اس کی تجویز کی اتباع ایک دن طالب کو مقصود تک پہنچا دیتی ہے، اگر کچھ دیر ہو تو گھبراوے نہیں ؎

سالہا باید کہ تا از آفتاب
لعل یابد رنگ رخشانی و تاب

اِک زمانہ چاہیے کہ آفتاب کی شعاعوں سے پتھر مستفیض ہوتے ہوتے لعل بن جائے۔

کیمیائے ست عجب بندگی پیرِ مغاں
خاکِ او گشتم و چندیں درجاتم دادند

اللہ والوں کی غلامی عجب کیمیا ہے کہ چند دن ان کے سامنے مٹنے سے ایسے بلند درجات عطا ہوئے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کیسے بنے تھے؟ محض تعلیمِ کتاب سے نہ بنے تھے، تعلیمِ کتاب کا درجہ تو بعد کا درجہ ہے، تعلیمِ کتاب کی نافعیت کا مدار تزکیہ پر ہے، عطر گندی شیشی میں کیا اثر کر سکتا ہے، بلکہ شیشی کی گندگی سے عطر کی خوشبو بھی ضایع ہو جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کتاب کی تعلیم دینے سے پہلے ان کے سینے کو رذائل سے پاک فرمایا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ کی محبّت اور معرفت اگر حاصل کرنا ہے تو کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کریں۔ ہمارے حضرت مرشدِ پاک رحمۃ اللہ علیہ ایسے موقع پر اکبر الٰہ آبادی کا یہی شعر پڑھا کرتے تھے ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

زندگی کی ہر سانس کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ موت آجانے پر ایک سانس کی مہلت ہفت اقلیم کی دولت قربان کرنے پر بھی نہ مل سکے گی ؎

اختر جگ میں آئے ہو کچھ دیا دھرم کے کام کرو
یہ وقت نہیں ہاتھ آئے گا جو کرنا ہے سو آج کرو

اب دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ ہم سب کو اپنی معرفت اور محبت عطا فرمائیں، اور اس کتاب ”معرفتِ الٰہیہ“ کو قبول فرمائیں، اور اپنے بندوں کے لیے اس کتاب کو نافع فرمائیں، اور ہماری غلطیوں کو معاف فرمائیں، اور ہماری روح کی غذا اپنی محبت و معرفت کو فرمادیں ؎

جامہ پوشاں را نظر بر گازر است
رُوحِ عریاں را تجلّی زیور است

جامہ پوشوں کی نظر صرف دھوبی پر ہوتی ہے اور روح عریاں زیور تجلّی حق کا مشاہدہ ہے۔

شد صفیرِ باز جاں در مرجِ دیں
نعرہ ہائے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ

دین کی چراگاہ میں عارفین کی روحیں جو مشابہ باز شاہی کے ہیں، لَا اُحِبُّ الاٰفِلِیْن کے نعرے لگاتی رہتی ہیں یعنی یہ کہ دنیا کی فانی لذّات کی طرف ہم رُخ نہیں کرتے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

محمد اختر عفا اللہ عنہ

# سو بار بھی گر گر کے سنبھلتا ہے آج بھی

ہاں وہ درِ میخانہ تو کھلتا ہے آج بھی
پیمانۂ رحمت تو چھلکتا ہے آج بھی

وہ درد جو ارواح کی کلیوں کو ملا تھا
ہر چاک گریباں سے مہکتا ہے آج بھی

اعجازِ نظر دیکھے ساقئ ازل کا
اشکوں میں لہوں میرے ٹپکتا ہے آج بھی

جو مست ہُوا مُرشدِ کامل کی نظر سے
سو بار بھی گر گر کے سنبھلتا ہے آج بھی

وہ جامِ محبت ترا نایاب نہیں ہے
سینوں سے اہلِ درد کے ملتا ہے آج بھی

اخترؔ ہماری درد پسندی کی انتہا
ہے وصل مگر دل تو تڑپتا ہے آج بھی

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

# میں پہنچا خدا تک سرِ دار ہو کر

عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نگہ جس نے نامحرموں سے بچالی
حلاوت بھی ایمان کی اس نے پالی

دیا ملک و اقبال جاہِ بلخ کا
ہے شہرہ زبانوں پہ شاہِ بلخ کا

مگر پی گیا جو لہو آرزو کا
نہ دیکھا کبھی منہ کسی خوبرو کا

اگر شاہ ادہم سے برتر نہیں ہے
ولے شاہِ ادہم سے کمتر نہیں ہے

جو دل روکش غیر حق ہو رہا ہے
فقیری میں شاہِ بلخ ہو رہا ہے

مہ و شمس سے دست بردار ہو کر
میں پہنچا خدا تک سرِ دار ہو کر

ہوئی تیغ حق سے شہادت کسی کی
نہیں جس پہ لیکن شہادت کسی کی

قیامت کے دن باطنی یہ شہادت
کرے گی شہیدوں کی صف میں اقامت

جس عاشق کا سر ہو تری تیغ سے خم
عجب کیا کہ ہو رشک سلطان ادہم

# تیرے دیوانوں کے دل میں عشقِ مولیٰ چاہیے

قیس کو لیلیٰ اگر وامق کو عذرا چاہیے
تیرے دیوانوں کے دل میں عشقِ مولیٰ چاہیے

میرے سر کو اے خدا تیرا ہی سودا چاہیے
نغمۂ گلشن تو ہو پر آہِ صحرا چاہیے

عشق کہتا ہے کہ میرے سر کو سنگِ در ملے
عقل کہتی ہے کہ مجھ کو فکرِ فردا چاہیے

ڈھونڈتا ہوں ہر زمیں پر اہلِ دردِ دل کو میں
مجھ کو تیرے عاشقوں کے چند اسما چاہیے

دین کی خدمت سکونِ قلب سے کرتا رہوں
اس کی خاطر مجھ کو یارب حفظِ اعدا چاہیے

یاد تیری ہر نفس غالب رہے دل پر مرے
یہ شرف اخترؔ کو بھی امروز و فردا چاہیے

# گلشن میں بھی ہوں نالۂ صحرا لیے ہوئے

ہر شعر مرا غم ہے تمہارا لیے ہُوئے
اور درد محبت کا اشارا لیے ہُوئے

ارض و سما سے غم جو اُٹھایا نہ جا سکا
وہ غم تمہارا دل ہے ہمارا لیے ہُوئے

کیا عشق کا یہ دوستو اعجاز نہیں ہے
گلشن میں بھی ہوں نالۂ صحرا لیے ہُوئے

ایذائے خلق نے کیا خالق سے بھی قریب
فریاد کا ہر لمحہ سہارا لیے ہُوئے

یہ دل ہے اُن کے درد کا مارا اے دوستو!
سینے میں محبت کا مِنارا لیے ہُوئے

عارف کا ہر سکوت ہے پیغامِ محبت
اور ان کی تجلّی کا نظارا لیے ہُوئے

اخترؔ زمیں پہ اس طرح رہنے کی فکر کر
اپنے خُدا کے غم کو خُدارا لیے ہُوئے

زیرِ نظر کتاب ''معرفتِ الٰہیہ'' حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفقہ اور اعلیٰ روحانی مرتبے کی غماز ہے۔ آپ کے ان غامض علوم کو آپ کے شاگردِ رشید اور مرید حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب نے جس احسن طریقے سے اس کتاب میں قلم بند فرمایا ایک زمانہ اس کا معترف ہوا۔ آپ کے یہ الہامی علوم آپ کی مختلف مجالس کے ارشادات وتقاریر کا مجموعہ ہے۔ ان علوم وارشادات میں سے بعض درسِ بخاری شریف کے وقت میں ہوئے، بعض جلسہ وخطابِ عام میں وارد ہوئے، بعض احبابِ خصوصی کی مجلس میں بصورتِ ملفوظات ظاہر ہوئے، بعض درسِ مثنوی مولائے روم کے دوران ارشاد فرمائے اور بعض علوم ومعارف اس وقت کے ہیں جب حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ تلاوت وذکر میں مشغول ہوتے تھے اور اچانک ارشاد فرماتے کہ فلاں آیت یا حدیث کے متعلق حق تعالیٰ نے مجھے علمِ عظیم عطا فرمایا ہے، پھر اس علم کی تقریر فرماتے جسے آپ کے ہمہ وقت حاضر باش مرید وشاگرد حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب لکھ لیا کرتے تھے۔ یوں سولہ برس تک قطرہ قطرہ جمع ہوتا گیا اور علوم ومعارف کا یہ عظیم الشان سمندر معرضِ وجود میں آیا۔ جس کے متعلق حضرت مولانا عبد الغنی صاحب فرماتے تھے کہ ''یہ نعمتِ علم ایسی نعمت ہے کہ ہفت اقلیم کی دولت اس کے سامنے ہیچ ہے۔''

www.khanqah.org